شریعت

اسلامی
یا
ذاتی و قومی و حکومتی مصلحتیں

تحقیق و تحریر:

ابو عبداللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

☆جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ☆

نام کتاب : شریعت

اسلامی یا ذاتی وقومی وحکومتی مصلحتیں

مصنف : ابوعبداللہ

ناشر : ابوعبداللہ

طبع سوم

اشاعت : 2004ء

☆--☆

فهرست

عنوان نمبر	ذیلی عنوان نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
1		آپ کون سی نماز پڑھتے ہیں؟	
	(1)	عہدِ مرتضویؑ سے پہلے نماز تبدیل ہو چکی تھی	2
	(2)	رسولؐ اللہ کا طریقہ کیوں جاری نہ رہا؟	3
	(3)	رسولؐ اللہ کی نماز کو صرف کتابوں میں قید رکھا گیا ہے	4
	(4)	رسولؐ اللہ کی دی ہوئی نماز کو بدل ڈالنے کا یقینی ثبوت	6
	(5)	دین کی اتنی نمایاں عبادت کیسے بدل دی گئی؟	7
	(6)	عوام کی پوزیشن علما کے نزدیک	8
	(7)	رسولؐ اللہ کے دین یا نماز میں تبدیلی اُمت نے نہیں، علما نے کی ہے	8
	(8)	حضرت علیؑ کے زمانہ میں بھی تخریب کار علما مسلمانوں میں پوشیدہ تھے	9
	(9)	ڈھکوی گروپ کے باطل اجتہاد کا ماخذ اور منبع	10
	(10)	تخریب کاروں کا اسلام اور اسلام میں تخریب کا طریقہ	10
	(11)	خالص باطل کو کوئی اختیار نہ کرتا مگر باطل کو حق کا لبادہ اُڑھا دیا جاتا ہے	12
	(12)	اسلام کے خلاف ایک با قاعدہ کھلا محاذ قائم تھا جو اسلام کو تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا	13
	(13)	نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ تخریب کار نقلی مسلمان گروہ	14
	(14)	رسولؐ اللہ سے منسوب پوری قوم نے قرآن کو ترک کر کے مندرجہ بالا مرکز کو حاکم مان لیا تھا	15
	(15)	رسولؐ اللہ کی قوم رسولؐ کے بعد واپس کفر و کافرانہ نظام کی طرف پلٹ گئی	16
	(16)	یہاں نظامِ ابلیسی اور اسلام واُمت کے دشمنوں کی تخریب فی الدّین واضح ہو چکی	16
	(17)	رسولؐ اللہ کے بعد صحابہ اور مذکورہ بالا قوم کا حال بخاری شریف سے دیکھیں	17
	(18)	رسولؐ اللہ کے بعد قیامت تک ایک گروہ کفر اختیار کرتا چلا جائے گا	18
2		اسلامی احکام قومی و ملکی مصلحتوں اور حکومتوں نے تبدیل کئے تھے	19
	(1)	دین میں تبدیلیاں اُمت سے چھپائی جاتی رہیں	19
	(2)	دینی احکام بدلنے میں ابوبکر و عمر بہت محتاط اور مخلص تھے	21
	(3)	پُرخلوص شریعت سازی پر ایک نظر	22
	(الف)	’’قرآن میں ہر چیز کی تفصیل:	22
		’قرآن ہر چیز کے بیان کا حامل	22
	(ج)	نظامِ اجتہاد کا عقیدہ اور عمل	22
	(د)	بلا قرآن وحدیث اسلام کے نام پر مسائل بیان کرنا عام ہو گیا تھا	23
	(ہ)	شرع کے نام پر احکام جاری کرنے کا معیار ذاتی رائے قرار پا گیا	23

(و) ہر حکم کلام اللہ کے الفاظ میں دیا جانا فرض ہے

(ز) شریعت سازی کا فری اسٹائل طریقہ یہودیوں کے یہاں سے آیا تھا 26

(i) یہودیوں میں قانون، جج (Judge) اور اجتہادی اِدارے موجود تھے 27

(ii) کتاب اللہ سے انحراف اور مصالح پر عمل درآمد کفر ہے 28

(ح) علامہ کے بیان پر ہماری ایک نظر 28

(ط) اسلامی شرائط کے خلاف یہود کی اتباع میں شریعت سازی کی خبر 30

(ی) مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے مقدمات یہودی ادارہ سے فیصل کرواتا تھا 31

(4) طاغوتی ادارہ علامہ احمد امین مصری کی نظر میں 32

(5) کتبہائے خداوندی سے ہٹ کر شریعت سازی کی ضرورت؟ 33

(6) آنحضرتؐ کے بعد ذاتی رائے سے شریعت سازی کے راہنما 34

(7) قرآن وسُنتِ رسولؐ سے انحراف کا نتیجہ کیا ہوا؟ 36

(i) اسلام اور قرآن کی معطّلی اور رعایا کا تعاون حاصل کرنے کیلئے خود ساختہ نظام حکومت 36

(ii) فکر فاروقی نے جو انقلاب چاہا تھا وہ ابھی تک برپا نہیں ہوا ہے 38

(iii) حضرت معاویہ کے بعد حضرت عمر کی پالیسی سے واقف لوگ 39

(8) شریعت سازی نے موجودہ شریعت کو اللہ ورسولؐ سے بےتعلق کردیا 43

(9) وہ شرائط جن سے موجودہ شریعت اللہ ورسولؐ کی شریعت کہلاسکتی ہے؟ 43

(10) قرآن کریم سے باطل کو قیامت تک سہارا نہ ملے گا 44

(v) قارئین کو کیسا بے وقوف سمجھا گیا ہے؟ 47

(vi) قرآن یہاں بھی شریعت ساز ادارہ سے خبردار کررہا ہے 48

3 شریعت سازی میں قرآن اور حدیث کہاں تک ملحوظ رہے؟ 48

(1) شریعت سازی میں قرآن کس طرح نظرانداز کیا گیا؟ 49

(2) چھچھ ٹائپ کے لوگ اپنے شریعتمداروں کے احکام پر حدیث چپکا دیا کرتے تھے 50

(3) شریعت سازوں کے متعلق خوش فہمی اور عقیدت مندی 51

(4) شریعت ساز ادارہ کا عِلمُ القراٰن 52

(5) قرآن کریم سے رسولؐ کریم اور صحابہ کرام کا تعلق واقعات کے آئینہ میں 53

(i) اُمت کے ہر ہر فرد کو حضرتِ عمر کا شکرگزار ہونا چاہئے 55

(ii) قارئین کرام ایک عاجزانہ سوال کا جواب سوچیں 56

(iii) صرف قرآن ہی کتاب اللہ نہیں، توریت بھی تو مصدقہ کتاب اللہ ہے 56

4 توریت کے نام پر قانون سازی کا مرکزی ادارہ 58

(1) یہودی تعلیمات دانشورانِ اسلام میں پھیلانے کی کوشش 60

(2) رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں مدنی ادارۂ اجتہاد کامیاب ہوتا گیا 61

(3)	شبلی صاحب کا محتاط قلم اور حضرت عمر کا یہودی علما سے ربط وضبط	63
(4)	شبلی صاحب کی دوہری خیانت کے باوجود حضرت عمر روشنی میں آ گئے	63
(5)	حضرت عمر کا یہودی مرکز اور توریت سے ربط وضبط رسولؐ اللہ کی نظر میں	64
(6)	اللہ ورسولؐ کی باتیں وہ جانیں ہم تو اس قدر سمجھے کہ دونوں ہمارے ہمدرد تھے؟	65
(7)	حضرت عمر دو (2) ہزار سالہ علم واجتہادی بصیرت ضائع نہ ہونے دیں گے	68
(8)	شریعت ساز لوگ رسولؐ اللہ کو کس طرح بے دخل کرتے ہیں؟	74
(9)	وہ طریقہ جس سے شریعت ساز گروہ نبیؐ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کردیتا ہے	75
(10)	پرویز اینڈ کمپنی رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی؟	78
	شریعت سازی کا ہر پہلو قرآن وحدیث سے باطل نکلا	81
5	موجودہ شریعت کی تیاری وتنفیذ میں فاروقی حصّہ؟	84
(1)	حیاتِ رسولؐ میں بعد انتقال رسولؐ شریعت سازی کی تمہید وتیاری	84
(2)	عہدرسولؐ میں حضرت عمر نے عہدِ خلافت کے لئے اپنی شریعت تیار کرلی تھی	85
(3)	فہم وفراست میں عربوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد بازو ہوں	86
(4)	شریعت سازی میں فاروقی مداخلت اللہ ورسولؐ کو پسند تھی؟	86
(5)	حضرت عمر کی نافرمانیاں بھی اللہ کی ہدایت وشریعت بنادی گئیں	87
(6)	حضرت عمر کی نافرمانیٔ رسولؐ بھی اللہ کی فرمانبرداری تھی؟	88
(7)	وہ محدود وحی جو رسولؐ پر نازل ہوتی تھی حضرت عمر کی وسعت نظر میں حارج تھی	89
(8)	شبلی کے زمانہ تک ہندوستانی مسلمان علما ذرا جھجکتے رہے	91
(9)	شریعت کی تیاری وتنفیذ میں حضرت عمر کی کدّ وکاوش	92
(10)	انتقالِ رسولؐ کے بعد بھی حضرت عمر رسولؐ اللہ کی خامیاں بیان کرتے رہے	93
(11)	قرآن فہمی اور شریعت سازی کو عقلی معیار پر کس نے بلند کیا؟	94
(12)	حضرت عمر کی عقل قرآن ورسولؐ کی صحت کا معیار تھی	95
(13)	رسولؐ اللہ کی یادگاروں سے بُت پرستی کا اندیشہ تھا	97
6	آنحضرتؐ کے بعد جو دین وشریعت حکومت کی طاقت سے دُنیا میں پھیلے؟	98
(1)	فری اسٹائل (Free Style) حکومت اور شریعت خاندانِ نبوت سے ممکن نہ تھی	99
(2)	قارئین حضرتِ عمر اور شبلی کا سَر بَمُہر اور سربند قدیم منصوبہ آپ کے سامنے ہے	101
(3)	جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں قومی حکومت لے لی گئی	103
(4)	حضرت عمر نے زبردستی خاندانِ نبوت میں حکومت نہ جانے دی	105
(5)	حضرت علیؑ کی حکومت فتنہ سازی اور سازشوں کا پیش خیمہ ہوتی	107
(6)	حضرت ابوبکر کو بھی زبردستی سے اپنا آلۂ کار خلیفہ بنایا گیا تھا	109
(7)	اے کاش یٰلَیْتَنِیْ، یٰوَیْلَتٰی نو دفعہ؛ کیا ظاہر کرتا ہے	111

	(8)	حضرت عمر نے عہدِ رسولؐ کے تمام سربرآوردہ صحابہ کو باندھ کر رکھ دیا تھا	111
	(9)	نظر بند صحابہ سے مشاورت کی عقلی حیثیت	113
7		تمام تعلیماتِ رسولؐ کا بلیک آؤٹ اور احادیثِ رسولؐ پر پابندی وسزا	114
	(1)	مدینہ میں حدیث بیان کرنے کی عام ممانعت کردی گئی	114
	(2)	حَسْبُنَا کِتَاب اللّٰہ کی پالیسی سمجھ کر آگے بڑھیں	114
8		حضرت عمر نے اپنی تیار کردہ اور پسندیدہ شریعت اور مذہب کو کس طرح نافذ کیا؟	121
	(1)	ہر صحابیٔ رسولؐ احادیث بیان کرنے کا مجاز نہیں تھا	122
	(2)	مرکزی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے مخصوص قاضی ومفتی اور باقی صحابہ کا منہ بند رکھا	122
	(3)	ہر فتویٰ، ہر وعظ ولکچر قومی حکومت کی تائید میں ہوگا؛ مفتیوں پر نگرانی ہوگی	123
	(4)	فاروقی شریعت کی خلاف ورزی پر سنگین سزا کے نوٹس	124
	(5)	فاروقی شریعت، فرمانِ شاہی اور خزانۂ شاہی کی قوت سے مسلط کی گئی تھی	124
	(6)	قرآن کی طرح شریعت پھیلانے کا انتظام؛ تنخواہ دار مبلّغ اور شاہی جبر	130
	(الف)	کوئی ملک حضرت عمر کی شریعت کے علما فقہا سے خالی نہ تھا	131
	(ب)	کس مُلک میں کون مبلّغ ؟	131
	(ج)	تنخواہ دار علما کے علاوہ سب کی زبان بندی جاری رکھی	131
	(7)	فاروقی شریعت نافذ کرنے پر علامہ شبلی کے جستہ جستہ ریمارکس	135
9		اللہ ورسولؐ کا قائم کردہ اسلام اور قرآنی احکام سرتاپا بدل گیا، قومی مسلک اسلام بن گیا	138
	(1)	علامہ شبلی نے حضرت عمر کو مستقلاً قرآن اور رسولؐ کا مخالف ثابت کردیا ہے	142
	(الف)	حضوؐر کی کوئی بات ذاتی تصور کی ترجمان نہ ہوتی تھی بلکہ ترجمانِ وحی تھی	143
	(ب)	آنحضرتؐ اپنی ذاتی رائے یا قیاس سے کوئی بات یا کام نہ کرسکتے تھے	143
	(ج)	حضرت عمر تصدیق کرتے ہیں کہ رسولؐ کی ہر بات وفیصلہ اللہ کی طرف سے اور حضرت عمر کا فیصلہ ذاتی رائے سے	144
	(د)	باطل عقائد کی کمر توڑ دی گئی رسولؐ معصومؐ اور تمام کائناتی علوم کا عالم تھا	144
	(2)	اسلام اور اسلامی شریعت کی ترمیم وتنسیخ کی داستان بہت طویل ہے	145
	(3)	شریعت ساز بزرگ امیرؓ المومنین کے دربار میں چند نظارے	150
10		اللہ ورسولؐ کے احکام ہوں یا ابوبکر کی تصدیق ہو، فاروقِ اعظم کا فیصلہ ہی صحیح اسلام ہے	152
	مسئلہ نمبر 1	پہلا فیصلہ۔ حضرت فاطمہؑ کی جائیداد سے عربی مخالفت بزورِ شمشیر دبانا	152
	مسئلہ نمبر 2	ایک فرمان سے قرآن کے دو حکم باطل اور حرام کردیئے	153
	(الف)	متعہ ہے کیا؟	154
	(ب)	متعہ امام مالک اور اُن کی کتاب موطا کی نظر میں	157
	(ج)	متعہ؛ محمد اسماعیل اور اُن کی کتاب بخاری کی نظر میں	159
	(د)	امام مسلم بن الحجاج اور کتاب صحیح مسلم کی نظر میں نکاح متعہ؟	160

مسئلہ نمبر 3	حج کے متعہ کو حرام کرنے کی تفصیل	162
مسئلہ نمبر 4	احرام کی حالت میں نکاح کو حرام کر دیا جب کہ رسولؐ اللہ نے نکاح کیا تھا	165
مسئلہ نمبر 5	عورتوں کے لئے حج کو مصیبت بنا دیا گیا	167
مسئلہ نمبر 6	ہر قسم کی اور ہر عمر کی عورتوں کے نکاح کا اختیار ضبط کر لیا تھا	167
مسئلہ نمبر 7	عورتوں کی کوئی شرط قابلِ اعتنا نہیں ہے۔ وعدہ خلافی حلال ہے	170
مسئلہ نمبر 8	اللہ ورسولؐ کی مشہور مخالفت ایک جھٹکے میں تین طلاق عورت حرام	170
مسئلہ نمبر 9	اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی	172
مسئلہ نمبر 10	دیہات و بیرونجات کے عربوں سے مہاجر عورتوں کا نکاح منع کر دیا	172
مسئلہ نمبر 11	عورتوں کے مہر پر پابندی؛ مقررہ مقدار سے زیادہ رقم ضبط کرلو	172
مسئلہ نمبر 12	حقیقی ماں بیٹیوں سے بیک وقت جنسی تعلقات کا جائز کرنا	176
مسئلہ نمبر 13	کوئی عربی شخص کنیز سے نکاح نہ کرے گا	179
مسئلہ نمبر 14	اللہ کا مقرر کردہ حقِ رسولؐ یعنی خمس ضبط کر لیا گیا	180
مسئلہ نمبر 15	کھڑے کھڑے پیشاب کرنا دیوار سے رگڑنا	182
مسئلہ نمبر 16	پاؤں پر مسح کرلو تو وضو باطل؛ موزوں (جوتوں) پر مسح کرلو تو وضو صحیح	183
مسئلہ نمبر 17	شرمناک؛ جہالت مآب جنسی مسئلہ	184
مسئلہ نمبر 18	غسلِ جنابت کی جگہ تیمّم کرنے کی ممانعت خواہ ایک ماہ پانی نہ ملے	186
مسئلہ نمبر 19	نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھنا بند کر دیا	187
مسئلہ نمبر 20	عجمی شخص کی پیش نمازی قابل اعتبار نہیں تھی	191
مسئلہ نمبر 21	اذان میں اضافہ کر دیا جو آج تک جاری ہے	191
مسئلہ نمبر 22	قدیم اسلامی یادگاروں اور آثارِ رسوؐل کو مٹانا	192
مسئلہ نمبر 23	باندی کسی سے پردہ کرے تو اس کی پٹائی کردو	193
مسئلہ نمبر 24	میاں بیوی بیچ میں پردہ ڈال کر نماز پڑھیں	193
مسئلہ نمبر 25	وضو میں پاؤں دھونا اور لاتعداد مسائل	193
مسئلہ نمبر 26	حضرت عمر اور ان کے اسٹاف کا متفقہ فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے	194
مسئلہ نمبر 27	دورانِ نماز امام کا وضو کرنا جماعت کو کھڑا چھوڑ جانا	196
مسئلہ نمبر 28	دوران نماز گردن پکڑ کر نمازی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا	197
مسئلہ نمبر 29	حضرت عمر کے مذہب میں نماز کی ابتدا کا طریقہ ملاحظہ ہو	197
مسئلہ نمبر 30	حضرت عمر کے مذہب میں نماز کے اندر بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نہیں ہوتی تھی	197
مسئلہ نمبر 31	نماز میں بسم اللہ پڑھنا ثابت کرنے کی کوششیں ناکام ہیں	198
مسئلہ نمبر 32	جماعت کی نماز میں قرآن کی مخالفت تمام نمازی سورۃ فاتحہ پڑھیں گے	200
مسئلہ نمبر 33	ظہر وعصر کی نمازوں میں بالجہر بلند آوازی سے قرأت کرنا	201

	مسئلہ نمبر 34	یاتِ سجدہ والی سورتیں پڑھنا اور سجدہ سے روکنا	
	مسئلہ نمبر 35	نماز میں اللہ کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں ہے	201
	مسئلہ نمبر 36	رسولؐ اللہ شیعوں کی طرح اور حضرت عمر اُن کے خلاف نماز پڑھتے تھے	201
	مسئلہ نمبر 37	سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر ٹکانا	202
	مسئلہ نمبر 38	حضرت عمر نے نمازوں میں سے دعائے قنوت خارج کر دی	202
	مسئلہ نمبر 39	نماز میں تشہد اور تشہد میں فاروقی تعلیم	207
	مسئلہ نمبر 40	نماز تراویح اور حافظوں کی رفتار پر رکعتوں کی تقسیم	209
	مسئلہ نمبر 41	نماز استسقاء بند ہوگئی	210
	مسئلہ نمبر 42	اُکڑوں بیٹھ کر نماز پڑھنا	210
	مسئلہ نمبر 43	ظہر کے وقت سے پہلے بھی ایک چار رکعتی نماز	210
	مسئلہ نمبر 44	نمازوں کی رکعات پر بھی نظر تھی	211
	مسئلہ نمبر 45	نماز کی قرأت میں آزادی کا دیباچہ	211
	مسئلہ نمبر 46	نماز جنازہ میں اصلاحات	211
	مسئلہ نمبر 47	روزہ کھولنے میں جلدی کرنے والوں سے خیر وابستہ رہے گی	213
	مسئلہ نمبر 48	حج کے دوران حالتِ احرام میں خوشبو لگانا ناجائز کر دیا	214
	مسئلہ نمبر 49	حج میں بھی دو دو نمازوں کا ملانا پسند نہ تھا	214
	مسئلہ نمبر 50	وراثت کی تقسیم میں حقداروں کو اُلٹ پلٹ کرنا	215
	مسئلہ نمبر 51	حضرت عمر کے ذہن میں نہ معلوم کتنی آیات تھیں جو قرآن میں نہیں	217
	مسئلہ نمبر 52	بلا نکاح جنسی تعلق قائم کرنا مردوں کو جائز؛ عورتوں کے لئے حرام؟	219
	مسئلہ نمبر 53	دنیا سے مساوات رُخصت، سرمایہ داری وطبقہ واریت کی ہمہ گیری کو دعوت	221
11		کثرت الناس کا اپنے بادشاہوں کے مذہب پر رہنا	224
	(2)	بادشاہوں یا حکمرانوں کے مذہب کو اسلام نہیں کہا جاسکتا	226
	(3)	حضرت عمر کا شاہانہ انتظام اور اُس کی داخلی خامیاں	227
	(4)	قومی وملکی پنچائتی حکومت نے حضرت عمر کے مذہب وشریعت کو بحال رکھا	228
12		حضرت عمر کے جاری کردہ مذہب اور شریعت کو اُن کے بعد کیسے بحال رکھا گیا تھا؟	232
	(1)	معاویہ ویزید اور بعد کی تمام حکومتیں فاروقی مذہب پر کاربند تھیں	233
	(2)	حضرت امیر معاویہ نے فاروقی شریعت ومذہب کو کس طرح نافذ کیا؟	235
	(3)	مذہبِ باطل کی تائید میں شیعوں کا قتل عام؛ علامہ احمد امین اور پرویز	239
	(4)	اہلِ انصاف وعدالت سے چند سوالات اور حق وباطل کا فرق؟	240
	(5)	اسلام کی صورت بگاڑنے اور ملکی حکومت ومذہب کی تائید میں حدیث سازی	242
	(6)	مذہبِ علیؑ وشیعانِ علیؑ اور مذہبِ معاویہ	244

	(7)	فاروقی شریعت کی تکمیل پر چند توجہ طلب جُملے	246
	(i)	تاریخ کو مرتب کرنے کرانے والے کون لوگ ہیں؟ علامہ شبلی کا فیصلہ	246
13		اسلامی نماز بھی اسلام کے ساتھ ہی رُخصت کر دی گئی	247
	(1)	مولانا حضرات سے سوال	247
	(2)	اسلامی نماز کو ضائع کرنے پر چند باتیں	248
	(3)	اسلامی نماز قرآن و صاحبانِ قرآن کی نظر میں	250
	(4)	نماز کے ماتحت رہنا اور نماز کی اتباع کرنا ہمیشہ ناپسند رہا ہے؟	251
	(5)	قیامِ نماز اَلْمِلَّة ہے۔ اور اَلْمِلَّة دین اسلام کا دوسرا نام ہے	252
	(6)	اَلْمِلَّة کا دین اسلام ہونا اور خانوادۂ رسولؐ کا پہلے سے مسلم ہونا ثابت ہو گیا	253
	(7)	نماز کو جزوِ دین بنانا نظامِ اجتہاد کی سازش تھی	253
	(الف)	پورے دین کو فوجی مقاصد اور ملکی دفاع پر تقسیم کرنا پڑا	254
	(8)	ولایة، صلوٰۃ اور دین کی پوزیشن قرآن واحادیث کی روشنی میں	255
	(الف)	آئمہ اہل بیت علیھم السلام شہداء اللہ علی الناس ہیں	255
	(ب)	امامت دین اسلام کی بنیاد ہے اور امامؑ ہی سے نماز وغیرہ نتیجہ خیز ہوتے ہیں	256
	(ج)	مطالب ومفاہیمِ قرآن وحدیث؛ ولایت کی شان واہمیت پر	256
	(د)	ولایت سے خالی نماز پڑھنے والے بروزِ قیامت مُصَلِّین سے خارج	259
	(9)	حضرت علیؑ خود بھی اذان ونماز وصراط مستقیم ہیں	259
	(الف)	حضرت علیؑ ہی اللہ کی اذان اور کفر وشرک سے بریت کا پیغام	260
	(ب)	حضرت علیؑ مجسم صراطِ مستقیم ہیں	260
	(ج)	حضرت علیؑ صراط مستقیم ہیں وہی دین قیّمہ اور ملّة ابراہیمؑ ہیں	262
	(د)	علی علیہ السلام ہی وہ دین ہیں جس کو اللہ نے مکمل کیا اور جس سے راضی ہوا	262
	(10)	ولایت کو نماز سے کیوں نکالا؟ نماز وولایت کا عام فہم تعلق	263
	(الف)	نظام اجتہاد کے خودساختہ اصول، اصطلاحات اور اُن کے نتائج	263
	(ب)	دانشورانِ قوم نے خاندانِ نبوّت کی ولایت کو ختم کر دیا	264
	(ج)	دانشوران مکہ کے شر سے محفوظ تبلیغ اور کامیاب پیشرفت	266
	(11)	مجتہدین کے معیار پر ولایة ونماز کا تعلق	267
	(الف)	اللہ نے پانچ چیزیں فرض کی تھیں جن میں سے ولایت کو بندوں نے ترک کر دیا گیا	267
	(ب)	اسلام کی بنیادوں میں سب سے زیادہ زور ولایت پر دیا گیا ہے	270
	(ج)	اسلام کے تین پائے ہیں۔ ایک کے بغیر باقی دونوں غلط ہیں	270
	(د)	ولایت علویہؑ نماز وغیرہ کی کنجی ہے۔ اور علی علیہ السلام دلیل اسلام ہیں	272
	(ہ)	ولایت کے اعلان واقرار کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا	273

14		شیعوں کو نظامِ اجتہاد نے کس طرح فریب دیا؟	274
	(1)	شیعہ علمائے مجتہدین سے ولایت اور نماز پر چند باتیں ہو جائیں	275
	(2)	تاریخ اسلام کے وہ حقائق وحادثات جن کو نظر انداز کیا جاتا رہا	279
	(الف)	علامہ شبلی نعمانی آنحضرتؐ کے تقیہ کی مدح وثنا کرتے ہیں	280
15		اَذان ونماز کے متعلق چند مخالفانہ تحریکات کا سُراغ	290
	(1)	اُمت مغالطہ وفریب میں مبتلا رکھی گئی	290
	(الف)	اَذَان میں اضافہ وکمی	290
	(ب)	ہم تک صحیح اذان پہنچانے کا حکم	291
	(ج)	اُس وقت اذان میں حی علیٰ خیر العمل موجود تھا	292
	(د)	تقیّہ کی حدیث نے اہلِ خلاف کی اذان میں دو مزید غلطیاں ثابت کر دیں	292
	(ہ)	اُس تقیہ والی حدیث نے ایک سربستہ راز کھول دیا	293
	(و)	اس نام نہاد تبصرہ پر ایک ناقدانہ ومومنانہ نظر ڈالیں	294
	(ز)	شیعوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے الفاظ مفوضہ؛ غالی اور نصیری گھڑے گئے	295
	(ح)	قُم اور قُمیّوں کا ادارۂ اجتہاد شیعوں کو غالی اور مفوضہ بناتا رہا	297
	(2)	قُم کے باہر والے علما اُن علما اور افراد کو صحیح العقیدہ سمجھتے تھے	297
	(3)	حضرت شیخ مفیدؒ کی زبان سے قمی ادارہ کا مذہب سُنئے	298
	(الف)	وہ تمام علما جو مومنین کو غالی اور مفوضہ اور نصیری کہتے ہیں دشمنانِ اہل بیتؑ ہیں	299
	(ب)	آئمہ اہل بیت علیہم السلام قرآنِ مجسم اور کائنات کے ہر ذرّہ پر مطلع تھے	300
	(ج)	پہلی صدی کے ڈھکوؤں کا حال اور اُن پر ولایت سے خروج وکفر کا فتویٰ	301
	(د)	شیعوں میں زبان سے اقرار اور دل میں انکار کرنے والا گروہ بھی ہے	302
	(4)	اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰه عہدرسولؐ میں تھا بعد میں خارج کیا گیا تھا	302
	(5)	اذان سے شہادت ثالثہ کو نکالنے والے مجتہدین کے بزرگ آخر پکڑے گئے	303
	(6)	جس طرح قرآن فہمی کے لئے عقل وایمان کی شرط ہے، اُسی طرح حدیث فہمی مشروط ہے	304
	(7)	مسئلۂ تشہد کو سمجھنے کے لئے بھی چند بنیادوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے	305
16		تشہد میں ولایتِ علویہ کے منکر شیعہ علمائے مجتہدین شیعہ پبلک کو جواب دیں؟	306
	(1)	آخری رکعت کے آخری سجدہ کے بعد اگر وضو ٹوٹ جائے تو نماز مکمل ہوگئی	307
	(2)	جس تشہد کا ذکر ہوا ہے۔ اُس میں کوئی شہادت لازم نہ تھی	308
	(3)	ولایت کو رسالت اور وحدانیت سے کسی بھی حالت میں جُدا نہیں کیا جائے گا	309
	(الف)	ولایت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے:	309
	(ب)	توحید ورسالتؐ وولایتؑ کے لزوم پر چند گزارشات	310
	(4)	آئمہ علیہم السلام سے سوالات اور تشہد پر اُنؑ کے جوابات کو سمجھنے کا طریقہ	312

	(5)	لوگ دونوں طرف پڑھے جانے والے تشہد کی پوزیشن جاننا چاہتے تھے	313
	(الف)	بکر بن حبیبؒ کا تشہد کے بارے میں سوال	313
	(ب)	بکر بن حبیبؒ کا ایک واضح سوال	314
	(ج)	مذکورہ بالا سوالات پر ایک نظر	315
	(6)	اعلیٰ درجہ کا تشہد مجتہد نے غائب کر رکھا تھا	317
	(8)	آٹھویں امام علیہ السلام نے عوام وخواص کو تشہد میں اور بلند کیا	318
17		ہم اور آپ آخر منزلِ مقصود تک آ پہنچے	321
	(1)	آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے تدریجی احکام	321
	(2)	محمدؐ اور اُن کی آلؑ میں ایک حرف کا فصل پیدا کرنا ممنوع ہے	322
	(3)	شیعہ علما اور عوام سے ایک آخری سوال؟	323
	(4)	مصروف مومنین کی نماز کے لئے چند ہدایات	323
	(ب)	نماز میں اللہ سے وابستگی لازم ہے	324
	(ج)	نماز کی کنجی یا افتتاحی دُعا	324
	(د)	نماز کا سلام اور اختتام مع مختصر تشہد	325

فہرست ''اسلامی کلمہ اور نماز''

		امت مسلمہ سے گذارش	327
الف		ہماری مجبوریاں!	328
ب		اُمت کے تمام مکاتیب فکر کو اس یزیدی مذہب کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے	331
ج		مندرجہ وموصوفہ بالا علما کو ایک پیغام	334
	(الف)	کلمہ میں عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ کب سے اور کیوں ہے؟	335
1		کلمہ کی ابتدا ازلی و کائناتی ہے	335
	(1)	قرآن کریم سے ابتدا کیجئے	335
	(2)	تخلیقِ کائنات سے پہلے محمدؐ وآل محمدؐ سے تخلیق کی ابتدا ہوئی	336
	(3)	کائنات کی تخلیق اور مکمل کلمہ وتشہد کی منادی یا اذان	337
	(4)	تمام ملائکہ و ارواح اور انبیاؑ کا کلمہ	338
	(5)	اس کائنات کا پہلا ہفتہ اور پہلا جمعہ اسی کلمہ سے موسوم ہوا تھا	339
	(6)	اقرار ربوبیت ووحدانیت میں پورے کلمہ کا اقرار شامل تھا	340
2		اہل سنت ریکارڈ مکمل کلمہ پر طرح طرح سے متفق ہے	340
	(1)	تخلیق آدمؑ سے قبل تمام انسانوں پر علیؑ کی امارت کا اقرار لازم کیا گیا	341
	(2)	کائنات کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے جنتیوں کے لئے کلمہ	342
	(3)	عرشِ خداوندی پر مُقرّ بانِ بارگاہ خداوندی کا کلمہ	342
	(4)	حضرت آدمؑ نے آنکھ کھولتے ہی کونسا کلمہ پڑھا تھا؟	343
	(5)	معراج کی رات میں کلمہ کا ایک اور نظارہ	343
	(6)	کلمہ کب مکمل طور پر سامنے آیا؟	343
	(7)	مُلاں جی اب تو یہ کلمہ پڑھنا ہی پڑے گا	344
	(8)	جنت کے دروازہ کا اسپیکر (Speaker) علیؑ علیؑ کا ورد کرتا ہے	345
	(9)	خَلِیْفَتہٗ بِلَا فَصلٍ، وصی رسوؐل اللہ، امیر و امام المتقین مسلمانوں پر لازم کلمہ	345
	(10)	مُلکِ چین کا ایک پھول جس پر مکمل کلمہ لکھا ہوا ہوتا تھا	347
	(11)	وہ پرچم جس کے سایہ میں تمام انبیاؑ اور رسولؐ ہوں گے حقیقی کلمہ کا حامل ہوگا	348
	(12)	اہل سنت کی طرف سے کلمہ کا بارہواں ثبوت ذرا آگے بڑھتا ہے	348
	(ب)	اللہ کے ازلی وابدی کلمہ کی تصدیق وتبلیغ اُس کا رسولؐ برابر کرتا رہا	349
	(1)	محمدؐ وآل محمدؐ نوری مخلوق ہیں، طاہر ومطہر آبأ واجدّاد کی اولاد ہیں	349
	(2)	علیؑ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے	350
	(3)	محمدؐ وآل محمدؐ کے مخالف عہد رسولؐ سے شروع ہوتے ہیں	350

	(4)	وصی رسولؐ ہونا	350
	(5)	خلیفہ رسولؐ ہونا	350
	(6)	امیر المومنین ہونا	350
	(7)	امام المتقین، قائدالغر المحجلین اور امیر المومنین ہونا	350
	(8)	رسولؐ کی طرح سب کے امام اور ولی علیؑ	351
	(9)	علیؑ کا ذکر کرنا عبادت ہے	351
	(10)	علیؑ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے	351
	(11)	آلِ محمدؐ کی معرفت اور اقرارِ ولایت جہنم کو حرام کرتے ہیں	351
	(12)	آئمہ اہل بیتؑ رسولؐ اللہ کے خلفاء، اوصیا اور حُجَجُ الله ہیں	351
3		اہل سنت ریکارڈ کی تفصیلات شیعہ ریکارڈ میں موجود ہیں	353
(1)		عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ترتیب	353
(2)		معراج میں ولایت کا مکمل نظام (مکمل کلمہ)	355
(3)		محمدؐ کے ساتھ عَلِیٌّ وَلِیُّ الله لازم وملزوم ہے (حقیقی کلمہ)	356
(4)		وہ کلمہ جو آدمؑ سے بائیس ہزار (22000) سال پہلے سے مشتہر کیا جاتا رہا (علیؑ نوری مخلوق تھے)	357
(5)		کلمہ کے اجزا میں حضرت علیؑ کا امیر المومنین ہونا	358
(6)		کلمہ اور اذان کے وہ اجزاء جو اہل سنت ریکارڈ میں ثابت ہو چکے ہیں	359
(7)		ولایت کو محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم تک پہنچانے کے لئے تمام انبیاؑ مبعوث ہوئے	359
(8)		حضرت عیسیٰؑ کے بیان پر ایک نظر	361
(9)		تمام انبیاؑ اور رسولؑ ولایتِ محمدؐیہ کو پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے	361
(10)		اللہ نے آسمانوں اور فضاؤں اور پہاڑوں میں ولایت کو محفوظ کیا ہے	362
(11)		مومنین کے ایمان کی تفصیل اور معصومینؑ کی تصدیقات (مفصل کلمہ)	363
	(دوم)	تفصیل کلمہ حجة بلا فصل	363
(12)		وہ کلمہ جسے پڑھتے ہوئے مومنین قبروں سے اٹھیں گے	366
		مومنین سے رخصت اور سلام	366

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًاo (فرقان 25/30

اور رسولؐ اللہ نے کہا تھا کہ اَے میرے پروردگار! بلاشبہ میری قوم نے قرآن سے دوسرے شریعت ساز اداروں کی طرف ہجرت کر کے اِس کو مہجور کر دیا ہے

شریعت

اسلامی
یا
ذاتی وقومی وحکومتی مصلحتیں

نظامِ فاروقی کا کمال یہ ہے کہ خود ہمارے مذہب میں نظام اجتہاد ایک ہزار سال سے ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔اور شیعہ مجتہدین میں سوائے چند بزرگوں کے کثرت مِنّ وعَنٗ فاروقی نظام کے اصول فقہ یعنی شریعت سازی کے فاروقی اصول اختیار کئے ہوئے شریعت سازی کرتے چلے آرہے ہیں ۔اور کمال بالائے کمال یہ ہے کہ مسلک فاروقی کی چاروں شاخوں نے تو مزید اجتہاد کا دروازہ بند کئے ہوئے ایک ہزار سال گزار دیئے۔مگر ہمارے یہاں یہ دروازہ اس طرح چوپٹ اور مقدس بنا کر کھولا ہے کہ قیامت تک محمدؐ وآل محمدؐ کی راہ روک کر بیٹھ گئے ہیں۔اور اپنے اجتہاد سے تمام شرعی مسائل کو بدل بدل کر ایک الگ مجتہدانہ شریعت تیار کی ہے۔تمام قدیم ریکارڈ کو رفتہ رفتہ تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔قرآن و حدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔اُن کے بیان کردہ مسائل میں آیت یا حدیث کا کہیں تذکرہ نہ ملے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے اور اسلام کا محض نام ہی نام رہ جائے گا۔آج جو کچھ اسلام کے نام پر باقی ہے، وہ سب کچھ ہے مگر اسلامی نہیں ہے۔

1۔ ن سی نماز پڑھتے ہیں؟

قارئین کرام! ہم مسلمانوں کے سامنے اُن کی سب سے بڑی عبادت کی داستان سب سے معتبر کتاب سے شروع کرتے ہیں۔اور جو حضرات مسلمانوں کوکلمہ کے چکّر میں ڈال کر اُلجھانے کا پروگرام چلا رہے ہیں اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنی پانچ دفعہ روزانہ پڑھی جانے والی فرض وواجب نماز کوقرآن وحدیثِ معصومؑ سے صحیح ثابت کریں۔اور ہم ثابت کریں گے کہ جس طرح اُنہوں نے اسلامی کلمہ کی آفاقیت وہمہ گیری کونظر انداز کر کے اختیار کیا تھا، اُسی طرح اُنہوں نے رسولؐ اللہ کی سکھائی ہوئی نماز کوچھوڑ کر خانہ ساز (Man Made) نماز کو بھولے بھالے عوام میں رائج کر دیا۔اور یہی سبب ہے کہ دن رات نماز پڑھتے رہنے کے باوجود نماز سے انہیں نقصان کے سوا کوئی ایسا فائدہ نہیں پہنچا جو قرآن اور رسولؐ اللہ نے گن گن کر بتائے تھے۔نماز معراج المومنین ہے۔ہمیں ذرا دو (2) منٹ کیلئے زمین سے دو انچ اونچائی پر ٹھہر کر دکھا دیں۔البتہ کافروں کی مدد سے وہ کروڑوں میل فضا میں بلند ہو کر قیام کر سکتے ہیں۔اللہ نے فرمایا تھا کہ:

اِنَّ الَّذِ یْنَ کَذَّ بُوْا بِاٰ یٰتِنَا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ وَکَذٰ لِکَ نَجۡزِی الۡمُجۡرِمِیۡنَo (الاعراف 7/40)

''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اُن کے مقابلہ میں خود بزرگ بن بیٹھے۔ہم اُس گروہ کیلئے آسمانوں کے دروازے ہرگز نہ کھولیں گے ۔اور جس وقت تک یہ ممکن نہ ہو جائے کہ درزی کی سُوئی (Needle) کے ناکہ (سُوراخ) میں سے مخصوص اونٹ گزر سکے وہ گروہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

اور ہم تو مجرموں کو اُسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔''

مطلب واضح ہے کہ جو حضرات خود کو اتنا بڑا اور بزرگ سمجھیں کہ اُنہیں رسولؐ اللہ کی سکھائی نماز موزوں معلوم نہ ہو۔اور وہ خود اپنی بصیرت سے اذان ونماز گھڑ لیں اُن کو خود ساختہ نماز کافروں سے بدتر وگمراہ تر نہ بنا دے تو اور کیا کرے؟ یہی وجہ ہے کہ یہ نماز میں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف تجھ ہی وحدہ لاشریک اللہ سے مدد مانگتے ہیں (اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُo) مگر کاسہ گدائی لے کر کافروں کے درِ دولت پر کھڑے بھیک مانگتے اور بھیک پر آپس میں لڑتے اور اللہ کا شریک مانتے نظر آتے ہیں۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ)

(1) عہدِ مرتضویؑ سے پہلے نماز تبدیل ہو چکی تھی

عن سعید بن الحارث قال صَلّٰی لَنَا ابو سعید فَجَھَرَ بِالتکبیر حِیۡنَ رَفَعَ رَأسَہُ مِنَ السُّجُوۡدِ وَ حِیۡنَ سَجَدَ وَحِیۡنَ رفع وَحِیۡنَ قَامَ مِنَ الرّکعتین و قَالَ ھٰکَذَا رَاَیۡتُ النبیؐ۔(بخاری کتاب الاذان۔باب اتمام التکبیر فی الرکوع)

! سعیدؓ بن الحارث بتاتے ہیں کہ ابو سعیدؓ نے ہمیں سکھانے کیلئے نماز پڑھ کر دکھائی تو اُنہوں نے جب بھی سجدوں سے سر اُٹھایا بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا۔ اور جب بھی رکوع سے بلند ہوتے تھے۔ اور جب کوئی رکعت ختم کر کے کھڑے ہوتے تھے تو ہر دفعہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے اور ہاتھ بلند کرتے تھے۔ اور نماز کے بعد اُنہوں نے یہ بتایا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو اِسی طرح نماز پڑھتے دیکھا تھا۔''

نماز میں ایک رُکن سے یا ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند کر کے اللہ اکبر فرماتے تھے۔ مگر آج جو نمازیں پڑھی جارہی ہیں اُن میں یہ صورتحال نظر تو آتی ہے مگر شاذ و نادر۔ اور اسطرح نماز پڑھتے دیکھ کر تعجب کیا جاتا ہے اور ناواقف لوگ اس کو اسلامی نماز کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اگر کسی مُلّا ٹائپ کے آدمی سے ایسی نماز کے متعلق وضاحت چاہتے ہیں تو مولانا بے تکلفی سے اس کو غلط اور باطل فرمادیتے ہیں۔

(2) رسولؐ اللہ کا طریقہ کیوں جاری نہ رہا؟

صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم میں بھی نماز کے اس طریقہ پر کئی ایک احادیث ریکارڈ کی گئی ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی نماز کے طریقہ کو چھوڑنے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:

اَلشَّرح اجتمعت الامة عَلٰی استحباب رفع الیدین عِند تکبیرة الاحرام واختلفوا فیما سواھا۔

(صحیح مسلم کتاب الاذان باب استحباب رفع یدین صفحہ 168۔ نور محمد چھاپ)

''اسکی شرح اتنی سی ہے کہ کرتا دھرتا لوگوں نے نیت کے بعد والی پہلی تکبیر کے علاوہ باقی مواقع پر بار بار ہاتھ بلند کر کے اللہ اکبر کہنے سے اختلاف کیا لہٰذا اُمت نے صرف تکبیرة الاحرام میں ہاتھ بلند کرنے پر اجماع یا اتفاق کر لیا تھا۔''

قارئین صرف یہ دیکھیں کہ ساری اُمت نہ آج نہ کبھی پہلے ایک طرح نماز پڑھتی تھی، نہ بے چاری اُمت کبھی ایک جگہ جمع ہو کر صلاح مشورہ کر سکی، نہ کبھی اُمت کی پرواہ کی گئی۔ ڈنڈے اور فریب سے جدھر چلایا گیا چلتی رہی۔ وہ لوگ جو اقتدار اور قوت کے مالک تھے اپنے علامہ حضرات کی معرفت جو چاہتے تھے مشہور کرادیتے تھے، کتابوں میں لکھوادیتے تھے۔ قاضی، گورنر، پولیس اور ہر مسجد کا پیش نماز حکومت مقرر کرتی تھی۔ اُمت و عوام مجبور تھے کہ جس طرح پیش نماز پڑھے وہ بھی اُسی کو رسوؐل کا اور اسلام کا صحیح طریقہ سمجھیں۔ مقلِّد کو اس سے زیادہ سوچنے اور دریافت کرنے کا حق دیا ہی نہیں گیا ہے۔ لہٰذا شیعہ اور سُنی عوام یہ نوٹ کرلیں کہ اسلام کے نام پر لکھی ہوئی کتابوں میں جہاں بھی لفظ ''اجماع'' یا ''اُمت کا اجماع'' لکھا ہوا دیکھیں یا کسی بھی شیعہ یا سُنی عالم سے سنیں تو یہ سمجھ لیں کہ یہ لفظ یا جملہ، عوام پر رعب ڈالنے اور اُن کا منہ بند رکھنے کیلئے کہا یا لکھا جاتا ہے۔ ورنہ اس کی معنوی حیثیت ہمیشہ فریب سے زیادہ کبھی نہیں رہی ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہوا کہ چند صاحبان اقتدار نے رسولؐ اللہ کے طریقہ کو چھوڑ دینا مفید

اچھوڑ دیا اور اپنے انتظام کی طاقت سے اُمت میں اپنا جاری کردہ طریقہ جاری کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ مگر خدا کا فضل ہے کہ وہ حضرات کامیاب نہ ہوئے اور محمدؐ و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے داخلی انتظام نے حق کو پوشیدہ نہ ہونے دیا۔ اور آج بھی اُن لوگوں کی مرضی کے خلاف خود اُن کے تیار کردہ لوگوں میں چار مختلف طریقوں سے نماز پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات سو فیصد غلط ہے کہ اُمت نے اجماع کر لیا تھا۔ اور رسولؐ اللہ کی مخالفت کی تھی۔

(3) رسولؐ اللہ کی نماز کو صرف کتابوں میں قید رکھا گیا ہے

جناب ابو ہریرہؓ سینکڑوں دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مل کر یہ بتاتے رہے کہ:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم اذا قام اِلَی الصَّلٰوۃ یکبّرحِیْنَ یقوم ثُمَّ یکبّرحِیْنَ یرکَعُ ثُمَّ یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لمن حمدہ حِیْنَ یَرْفَعُ صلبَہ مِنَ الرکوع ثُمَّ یَقُوْلُ وَ ھُوَ قَآئِمٌ ربنا ولک الحمد ثُمَّ یکبّرحِیْنَ یَھْوِی سَاجِدًا ثُمَّ یکبّرحِیْنَ یَرْفَعُ رَاسَہُ ثُمَّ یکبّر حِیْنَ یَسْجدُ ثمَّ یکبّر حِیْنَ یرفَعُ راسَہ ثمَّ یفعل مثل ذلک فی الصلٰوۃ کُلّھَا حَتّٰی یقضیھا و یکبّر حِیْنَ یقوم من المثنی بعد الجلوس ثُمَّ یقول ابوھریرۃ اِنّی لا شبھکم صلٰوۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم۔ (صحیح مسلم ایضاً باب صفحہ 169)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے؛ پھر رکوع میں جاتے وقت **اللّٰہ اکبر** فرماتے؛ پھر رکوع سے اُٹھتے ہوئے **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کہتے اور جب رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہوجاتے تو **ربّنا لک الحمد** فرماتے؛ پھر سجدہ میں جاتے ہوئے **اللّٰہ اکبر** کہتے؛ پھر سجدہ سے سر اُٹھاتے ہوئے **اللّٰہ اکبر** فرماتے؛ پھر سجدہ میں جاتے ہوئے **اللّٰہ اکبر** کہتے؛ پھر سجدہ سے سر اُٹھاتے ہوئے **اللّٰہ اکبر** فرماتے۔ اور اپنی ہر ایک نماز میں یہی عمل کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز پوری ہوجاتی اور دو رکعتوں کے بعد جو تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں اِس کے بعد اُٹھتے ہوئے بھی **اللّٰہ اکبر** کہہ کر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تھے۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ میں تم لوگوں کو رسولؐ اللہ کی نماز کا نمونہ دیتا ہوں۔''

چونکہ اس حدیث میں اللہ اکبر کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرنے کا ذکر نہیں ہے لہٰذا بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ صرف تکبیر پڑھنے کی بات ہو رہی ہے۔ اگر اس سمجھ کو صحیح مان لیا جائے تو ایک نہیں بلکہ رسولؐ اللہ کی نماز کی دو خلاف ورزیاں ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی ایک تو ہر حرکت سے پہلے نماز میں ہر دفعہ ہاتھ بلند کرنا ترک کر دیا تھا۔ دوسرے اللہ اکبر کہنا بھی منع کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ ہی کے زمانہ میں لوگوں نے نماز میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ اکبر کہنا چھوڑ دیا تھا (صفحہ 169)۔ پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ ابو ہریرہؓ کو یہ بھی کہنا پڑتا تھا کہ رسولؐ اللہ کی نماز یُوں نہیں بلکہ یُوں تھی۔ تاکہ لوگ اُنکی پٹائی نہ کر دیں۔ سوچئے کہ وہ کونسی اسلامی ضرورت یا مصلحت تھی جسکی وجہ سے اُس وقت کے سربراہانِ امت

نما کو تبدیل کیا تھا؟ اور پھر کس بھروسہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے کلمہ میں کتر بیونت نہ کی تھی؟ دوستو اگر آج اُمت کے عوام یا علما یہ چاہتے ہیں کہ اُمت کو اللہ کی طرف سے وہ تمام انعامات اور سربلندی ملے جسکے وعدے قرآن میں کیئے گئے ہیں تو ہم سب کو چاہیئے کہ اپنے تمام اعمال، تمام عبادات، تمام عقائد اور تمام تصورات پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں اور جو کچھ مُلّا ازم نے تبدیل کیا ہے اُسے دوبارہ جاری کریں۔ میری یہ اپیل چالیس سال سے شیعوں اور اہل سنت سے برابر کی جاتی رہی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں آج مخرّبینِ اسلام کی راہ میں ایک نہ ٹلنے والی رکاوٹ ہوں۔ اُنکو بتادو کہ یہ حق چار یار کے نعرے دوستی نہیں بلکہ دشمنی پیدا کر رہے ہیں۔ ترقی نہیں تنزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اُدھر یہ کہہ دو کہ جن ناشائستہ حرکات کی بنا پر یہ نعرہ ایجاد ہوا ہے وہ بھی تخریب کاروں نے جاری کی تھیں۔ اگر عوام ایسے لوگوں کے اشاروں پر چلنا نہ چھوڑیں گے جو اُمت میں تصادم چاہتے ہیں تو یہ دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ اِن لوگوں نے اُمت کو بھکاری بنا دیا ہے۔ کافروں، مشرکوں بے دینوں کا مرہون منّت بنا دیا ہے۔ کافر و بے دین نہ ہوں تو اُن لوگوں کو کفن اور کار و ہوائی جہاز کہاں سے ملیں؟ یہ ہمارے لوگ نہیں ہیں۔ یہ تو رسولؐ اللہ ہی کے زمانہ سے کفار کے حلیف تھے۔ کفر کو مستحکم کرنے کیلیئے اُنہوں نے ادھورا کلمہ پڑھا تھا اور بظاہر مسلمان ہو گئے تھے، لیکن برابر کفار کا حقِ نمک ادا کرتے رہے۔ اور آخر کار ساری اُمت کو ساری دنیا میں کفار کے درِ دولت پر لا کھڑا کیا ہے۔ کافروں سے مدد اور سامان اور قرضے لے لے کر اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے منصوبے بنانا بھی ایک کھُلا اور قابل فہم فریب ہے۔ جب آپ یہ نعرہ مار رہے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہم فلاں منصوبہ اسلیئے جاری کر رہے ہیں کہ کل ساری دنیا کی امامت اُمتِ مسلمہ کو حاصل ہو جائے اور دنیا کی تمام اقوام مسلمانوں کی دست نگر ہو جائیں تو چونکہ یہ نعرہ آپ چوراہوں پر، اخباروں میں، ریڈیو پر، اسمبلیوں میں مار رہے ہیں تو یقیناً دنیا کی ساری اقوام اور ساری حکومتیں بھی اس نعرہ کو سن رہی ہیں۔ یہ سُننے اور جاننے کے بعد بھی اگر وہ آپ کو روپیہ، اسلحہ اور سامان جنگ و سامانِ تعلیم و آسائش بلا تکلف دیئے جا رہی ہیں تو یقین کیجیئے کہ نعرہ مارنے سے پہلے ہی اُنکو اطمینان فراہم ہو چکا ہے کہ یہ رسمی نعرہ ہے، تاکہ عوام ذرا گرم رہیں داخلی مخالفین سہمے رہیں۔ ورنہ کہاں اُمت کی ترقی اور کہاں یہ حق چار یار؟ اور اگر نعرہ مارنے والا یا منصوبہ ساز پُر خلوص ہے تو مدد دینے والے کافر و یہود و نصاریٰ اور بے دین لوگ بھی عقلمند ہیں۔ وہ جو کچھ دیں گے سوچ سمجھ کر دیں گے اور قیامت تک یہ نعرہ بازی کفار سے یارانہ ہی پر منتج ہوگی۔ لہٰذا عوام و علما سوچیں کہ اگر آپ تمام غلط چیزوں کو چھوڑ دیں، صحیح کلمہ و نماز جاری کر لیں تو اللہ و رسولؐ خوش ہونگے۔ اور وہ خوش ہو گئے تو کائنات اور کائنات کی تمام موجودات تمہارے قدموں میں ہونگی۔ ورنہ تم ہوگے، کاسۂ گدائی ہوگا اور ہر کافر کے دروازہ پر حق چار یار، حق کافر و کفار، ایک سُٹّا ھور مار کہتے اور بھیک مانگتے پھرتے رہو گے۔

(4) رسولؐ اللہ کی دی ہوئی نماز کو بدل ڈالنے کا یقینی ثبوت

مندرجہ بالا قسم کی سینکڑوں روایات کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں۔اور اگر یہ طے کر لیا جائے کہ جو چیز صحیح ہوگی اُسے اختیار کر لیا جائے گا تو حدیث کی کتابیں خواہ اہل سنت ریکارڈ والی ہوں یا شیعوں کی ہوں، وہ سب ہماری اور حق کی تائید کیلئے آمادہ ہیں۔بہر حال صحیح بخاری شریف کی ایک فیصلہ کن حدیث ملاحظہ ہو:

عن مُطَرّف قال صَلَّيْتُ اَنَا وَ عِمْرَانُ بن الحُصَيْن صَلٰوةً خلف علی بن ابیطالب رضی اللّٰه عنه فكَانَ اِذَا سَجَدَ كَبَّرَ و اِذا رَفَعَ رَأسَه كَبَّرَ وَاِذا نَهَضَ مِنَ الرّكعتين كَبَّرَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ عمرانُ بِيَدِیْ فَقَال لَقَدْ صَلّٰی بنا هٰذا الصَّلٰوة محمد صلی اللّٰه عليه و آله وسلم ۔اَوْقَالَ لَقَدْ ذَكّرنی هذا صلوة محمد صلی اللّٰه و آله وسلم ۔(بخاری کتاب الاذان باب اتمام التكبير فی الركوع نور محمد چھاپ صفحہ 114)

جناب مطرّف نے بیان فرمایا کہ میں نے اور عمران بن حُصین نے ایک نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی تو اُنہوں نے سجدوں میں جاتے وقت بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔اور جب سجدوں سے سر اُٹھایا تب بھی اور جب رکعتیں مکمل کر کے کھڑے ہوتے تب بھی اللہ اکبر کہتے رہے۔چنانچہ جب انہوں نے نماز کا سلام پڑھ لیا تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نوٹ کرایا کہ دیکھو ہم نے علیؑ والی یہی نماز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ پڑھی ہے۔یا یہ کہا کہ یہ نماز پڑھ کر علیؑ نے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ والی نماز یاد دلا دی ہے۔'' (بخاری جلد اوّل صفحہ 114)

گو یہ حدیث ابو ہریرہؓ والی حدیث سے مفصل نہیں ہے اور نہ اس میں ہر دفعہ دونوں ہاتھوں کا بلند کرنا مذکور ہے۔مگر مطلب وہی سمجھا گیا ہے۔جس کا ذکر ہو چکا اور یہ کہ لوگوں نے رسولؐ کی تعلیم کردہ نماز کو نہ صرف بدل دیا تھا بلکہ اچھے خاصے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُس نماز کو بھُلا بھی دیا تھا۔چنانچہ صحیح بخاری ہی کی شرح میں اس کی بڑی معنی خیز شرح و تفصیل یوں بیان کی ہے کہ:۔

قوله ''لَقَدْ ذكّرنی'' بِتَشْدِيْد الكاف و فاعله هذا اراد به علی بن ابی طالبؑ۔وَ قوله ''ذكّرنی'' يَدَلُّ عَلٰی اَنَّ التكبير قد تَرَكَ وَ قَدْ روی احمد الطحّاوی بِاَسْنَادِ صحيح عن ابی الموسٰی الاشعری قال ذكرنا علی صلوة كُنَّا نُصَلِّيهَا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و آله و سلم ۔اِمَّا نَسِيْنَا هَا وَ اِمَّا تَرَكْنَا هَا عَمَدًا ذكره العينی فی باب اتمام التكبير فی الركوع۔'' (ایضاً صفحہ 114)

اُس کے اِس قول ''لقد ذكّرنی'' میں جو کاف ہے اُس پر تشدید ہے۔اور یاد دلانے والا علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔پھر یہ قول کہ ''اس نے مجھے یاد دلا دیا۔'' اس حقیقت پر دلیل ہے کہ نماز میں تکبیر پڑھنا ترک کیا جا چکا تھا۔اور یقیناً احمد الطحاوی نے اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صحیح سندات کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے کہا ہے کہ علیؑ کی نماز نے ہمیں وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسولؐ اللہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔اب یا تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے رسولؐ اللہ والی نماز کو کسی طرح بھلا دیا تھا۔یا یہ کہہ لو کہ ہم

نے رسولؐ اللہ کی سکھائی ہوئی نماز کو سوچ سمجھ کر ترک کر دیا تھا۔ بخاری کے شارح عینی نے بھی اپنی شرح کے باب اتمام التکبیر فی الرکوع میں تفصیل لکھی ہے۔ (حافظ محدث الشیخ احمد علی شارح بخاری سہارنپوری)

(5) دین کی اتنی نمایاں عبادت کیسے بدل دی گئی؟

یہاں قارئین کیلئے سوچنے کی پہلی بات یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے تیئیس (23) سال تک لوگوں کو روزانہ پانچ مرتبہ نماز پڑھائی اور ہر نماز میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر نماز کے تمام اعمال کی ابتدا کرتے رہے۔ بھرے مجمعوں کے رُوبرو سامنے کھڑے ہو کر ہر دفعہ اللہ اکبر کے ساتھ دونوں ہاتھ کانوں اور کندھوں کی طرف بلند کر کے دکھاتے رہے۔ عورتوں بچوں نے بھی حضوؐر کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ رسولؐ کے سکھائے ہوئے اور بھیجے ہوئے پیش نماز سارے عرب میں پھیل گئے اور رسولؐ اللہ کے طریقہ پر لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ نمازِ عیدین میں بڑے بڑے مجمعوں نے وہی نماز پڑھی۔ حج کے مواقع پر خود رسولؐ نے یا رسوؐل کی طرف سے مقرر کردہ کسی نائب الحج نے عظیم الشان مجمعوں کو وہی نماز پڑھائی۔ یہ کیا بات ہے؟ اور یہ بات کس طرح ممکن ہوئی کہ رسولؐ اللہ کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف بیس (20) سال کے اندر اندر وہ نماز نہ صرف آسانی سے تبدیل کر لی گئی بلکہ رسولؐ اللہ والی نماز کا ذکر وفکر تک ایسا مٹ گیا کہ بڑے بڑے صحابہ تک اُس نماز کو یکسر بھول گئے؟ یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ کون لوگ تھے جن کا اثر رسولؐ اللہ سے زیادہ تھا۔ جن کے کہنے سے وہ عبادت ترک کر کے طاقِ نسیاں پر رکھدی گئی۔ جسے آج تک شیعہ اور سُنی دونوں اسلام کی بنیاد اور اہم ترین عبادت کہتے چلے آئے ہیں۔ جس کا قرآن میں ہر دوسرے سانس پر حکم دیا گیا ہے۔ روزِ حشر جس کی سب سے پہلے پُرسش کا عقیدہ مانا گیا ہے۔ جسے مومن اور منافق کی شناخت بتایا گیا ہے۔ وہ کون سا لالچ یا فائدہ تھا جس کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے وعدے بھی ناقابل اعتبار ٹھہرا دیئے گئے؟ یقیناً کوئی بہت بڑا فائدہ تھا۔ یقیناً وہ لوگ جنھوں نے اللہ و رسوؐل کی نماز کی جگہ اپنی پسندیدہ نماز جاری کر دی قوم کے بڑے چہیتے لوگ تھے۔ جن کے طریقہ کو اللہ و رسولؐ کے طریقہ سے یا تو بہتر سمجھا گیا یا وہ کم از کم اتنے قابل اعتماد لوگ تھے کہ اُن کی بات کو رسوؐل کی بات اور اُن کے طریقہ کو رسوؐل کا طریقہ سمجھا گیا۔ یا یہ کہ عوام کو فریب دیا گیا۔ ظلم وجبر وتشدد اور سیاسی تدبر وتدریج اختیار کر کے رسوؐل کا طریقہ بدل دیا گیا۔ بہرصورت یہ ثابت شدہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رسولؐ والی نماز بدل دی گئی تھی۔ اور یہ تبدیلی مسلمانوں کی معتبر ترین کتابوں سے ثابت ہے۔ اور جہاں جہاں آنحضرؐت کے قائم کئے ہوئے کسی طریقہ کو بدلا گیا ہے وہاں یہی کہا گیا ہے کہ اُمت کا اِس پر اجماع ہو گیا تھا یا علما نے فلاں بات پر اجماع کر لیا تھا۔ یعنی اللہ و رسولؐ کے واضح احکام کو تبدیل کرنے کیلئے اُمت اور علما کا اجماع بہت بڑی مختار ہستیاں ہیں۔ لیکن شیعہ اور اہل سنت علما نے اُمت کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔ وہ عوام کو دینی مسائل میں

کا حق نہیں دیتے، وہ دونوں مل کر فرماتے ہیں کہ:

(6) عوام کی پوزیشن علما کے نزدیک

’’بھائیو جس طرح قرآن میں اللہ نے واضح آیات نازل کر کے اور اُن پر عمل کرا کے اُنہیں منسوخ کر دیا تھا اور اُن کی جگہ دوسری آیات نازل کر دی تھیں۔ بالکل اُسی طرح رسولؐ اللہ نے اپنے بہت سے اقوال و اعمال کو منسوخ کر کے اُن کے خلاف دوسرے اقوال و اعمال جاری کر دیئے تھے۔ تم عوام ہو، کالانعام ہو، تمہارا کام بحث و تحقیق کرنا نہیں ہے۔ ہم اللہ و رسولؐ کے جانشین ہیں۔ تمہارا کام ہماری تقلید کرنے کا ہے۔ تم کیا جانو کہ کونسی آیت یا حدیث منسوخ ہو چکی ہے؟ اور کون سی چالو ہے؟ کونسی مجمل ہے، کون سی عام ہے؟ کون سی خاص حالات کے لئے ہیں، کون سی مُقید ہے اور کونسی آزاد ہے، کونسی کب مفید ہے؟ آپ لوگ چپ چاپ جو ہم کہتے جائیں اُسے اللہ و رسوؐل کا حکم سمجھیں؛ آنکھیں بند کر کے عمل کریں، کسی مسئلہ کی دلیل اور حجت نہ مانگیں، ہمارے احکام کی تعمیل کرتے جائیں۔ ورنہ ہماری تقلید کے بغیر تمام نیک اعمال بھی مردود ہیں۔‘‘

(7) رسولؐ اللہ کے دین یا نماز میں تبدیلی اُمت نے نہیں، علما نے کی ہے

محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی کے علما خواہ شیعوں میں ہوں یا اہلسنت لیبل لگائے ہوئے ہوں، ہماری بیان کردہ اُمت کی پوزیشن کی تصدیق کرینگے۔ اُنکے مشن کی سب سے بڑی شناخت یہی ہے کہ وہ اُمت کو عوام کالانعام یعنی جانوروں کی طرح کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تمام نوع انسان دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اوّل قسم کو وہ مجتہد کہتے ہیں دوسرے حصے کو جاہل، عامی یا عوام۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ تمام عوام مجتہدین کے مقلِّد رہیں گے۔ اس صورت میں یہ ثابت ہو گیا کہ اُمت نے روزِ اوّل سے آج تک صرف تعمیل کی ہے۔ دین میں تمام تبدیلیاں کرنے والے لوگ صرف علما تھے۔ لہٰذا جس قدر تبدیلیاں ہوئیں؛ خواہ مذہب شیعہ میں ہوئی ہوں یا اہلسنت کے مذہب کی تبدیلیاں ہوں، وہ سب ڈھکو اینڈ کمپنی کے علما کرتے آئے ہیں۔ اور آج بھی تبدیلیاں کرنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اگر اُمت یا اُمت کے علمائے صالحین یا حکومت پاکستان چاہتی ہے کہ مسلمان لا محدود ترقی کریں تو ڈھکو اینڈ کمپنی والی ذہنیت اور افراد سے ملک کو پاک کریں، اُن کی راہ روکیں، جبر و تشدد اُن پر بھی نہ کریں۔ صرف اُن کے طرزِ حیات، تصنیفات اور عقائد سے ملک کے بچہ بچہ کو روشناس کرا دینا کافی ہے۔ ہر نیا نعرہ مارنے والے کو اس کمپنی کا ممبر یا چمچہ سمجھ لینا کافی ہے۔ عقائد میں نئی نئی ایجادیں کرنے والوں کو کمپنی کا گروہ سمجھنا لازم ہے۔ پھر جو شخص اپنے قدیم رسومات میں کوئی ایسا اقدام کرے جو دوسرے مسلمانوں کو چڑانے کے لئے ہو وہ شخص دشمن اُمت ہے۔ جو خواہ مخواہ دل آزاری کے نعروں سے کسی قدیم مذہبی رسم کو رکوانا چاہے وہ دشمنِ اسلام ہے۔ مصر والوں کی طرح ضروری ہے کہ شیعہ سنی مل کر اپنی قدیم

مذہبی رسومات کو ادا کریں۔ نئے تہوار نئے ایام اور ڈیز (Days) ایسے لوگوں کے نام سے قائم کرنا جو تنازع اور نقص امن کا باعث ہوں یا جو اُمت کو بحیثیت مجموعی فائدہ نہ پہنچاتے ہوں اور جن پر اُمت کے کسی طبقہ میں اشتعالِ مذہبی پیدا ہوتا ہو قطعاً ممنوع ہونا چاہئیں۔ جن لوگوں کے نام پر اُمت میں ہزار سال سے لعنت ہوتی چلی آ رہی ہو، جن کے نام پر کسی اسلامی فرقہ کی کتابوں میں کوئی رسم جاری نہ رہی ہو اُن کے لئے مخصوص جلوس نکالنا، خاص دن منانا جرم قرار دیا جانا چاہیئے۔ اگر شمر ڈے اور یزید ڈے وغیرہ منانے کی اجازت دینا جائز ہے تو پھر ہلاکو ڈے، علقمی ڈے منانے کی بھی اجازت دینا پڑے گی اور کشت وخون کی مذمت کرنا بھی ناجائز ہو جائے گا۔ لہٰذا حکومت کی اوّلین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں محبت واتحاد کیلئے ہر اُس فرد، جماعت یا فرقہ کی ہمت شکنی کرے جو تقدس کا پردہ ڈال کر منافرت واشتعال پھیلانے کیلئے کوئی ایسی رسم یا ڈے ایجاد کرے جس کی نہ حدیث میں اجازت ہو نہ اُمت میں معمول بہ رہی ہو۔ پاکستان بننے کے بعد متنفی اور مفسدہ پرداز گروہ نے افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لئے جتنی ایسی محفلوں اور جلوسوں اور جلسوں کا رواج پیدا کیا ہے جن کا اُمت کے تیرہ سوسالہ ریکارڈ میں کہیں تذکرہ تک نہیں، جن کے قیام وانعقاد کے بغیر متعلقہ فرقہ کے بزرگ اور سلف صالحین پکے مسلم تھے، وہ سب گن گن کر بند کر دینا اُمت کے عوام، علمائے صالحین اور حکومت کا فریضہ ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم دنیا وآخرت میں اسلام کو پاژند اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے مجرم ہو گے۔ ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہ تمام رسوم، یہ تمام جلسے اور جلوس اور یہ تمام ڈیز (Days) اُمت نے ایجاد نہیں کئے۔ یہ علمائے اُمت اور دانشوران قوم نے ایجاد کئے۔ یہ سب اگر اچھے کام تھے، سنت اور سلف صالحین کی اتباع میں تھے تو ایجاد کرنے والے علمائے صالحین کہلائیں گے اور اگر یہ خلاف حدیث وقرآن تھے تو اِن کے موجد علمائے سُوء کہلائیں گے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان زوال وگمراہی سے نکلنے کیلئے اپنے اپنے عقائد وعبادات ورسوم وشعائر واعمال پر از سرنو قرآن وحدیث وسنت محمدؐ وآل محمدؐ کی متفقہ پوزیشن کی روشنی میں نظر ڈالیں اور ہر مشکوک وغلط عمل کو فوراً ترک کر دیں تاکہ رحمتِ خداوندی امت کے شاملِ حال ہو جائے۔ اور یہ عبادتیں محض کھوکھلے نعرے اور غپ شپ نہ رہیں بلکہ نتیجہ خیز بن جائیں۔ آمین

(8) حضرت علیؑ کے زمانہ میں بھی تخریب کار علما مسلمانوں میں پوشیدہ تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جس طرح بتدریج نماز ایسی نمایاں عبادت کو تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اُسی طرح اور اُن ہی لوگوں نے دین کے ہر ہر مسئلے میں تبدیلی کی اسکیم جاری کر رکھی تھی۔ اور اُمت کے علمائے صالحین برابر اسلام کا دفاع کر رہے تھے۔ یہاں دونوں قسم کے علما کا حال اور عمل در آمد علیؑ کی زبانی ملاحظہ کر لیں تو آگے بڑھیں، فرماتے ہیں کہ:۔

نیک عالم	تخریب کار عالم
(i) وہ اللہ کے لئے سب سے اُونچے مقصد کے لئے اُٹھا ہے۔	(i) اُس نے جاہل ہوتے ہوئے اپنا نام عالم رکھ لیا ہے۔

(ii) وہ ہر مشکل کو حل کر دیتا ہے۔
(iii) اُس نے اپنی باگ ڈور قرآن کو سونپ رکھی ہے۔قرآن ہی اُسکا راہنما ہے، وہی اُسکا امام ہے، ہر معاملہ میں قرآن کیساتھ رہتا ہے۔
(iv) وہ تاریکیوں میں روشنی پھیلانے والا ہے۔
(v) مخالفانِ اسلام کے پھیلائے ہوئے مغالطّوں کو واضح کرتا ہے۔
(vi) اُلجھے ہوئے مسائل کو سلجھا دیتا ہے گنجلکوں کو دُور کر دیتا ہے۔ خطرناک راہ میں ھادی ہے۔
(vii) وہ ہر کام اللہ کیلئے کرتا ہے۔اور اللہ نے اُسے اپنا بنالیا ہے۔

(ii) مکروفریب کے جال بچھار کھے ہیں۔
(iii) قرآن کو اپنی رائے کے ماتحت رکھتا ہے اور حق کو اپنی خواہشوں کا محافظ بناتا ہے۔
(iv) سر سے پیر تک بدعتوں اور گناہوں کا مجسم بنڈل ہے۔
(v) اُس کی صورت انسانوں جیسی ہے مگر قلب و ذہن میں انسانیت سوز سامان بھرا ہوا ہے۔
(vi) نہ اُسے ہدایت کا دروازہ معلوم ہے کہ وہاں تک آسکے اور نہ گمراہی کا دروازہ جانتا ہے کہ اس سے اپنا رخ موڑ سکے۔
(vii) زندوں میں چلتی پھرتی لاش کی مانند ہے۔

(نہج البلاغہ جلداوّل خطبہ 85،صفحہ 241 -240 مفتی جعفرحسین)

(9) ڈھکوی گروپ کے باطل اجتہاد کا ماخذ اور منبع

حضرت علیؑ کے زمانہ کے تخریب کار علما کا بالکل وہی طریقہ ثابت ہو گیا جو ہم جناب علامہ محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی کے یہاں ثابت کر چکے ہیں۔ یہ بھی قرآن کے بیانات اور حدیث کے حکم کو من وعن تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ جو چیز اُن کے اور اُن کے بزرگوں کی رائے اور پسند کے خلاف ہوتی ہے اُسے اپنی ضرورت اور مصلحت کے ماتحت بدل کر عوام میں پھیلاتے ہیں۔اور ہم اور اُمت کے علمائے صالحین صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ یا کوئی اور جس بات کو غلط قرار دے اُس کے غلط ہونے پر کلام اللہ یا کلام معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں دلیل پیش کرے۔لیکن اُن کا مذہب کہتا ہے کہ کلام اللہ اور کلام معصومؑ سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔لہٰذا ہر وہ چیز غلط ہے جسے اُن کی جماعت کے علما متفقہ طور پر غلط کہہ دیں۔اور جسے وہ صحیح کہہ دیں صرف وہی چیز صحیح ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جس کلمہ کو صحیح قرار دیتے ہیں، اُس کے صحیح اور مکمل ہونے پر وہ ایسے معصوؑم و مربوط دلائل پیش نہیں کر سکتے جیسے ہم نے لکھے ہیں۔ نہ اُن کی نماز پر قرآن وحدیث سے ثبوت لایا جا سکتا ہے۔قرآن واحادیث ہر حال میں ہمارے ساتھ ہیں خواہ وہ بخاری میں ہوں یا کافی میں ہوں۔

(10) تخریب کاروں کا اسلام اور اسلام میں تخریب کا طریقہ

قارئین کرام خاص طور پر یہ نوٹ فرمائیں کہ سرکاری انتظام کے ماتحت جو تاریخ وحدیث وتفسیر وغیرہ پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔اُن میں یہ کوشش اُبھر کر نظر آئے گی کہ وہ نہ چاہتے تھے کہ اسلام میں تخریب کرنے والوں کے اوّلین گروہ کا کسی کو پتہ چلے اور آنے والی نسلیں جس تبدیل شدہ اسلام کو دیکھیں تو اُنہیں کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے اور وہ قلب صمیم کے ساتھ اُس طاغوتی نظام

ہی کو اللہ و رسولؐ اور قرآن کریم کا دین سمجھ کر اس پر عمل کریں۔لیکن اُنہیں یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اُن کے ظلم و ستم و غصب و نہب پر نہایت پُر امن طریقہ پر خاموش ہو جانے والا نظامِ ولایت اسلام کے تحفظ کے لئے کتنا گہرا، مؤثر اور غیر محسوس انتظام کرے گا کہ جو اُن کی صدیوں کی قومی و ملکی محنتوں اور جعل سازیوں کو طشت از بام کر کے انہیں اُمت کے سامنے مجرم اور حقیقی اسلام میں تخریب کار ثابت کر دے گا۔اور تاریخی پردہ پوشی دھری کی دھری رہ جائے گی۔چنانچہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام سے تخریب کاروں کا حال اور قدیم ترین ریکارڈ دیکھیں فرماتے ہیں کہ:-

فَيَا عَجَبِیْ وَمَا لِیَ لَا اَعْجَبُ مِنْ خَطَاءِ هٰذِهِ الْفِرَقِ عَلَى اخْتِلَافِ حُجَجِهَا فِیْ دِيْنِهَا.....

(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 86، صفحہ 246-245)

''ہائے میری حیرانی! اور کیا وجہ ہو سکتی ہے جو میں اظہار تعجب نہ کروں؟ اسلام میں پیدا ہو جانے والے ان تمام فرقوں پر جو اپنے خاطی نظام کے ماتحت دین اسلام کی ہر دلیل و حجت میں اختلاف پیدا کر رہے ہیں۔یہ فرقے یعنی فرقوں کے راہنما نہ رسولؐ اللہ کے آثار کو قابل عمل سمجھتے ہیں نہ رسوؐل کی وصیت اور وصی کو نظروں میں سماتے ہیں۔نہ یہ فرقہ گر لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے اسلام کے بتائے ہوئے ہر عیب پر عمل کرنے کو جائز کر لیا ہے۔یہ ہر اُس آیت و حدیث و اقوال کو اختیار کرتے ہیں جو امت میں شکوک و شبہات و شہوت رانی پھیلا دے۔اُن کے یہاں مسلّمہ اچھی چیز اور عمل وہ ہے جس کو وہ تسلیم کر لیں اور مذموم چیز اور بُرا کام وہ ہے جسے یہ لیڈر حضرات بُرا کہہ دیں۔وہ اسلامی احکام بیان کرنے اور امت کی مشکلات دُور کرنے کے لئے مرجع خلائق بن بیٹھے ہیں اس لئے کہ اُنہوں نے جو دین اور قوانین گھڑ لئے ہیں اُن پر پوارا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔چنانچہ وہ اپنے مشتبہ اور مشکوک احکام اور فیصلوں کو اپنی رائے کی وجہ سے اسلام کے حقیقی فیصلے سمجھ لیتے ہیں۔اُن مراجع خلائق اور مراکز تقلید میں کے ہر شخص نے اپنی ذات کو امام سمجھ لیا ہے۔اور احکام اور فیصلے گھڑنے میں اُنہوں نے جو قوانین تیار کئے ہیں اُن ہی کو اپنا مضبوط و مستحکم وسیلۂ حق مان لیا ہے۔'' (نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 86، صفحہ 246-245)

فَاجْتَمَعَ الْقَوْمُ عَلَى الْفُرْقَةِ وَافْتَرَقُوْا عَنِ الْجَمَاعَةِ كَاَنَّهُمْ اَئِمَّةُ الْكِتَابِ وَ لَيْسَ الْكِتَابُ اِمَامَهُمْ فَلَمْ يَبْقَ عِنْدَ هُمْ مِنْهُ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَعْرِفُوْنَ اِلَّا خَطَّهٗ وَزَبْرَهٗ ......الخ (نہج البلاغہ جلد دوم، خطبہ 145، صفحہ 60)

''اُن تفرقہ پرداز علما نے اُمت میں تفرقہ ڈالتے چلے جانے پر اتفاق کر لیا ہے۔اور اُمت سے الگ ایک قوم بن کر اُمت کا کام اس طرح چلانا چاہتے ہیں کہ گویا وہ قرآن کے بھی امام اور راہنما ہیں۔اور قرآن اُن کا راہنما یا امام نہیں رہا ہے۔وہ صرف قرآن قرآن کا نعرہ لگاتے ہیں حالانکہ اُن کے نزدیک قرآن قطعاً قابل عمل نہیں رہا ہے۔وہ قرآن کے الفاظ اور زیر و زبر و پیش کے سوا اور کچھ نہیں مانتے ہیں۔''

(11) خالص باطل کوکوئی اختیار نہ کرتا مگر باطل کوحق کا لبادہ اُڑھا دیا جاتا ہے

کتنی وضاحت سے علامہ محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی کی قدامت اور طریق کار واضح کر دیا گیا۔اور جو قارئین آج کی اسلامیات اور علما کی تحریروں پر نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بڑے بڑے تمام علما حدیث کا انکار کرتے ہیں یا انہیں قطعی الصدور نہیں مانتے یا راوی کی آڑ میں قیل وقال کرتے ہیں۔ہم نے شیخ احمد احسائی کی مذمت صرف اس لئے لازم سمجھی کہ وہ مخالفین کے نظام اجتہاد پر ایمان لاکر مذہب شیعہ کے ریکارڈ کی تمام احادیث کو یقینی نہیں مانتا۔اور سو فیصد محمدؐ وآل محمدؐ کے مقابلہ میں اجتہاد کی تائید کرتا ہے۔پھر ان تفرقہ پردازوں نے مل کر قرآن کے ترجموں اور تفسیروں میں معنوی تحریف کرنا لازم سمجھا ہے۔یعنی یہ گروہ قرآن کے ماتحت رہنے کے بجائے قرآن کا حاکم اور امام بن گیا ہے۔اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہی کے زمانہ میں اسلام و قرآن کی تعلیمات کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔اور اس تغیر وتبدل و تبدیل میں جو اصول مدنظر رکھا تھا وہ بھی حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے مومنین کو اور علمائے حقہ ہر زمانہ کے مومنین کو بتاتے رہے ہیں، سنئے ارشاد ہے کہ:۔

وَاِنَّمَا سُمِّیَتِ الشُبْهَةَ شُبْهَةً لاَ نَّهَا تُشْبِهُ الحق...... الخ۔(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 38،صفحہ 176 مفتی جعفر حسین)

یقیناً شُبہ کو اسلئے شُبہ کہا گیا ہے کہ وہ حق سے مشابہ ہوتا ہے۔لہٰذا اہل حق تو شبہات کو یقین تک پہنچنے کیلئے روشنی اور حق نما اشارات سمجھ کر راہِ ہدایت پا لیتے ہیں۔لیکن گمراہ کنندہ گروہ شبہات کی ایجاد سے اُمت ومومنین میں گمراہی پھیلانے کا کام لیتے ہیں۔

اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوْعِ الْفِتَنِ اَهْوَاءٌ تُتَّبَعُ وَ اَحْكَامٌ تُبْتَدَ عُ يُخَالَفُ فِيْهَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ يَتَوَلّٰى عَلَيْهَا رِجَالٌ رِجَالًا عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ اللّٰه فَلَوْاَنَّ باطِلَ خَلَصَ مِنْ مِزَا جِ الْحَقِّ لَمْ يَخفَ عَلَى الْمُرْتَادِيْنَ ۔ وَلَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ مِنْ لَّبْسِ الْبَاطِلِ لَا نْقَطَعَتْ عَنْهُ اَلْسُنُ الْمُعَانِدِيْنَ وَلٰكِنْ يُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ وَّ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ فَيُمْزَجَانِ فَهُنَالِكَ يَسْتَوْلِى الشَّيْطَانُ عَلٰى اَوْلِيَائِهٖ وَيَنْجُوْالَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ الْحُسْنٰى ۔(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 50،صفحہ 187)

''چنانچہ تفرقہ اندازی اور فتنہ سازی کیلئے ضروری ہے کہ پبلک میں مصنوعی ضروریات زندگی پھیلا دی جائیں۔پھر ضروریات زندگی کے نام پر متعلقہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی خواہشوں اور کوششوں اور تمناؤں کا لامحدود سلسلہ شروع کر دیا جائے۔تاکہ نئی نئی ایجادیں، بدعتیں برسرکار آجائیں۔اور اب قرآن کے نام پر قرآن کے خلاف احکام وانتظام ناگوار نہ گزریں۔اس سلسلہ میں اُس طاغوتی اسکیم کے مرد میدان آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اُس شیطانی ولایت میں داخل کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔بات یہ ہے کہ اگر خالص باطل کو پیش کیا جاتا اور اُس باطل میں حق کی چاشنی نہ ہوتی تو متلاشیان حق اس باطل کو پہچان کر اس سے الگ رہ جاتے۔اسی طرح اگر باطل کی ملاوٹ سے پاک خالص حق کو پیش کیا جاتا تو مخالف گروہ کی زبان بندی ہو جاتی اور حق پھیلتا جاتا۔مگر یہ ابلیسی گروہ کرتا یہ ہے کہ مناسب مقدار میں حق لیتا ہے اور

مناسب تناسب کے ساتھ باطل میں سے لیتا ہے پھر حق اور باطل کو بڑی ہنرمندی سے ملا کر پیش کرتا ہے۔اور اس ہنرمندی کی داد دینے کے لئے ابلیس اپنے مقرر کردہ حاکموں یا اولیا کو غلبہ دیتا ہے۔اس خطرناک گمراہ کن صورتِ حال میں وہ لوگ نجات پا سکتے ہیں جن کیلئے اللہ نے پہلے ہی سے نیکیوں کا انتظام کر رکھا ہو۔''

(12) اسلام کے خلاف ایک با قاعدہ کھلا محاذ قائم تھا جو اسلام کو تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا

قارئین حضرت علی علیہ السلام کی زبانی قدیم ترین ریکارڈ میں ڈھکو اینڈ کمپنی کی ذہنیت ،قدامت اور طریقہ کار کی تفصیلات دیکھتے چلے آرہے ہیں۔بتایئے کہاں یہ مسلّمہ بین الفریقین بیانات ؟اور کہاں وہ فرضی ناولوں کے ہیروز جو پرویزی گروہ پیش کرتا ہے۔جس پر فرضی اور خود ساختہ کہانیاں پیش کی جاتی ہیں۔اور دشمنی کی حد یہ ہے کہ لیلیٰ مجنوں کی کہانی کی طرح اپنا ایک وکیل عبداللہ ابن سبا گھڑا جاتا ہے۔پھر اس کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی کہ تمام جلیل القدر صحابہؓ کو بیوقوف و جاہل لکھنا پڑتا ہے۔ مگر یوں باطل کو پردوں میں چھپانے کی احمقانہ کوشش کی جاتی ہے۔اور کسی معتبر و قدیم ریکارڈ میں اُن کے اس فرضی بزرگ کا تذکرہ تو الگ ،نام بھی نہیں ملتا۔اور سوائے اس فتنہ پرداز وملعون گروہ کے ،جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں،کوئی محقق اسلام عبداللہ ابن سبا کے فراڈ کو تسلیم نہیں کرتا (دیکھو فتنۃ الکبرٰی ۔ڈاکٹر طٰہٰ حسین)۔لیکن ہم چند قدم بعد اس تخریب کار گروہ کا وجود قرآن کریم سے دکھا کر پھر نماز میں تبدیلی کی طرف آنے والے ہیں۔یہاں حضرت علی علیہ السلام کا ایک بیان سن لیں:۔

اَلا وَقَدْ قَطَعْتُمْ قَيْدَ الْإِسْلَامِ وَ عَطَّلْتُمْ حُدُوْدَهُ وَاَمَتُّمْ اَحْكَامَهُ۔(نہج البلاغہ جلد دوم خطبہ 190 ،صفحہ 209)

''خبردار ہو جاؤ کہ تم نے اسلام کی تمام پابندیاں ختم کر کے لوگوں کو اسلام کے خلاف آزاد چھوڑ دیا۔تم نے جتنی اسلامی سزائیں تھیں اُن سب کو معطل کر کے مجرموں کو جرائم کیلئے عام اجازت دے دی اور اسلام کے جتنے احکام تھے سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔''

آج کے تخریب کاروں سے دریافت کریں کہ حضرت علی علیہ السلام تو تمہارے تمام ابلیسی راہنما بزرگوں کو سرتا سر اسلام کو تباہ کر دینے کا مجرم بتا رہے ہیں۔تم ایک عبداللہ کو لئے پھرتے ہو،حالانکہ تمہارے تمام بزرگ عبداللہ ابن سبا نہیں بلکہ عباد الشیطان ثابت ہیں۔جن پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت قرآن میں نازل ہوئی تھی۔آئیں تمہیں تمہارے تخریب کار بزرگوں سے متعارف کرائیں۔تم اُنکے جرائم کہاں تک چھپاؤ گے اور تم کیسے ایک عظیم الشان اور ممدوح قرآن قوم و مذہب کی تاریخ کو شیطانی دسیسہ کاریوں سے تبدیل کرو گے؟ایک ملعون نے اپنی خباثت کو ظاہر کرنے کیلئے ''فتنہ ابن سبا'' کتاب لکھ کر اپنا منہ کالا کیا اور جہنم واصل ہوا۔لیکن اُسے کم از کم قانون کا خوف تھا۔لیکن وہ لوگ جن کا دین وایمان ہی فریب سازی ہے، جو حقیقتاً یہود ونصارٰی کے بدترین لوگوں سے بھی بدعقیدہ ہیں انہوں نے جس طرح قدیم کتابوں میں کھل کر دن دہاڑے تحریف کی ،قرآن کے

ترجموں کو بدل ڈالا۔ وہ اب اسی کتاب ابن سبا کو تاریخ مذہب شیعہ کے نام سے ملک میں مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ انہیں بتادو کہ جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ وہ اور انکے مذہب کے لوگ ہی اوّلین شیعہ ہیں۔ ہم آپ کو ترجمانی حق پر آفرین کہتے ہیں۔ تم نے خود اور اپنے بزرگوں کو عبداللہ ابن سبا کے مذہب پر ثابت کر کے بڑی خدمتِ دین کی ہے۔ ہم تمہیں روز اوّل سے ناصبی وملعون سمجھتے اور تمہاری تخریب کاری سے اُمت کو روشناس کرتے آرہے ہیں۔ یہ تمہاری شکست اور تھک چکنے کا ثبوت ہے کہ کوئی نیا فتنہ اٹھانے کے بجائے تم نے مُردوں کا سہارا لیا ہے۔ لیکن صاحبان علم وہوش کیلئے ثبوت کوئی نہیں دیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اُس میں خیانت چیختی رہ گئی ہے۔ اور چوروں کی طرح حق سے دامن بچا کر گزر گئے۔

(13) نزول قرآن کے ساتھ ساتھ تخریب کار نقلی مسلمان گروہ

قارئین تخریب کاروں کو قرآن کریم کی یہ آیت سنا کر اُن سے دریافت کریں کہ کیا یہ آیت تمہارے ممدوحین کی سازش کو نمایاں کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟

> يَآ يُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ......الخ (مائدہ 5/41)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اندر دو لیبلوں والے تخریب کاروں کا ہونا بتایا ہے۔ اُن دونوں میں سے ایک گروہ وہ ہے جو مسلمان ہیں۔ تمام مسلمان اُن کو مسلمان سمجھتے چلے آرہے ہیں اس لئے کہ دل کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ البتہ اس آیت کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی مسلمانوں میں کچھ نقلی اور ظاہری طور پر مسلمان بھی موجود ہیں۔ یہی وہ پہلا تخریب کار گروہ ہے جو مسلسل مسلمانوں میں رہتا چلا آیا اور آج تک بھی موجود ہے۔ دوسرا تخریب کار گروہ اُن لوگوں کا ہے جو حقیقتاً یہودی مذہب کے افراد ہیں اور بظاہر مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی پہلا گروہ نہ مسلمان ہے نہ یہودی بلکہ بے دین لوگوں کا گروہ ہے مگر ظاہری اقوال واعمال مسلمانوں کے اختیار کر رکھے ہیں۔ اور یہ صرف اس لئے کہ مسلمانوں پر مسلمان بن کر ہی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ رسولؐ اللہ کو معلوم ہے اور وہ حضرتؐ رنجیدہ اور متفکر ہیں۔ اللہ نے رسولؐ اللہ کو تسلی دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے اندر اور رسولؐ کے پاس اس غرض کیلئے گوش بر آواز رہتے ہیں تاکہ وہ ایسے نکات یا پوائنٹس (Points) نوٹ کرتے رہیں جن سے ایک دوسری قوم وہ مطالب مرتب کر کے مسلمانوں کے عقائد کو بدلے جن میں رسولؐ، اسلام، قرآن اور مومنین کے بیانات وعقائد کو جھٹلایا جا سکے۔ اور لفظی یا معنوی ادل بدل اور اُلٹ پلٹ کر کے کافرانہ تصورات کو اسلام کی جگہ پسند کرایا جائے۔ دوسری قوم وہ ہے جو بنفسِ نفیس رسولؐ کے پاس آنا پسند نہیں کرتی اور نہیں آتی۔ وہ اپنے

مرکزی مقام پر رہ کر مذکورہ دو جماعتوں سے ضروری کام انجام دلواتی رہتی ہے۔اور اُن سب نے مل کر مسلمان عوام میں یہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ عوام الناس اس گروہ کے ماہرین یا دانشور علما کے احکام کو اللہ و رسولؐ کے احکام سمجھ کر بلا چوں و چرا عمل کرتے ہیں۔اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ وہ گروہ عوام کو یہ حکم دے چکے ہیں کہ:

''اگر تمہیں رسولؐ اللہ ایسا ایسا پروگرام یا حکم دیں تو اُسے مان لو۔اور اگر وہ تمہیں ایسا اور ایسا حکم نہ دیں تو ترکیب سے بچ نکلا کرو۔''

قارئین کرام ہماری توضیح کو اندھا دُھند قبول نہ کریں بلکہ قرآن میں مختلف تحریف شدہ ترجمے پڑھیں اور دیکھیں کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ صحیح ہے کہ نہیں؟ پھر یہ دیکھیں کہ آج کل کے مخربینِ اسلام بھی ایک مرکزی گروہ سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔اور شیعہ سنی لیبل والی دونوں جماعتیں ڈھکو اینڈ کمپنی کی صورت میں وہی کام کر رہی ہیں جو اُن کے اوّلین بزرگ کرتے تھے۔

(14) رسولؐ اللہ سے منسوب پوری قوم نے قرآن کو ترک کر کے مندرجہ بالا مرکز کو حاکم مان لیا تھا

آپ نے دیکھا تھا کہ تخریب کاروں کی یلغار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہو چکے تھے۔اور خود اللہ نے مان لیا تھا کہ تخریب کار گروہ اسلام کو کفر میں تبدیل کرنے میں بڑی سرعت سے سرگرم عمل ہیں (یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ... مائدہ 5/41)۔ اب دیکھئے کہ رسولؐ اللہ، اللہ سے عرض کر رہے ہیں کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا o وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا o (فرقان 25/30-31)

اے میرے پروردگار میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ کر اپنا ٹھکانہ یقیناً دوسرا بنا لیا ہے۔اللہ نے رسوؐل کی شکایت پر یہ بتایا کہ ہم نے تمہاری بعثت سے پہلے بھی جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک گروہ کو ہر نبیؑ کے دشمن کی حیثیت سے برسرِ کار رکھا ہے اور تیرے لئے تیری قوم کو یہ کام دیا ہے۔مگر ہر نبیؑ کا اور تمہارا ہادی اور مدد گار تمہارا پروردگار رہے جو دشمنوں کے مقابلے میں کافی ہے۔

یہاں قارئین نوٹ کر لیں کہ آنحضرؐت کے خلاف کافرانہ محاذ بنانے والی ایک پوری قوم ہے اور اللہ و رسولؐ نے ثابت کر دیا کہ وہ مخالف قوم رسولؐ اللہ کی اپنی قوم ہے۔اگر کوئی شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اُس وقت تک رسولؐ سے منسوب قوم کے ہر فرد کو مجرم، مخالف اور دشمنِ اسلام اور دشمنِ خدا و رسوؐل سمجھتا رہے گا۔جب تک رسوؐل کی قوم کے کسی فرد کو بچانے کیلئے قرآن کی آیت سے اس کی بریت ثابت نہ کر دی جائے گی۔اب آپ حضرت علی علیہ السلام سے سنئے کہ رسولؐ اللہ کی مذکورہ و منسوبہ قرآنی قوم نے اپنی تخریبِ اسلام چھوڑی نہ تھی۔

(15) رسولؐ اللہ کی قوم رسولؐ کے بعد واپس کفرو کافرانہ نظام کی طرف پلٹ گئی

حضرت علیؑ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ:۔

اِذَا قَبَضَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم رَجَعَ قَوْمٌ عَلَى الْاَعْقَابِ وَ غَالَتْهُمُ السُّبُلُ ۔وَاتَّكَلُوْا عَلَى الْوَلَا ئِجِ وَوَصَلُوْا غَيْرَ الرَّحِمِ ۔ وَهَجَرُوْا السَّبَبَ الَّذِى اُمِرُوْا بِمَوَدَّتِهٖ وَنَقَلُوْا الْبِنَاءَ عَنْ رَصِّ اَسَاسِهٖ؛فَبَنُوْهُ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ ۔ مَعَادِنُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ ، وَاَبْوَابُ كُلِّ ضَارِبٍ فِيْ غَمْرَةٍ ۔ قَدْمَا رُوْا فِى الْحَيْرَةِ؛وَذَهَلُوْ فِى السَّكْرَةِ عَلٰى سُنَّةٍ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ مِنْ مُنْقَطِعٍ اِلَى الدُّنْيَا رَاكِنٍ ۔اَوْ مُفَارِقٍ لِلدِّيْنِ مُبَايِنٍ ۔(نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ 66،خطبہ 148)

’’جب اللہ نے رسولؐ اللہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہ قوم جدھر سے آئی تھی اُدھر ہی واپس پلٹ گئی (عمران 3/144,3/149) اُس نے اسلام کے اندر صراط مستقیم کے مقابلہ میں دوسری راہیں نکالنے میں مبالغہ اور غلو کی انتہا کردی اور اپنے رازدار گھریلو قسم کے دوستوں اور رشتہ داروں پر توکّل کرلیا (توبہ 9/16) اور قرآن میں مذکور اولی الارحام جو مومنین اور مہاجرین سے افضل ہیں کو چھوڑ کر دوسری نسلوں سے منسلک ہوگئے (احزاب 33/6) اور جس طرح قرآن کو چھوڑ کر ہجرت کرگئے تھے (35/30-31) اُسی طرح اُس سبب اور وسیلہ (مائدہ 5/35) کو ترک کرکے ہجرت کرگئے جس کی مودت واجب کی گئی تھی (شوریٰ 42/23) اور اسلام کی بنیاد کو اُس محکم جگہ سے منتقل کرکے ایسی جگہ قائم کردیا جو اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف ہے۔ یہ رسوؐل کی قوم ہی امت کیلئے ہر غلط کاری کی کان ہے اور امت کو گمراہی میں داخل کرنیوالے دروازے ہیں۔ وہ قوانین اسلام کو تبدیل کرنے میں حیران ہو جاتے ہیں اور قوم فرعون کی سنت پر عمل کرکے نسل ابراہیمؑ کو منقطع کرنے کی اسکیمیں بنارہی ہے۔اُس قوم کے کچھ لوگ تو محض دنیا کی غرض سے مخالفت پر آمادہ ہوئے اور کچھ نے دین اسلام کو ترک کرکے گمراہی کو دین بنالیا ہے۔‘‘

(16) یہاں نظام ابلیسی اور اسلام و اُمت کے دشمنوں کی تخریب فی الدّین واضح ہوچکی

ہم نے نماز کی تبدیلی کے بعد یہ چاہا کہ ہمارے وہ قارئین مطمئن ہو جائیں جو تاریخ وحدیث سے واقف نہیں ہیں۔ چونکہ اسلام کے عقائد وعبادات اور احکام میں تبدیلی کفر وشرک سے بھی بدتر جرم ہے۔اس لئے وہ پُرخلوص اور نیک دل مومنین جلدی سے یہ ماننے کو تیار نہ ہوسکتے کہ آنحضرؐت اور صحابہؓ کے ادوار میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی تھیں۔ کیونکہ اُس وقت تو ہر آدمی رسولؐ اللہ کا صحابی تھا۔حالانکہ یہ معلوم ہے کہ کسی معمولی آدمی کے کہنے سے کوئی شخص کسی عقیدہ یا عبادت کو تبدیل نہیں کرسکتا بلکہ اُمت کے افراد ایسے شخص یا اشخاص کو مار مار کر بدحواس کردیں گے۔لہٰذا تبدیلی تو وہ علما اور بزرگ ہی کراسکتے ہیں جن پر قوم کو اعتماد ہو، جن کا سکہ چلتا ہو، جن کو اللہ و رسوؐل کا جانشین سمجھا اور لکھا جاتا ہو۔یعنی دین میں ردّ و بدل تو زبردست صحابہ یا علما ہی کرسکتے ہیں۔اب ہم انتقالِ رسولؐ کے بعد کے حالات دکھادیں۔

(17) رسولؐ اللہ کے بعد صحابہ اور مذکورہ بالا قوم کا حال بخاری شریف سے دیکھیں

بخاری جو اہلِ سنت علما میں مسلّمہ حیثیت رکھتی ہے، اُس میں دو حقیقتیں بالکل ثابت ہیں۔ اوّل یہ کہ بعض لوگوں نے اسلام میں اسلام کے خلاف عقائد و احکام و عبادات میں طرح طرح کی تبدیلیاں کیں۔ دوم یہ کہ ایسی تبدیلیاں اور تغیر و تبدل کرنے والے صحابہ جہنم میں جائیں گے۔ یہ اس لئے دکھانا ضروری ہے کہ نیک دلوں سے غلط عقیدت کا بوجھ اُتر جائے۔ تمام حوالہ جات صحیح بخاری جلد دوم کتاب الفتن نور محمد چھاپ سے دیئے جانے والے ہیں۔ رسولؐ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

(i) اَنَا عَلٰی حَوْضِی اَنْتَظِرُ مَن یَّرِدُ عَلَیَّ فَیؤخذ بناس من دُوْنِی فَاَقُوْلُ اُمَّتِی فیقال لا تدری مَشَوا عَلَی القهقری قال ابن ابی ملیکة اَللّٰهُمَّ اَنَا نَعُوْذُبِكَ اَنْ نَرجَعُ عَلٰی اعقابنا۔ (کتاب الفتن صفحہ 1045)

میں حوضِ کوثر پر اپنے پاس آنے والوں کا انتظار کر رہا ہوں گا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو میرے پاس سے ہٹایا جائے گا تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری اُمت کے لوگ ہیں۔ مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپؐ نہیں جانتے۔ یہ تو اُمت کے وہ لوگ ہیں جو آپؐ کے بعد کفر کی طرف پلٹ گئے تھے۔ ابن ابی ملیکہ نے رسوؐل کی یہ حدیث سن کر کہا کہ یا اللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم الٹے پاؤں کفر کی حالت پر پلٹ جائیں اور فتنہ پھیلائیں۔

قارئین نوٹ کریں کہ حدیث میں وہی الفاظ موجود ہیں جو قرآن (عمران 3/144 و 3/149) میں اور حضرت علیؑ کے آخری بیان (15) میں فرمائے گئے تھے۔

(ii) انا فرطُکُمۡ علی الحوض لیُرْفَعَنَّ اِلیَّ رِجَالٌ مِنۡکُمۡ حَتّٰی اِذا اَهْوَیْتُ لِاُ نَا وِلَهُمۡ اختلجوا دونی فاقول ای رَبّی اصحابی؟ یقول لا تدری ما اَحۡدَ ثُوۡا بعدَك۔ (ایضاً صفحہ 1045)

میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر ہوں گا پھر تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ قبل اس کے کہ میں اُن کو لینے کیلئے متوجہ ہوں اُنہیں مجھ سے دور کرنے کا بندوبست ہوگا۔ میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اللہ فرمائے گا کہ تمہیں درایتاً یہ معلوم نہیں کہ اُنہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔ اور فرمایا کہ:۔

(iii) اَنَا فرطُکُم عَلَی الحوض من وَرَدَهٗ شَرِبَ منه و من شرب منه لَمۡ یظماء ابدًا لَیردَنَّ عَلیَّ اقوامٌ اَعرِفُهم ویعرفونی ثم یحال بینی و بینهم.... قال اِنَّهُمۡ مِنّی فیقال انك لا تدری مَا بَدَّ لوا بعدك فَاَقُول سُحقًا سُحقًا لِمن بدَّل بعدی۔ (ایضاً)

میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر وارد ہوں گا۔ جو وہاں پہنچے گا وہ حوض میں سے پیئے گا۔ اور جو پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ ضروری ہے کہ میرے سامنے ایسی اقوام کو وہاں لایا جائے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور اُن کو میری پہچان ہوگی۔ پھر میرے اور اُن کے درمیان آڑ کر دی جائے گی تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں۔ جواب میں کہا جائے گا کہ تم

ازروئے درایت یہ نہیں جانتے کہ اُن لوگوں نے تمہارے بعد اسلام میں کیا کیا تبدیلیاں کی تھیں۔ اس پر میں کہوں گا کہ جنہوں نے میرے بعد اسلام میں تبدیلیاں کی تھیں اُن کو مجھ سے دُور کرو، دُور کرو۔ اور سنیں:۔

(iv) استیقَظَ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من النَّوم مُحَمَّرًا وجھہ یقول لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَیْلٌ لِلْعَرب مِنْ شَرٍّ قَدْ اقترب۔

حضورؐ سو کر بیدار ہوئے تو آپؐ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آپ نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور فرمایا کہ عربوں پر افسوس ہے اُس فتنہ کی وجہ سے جو بالکل قریب آ گیا ہے۔ (ایضاً صفحہ 1046)

(v) یقول لَا تَرْجعُوا بعدی کُفَّارًا یضرب بعضکم رقاب بعض۔ (ایضاً صفحہ 1047)

فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ لگو بعض بعض کی گردنیں کاٹنے۔'' اِن الفاظ میں کئی حدیثیں موجود ہیں۔

(18) رسولؐ اللہ کے بعد قیامت تک ایک گروہ کفر اختیار کرتا چلا جائے گا

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ بخاری سے جو احادیث لکھی گئی ہیں وہ سب صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ اُن کے علاوہ اور کئی ایک نئی احادیث بھی ہیں جن میں سے ہم ایک حدیث یہاں لکھتے ہیں تا کہ ڈھکو اور مظہر گروپ (Group) کیلئے بھی ثابت ہو جائے کہ وہ اور اُن کی طرح ہر زمانہ میں امت سے چند لوگ خارج ہوتے اور کفر کی طرف لوٹتے چلے جائیں گے۔ یعنی ایڑی کے بل واپس کفر کی طرف پلٹ جانا صرف صحابہؓ کے زمانہ کے لوگوں کیلئے یا آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے زمانہ تک کے لوگوں ہی کیلئے مخصوص نہ تھا بلکہ آج بھی یہ عمل جاری ہے۔ اور قیامت تک ایسے مسلمان وجود میں آتے رہیں گے جو غلط عقائد وعبادات و رسومات کی ترویج یا تعمیل کی وجہ سے جنت اور حوضِ کوثر پر رسولؐ اللہ کی ملاقات سے محروم رہتے جائیں گے۔ سنئے فرمایا:۔

عائشہ تقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وَسَلّم وھو بین ظھرانی اصحابہ اِنّی عَلَی الحوض انتظر مَنْ یرد عَلیَّ منکم فواللّٰہ لَیُقْتَطَعَنَّ دُونی رجال فَلَا قولن ای ربّ مِنّی وَ مِنْ اُمَّتِیْ؟ فَیَقُول انّك لا تدری ما عملوا بَعْدَكَ مَازا لُوْا یرجعون عَلٰی اعقابِھِم۔ (صحیح مسلم جلد دوم صفحہ 249)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ سے ایسے حال میں سنا جبکہ حضورؐ اپنے صحابہ کے درمیان میں بیٹھے تھے۔ فرمارہے تھے کہ یقیناً میں حوضِ کوثر پر انتظار کروں گا کہ تم میں سے کون کون میرے پاس واپس پہنچتا ہے۔ بخدا اُس وقت کچھ لوگوں کو مجھ سے دُور کر دیا جائے گا۔ تو میں ضرور عرض کروں گا کہ اے پروردگار یہ تو میرے لوگ ہیں میری اُمت میں سے ہیں۔ جواب میں اللہ کہے گا کہ تمہیں درایتاً یہ معلوم نہیں کہ اُن لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا کردار ادا کیا۔ یہ لوگ برابر بلا ناغہ کفر کی طرف پلٹتے ہی چلے گئے تھے۔ (صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 249 نور محمد چھاپ)

2۔ اسلامی احکام قومی وملکی مصلحتوں اور حکومتوں نے تبدیل کیئے تھے

اس کتاب کی فوری ضرورت اورادارہ کی مالی پوزیشن کا تقاضہ ہے کہ ہم نہایت اختصار اور عجلت سے کام لیں۔ اُدھر اُمت کے عوام کی تقلید زدہ فہم وفراست کے لئے ضروری ہے کہ جتنا لکھا جائے وہ بلا دِقت سمجھ میں آجائے اور مزید بحث وتشریح کی تشنگی نہ رہ جائے۔ اور ہمارے نزدیک قارئین کا اطمینان اوّلین مقام رکھتا ہے۔ لہٰذا ان دقتوں میں ہم اپنے قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ طے شدہ باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہر آنے والا بیان پڑھیں تو مذکورہ بالا مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ بار بار گزشتہ عنوانات دہرانے سے ضخامت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

یہاں تک یہ حقیقت سامنے آگئی کہ 1: اسلام میں تبدیلیاں یقیناً کی گئیں۔ 2: تبدیلیاں اُمت کے عوام نے ہرگز نہیں کیں۔ 3: تبدیلیاں کرنیوالے لوگ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی دین کو بدل رہے تھے۔ 4: تبدیلیاں آنحضرتؐ کے بعد بھی ہوتی رہیں اور برابر ہوتی چلی آرہی ہیں۔ 5: تبدیلیاں کرنیوالے خواہ صحابۂ رسولؐ ہوں یا بعد کے علما ہوں وہ آنحضرتؐ کے دین سے خارج اور قیامت میں کوثر و جنت اور شفاعتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہیں۔ یہ سب کچھ اس حد تک ہو چکا کہ رسولؐ اللہ نے ایک پوری قوم کے قرآن کو ترک کر کے کسی دوسرے شرعی ماخذ کی طرف ہجرت کر جانیکی شکایت اللہ سے کی اور قرآن کریم نے اپنے چھوڑ دیئے جانے کو خود ریکارڈ میں محفوظ کیا۔ اور ہم تک پہنچایا (فرقان 31-30/25) اور رسولؐ کے مقابلہ میں جس شرعی ماخذ کو اختیار کر لیا گیا تھا، اسکا نام طاغوت بتایا اور تمام مومنین کو حکم دیا کہ وہ اُس طاغوت سے کفر اختیار کر لیں (نساء 60 اور 4/65) اور دل کی رضامندی کے ساتھ دین کے احکام میں صرف رسوؐل کو حاکم اعلیٰ سمجھیں ورنہ وہ اسلام سے خارج ہیں۔

(1) دین میں تبدیلیاں اُمت سے چھپائی جاتی رہیں

علما نے کبھی مجمع عام میں نہیں کہا کہ اُمت جن عقائد ومسائل واحکام پر چلائی جارہی ہے اُن میں سے آدھے سے زیادہ عقائد ومسائل واحکام اللہ و رسولؐ کے نہیں ہیں۔ بلکہ علما نے اپنی ذاتی رائے اور سوجھ بوجھ سے ایجاد کر کے اُمت میں پھیلائے ہیں۔ اگر یہ حضرات اُمت کو بتاتے رہتے تو اُمت نے اُن کو مار پیٹ کر کہیں دُور جلاوطن یا زمین میں دفن کر دیا ہوتا۔ لیکن ہوتا یہ رہا کہ علما نام کا یہ گروہ مسائل واحکام اور عقائد وغیرہ گھڑ گھڑ کر اپنی کتابوں میں لکھتا، اپنے شاگردوں کو پڑھاتا؛ نقل کراتا اور عالم بناتا اور اجازے یا سندات (ڈگریاں، سرٹیفکیٹ) دیتا چلا گیا۔ اُن ہی شاگردوں میں سے اپنی قسم یا ذہنیت کے پسندیدہ افراد کو پیش نماز، قاضی، مفتی، شیخ الاسلام، مشیرِ حکومت اور وزیر امور مذہبی بنا کر مساجد، عدالت اور حکومت کے کلیدی عہدوں پر تعینات کراتا اور یوں اُمت پر سوار رہتا چلا آیا ہے۔ جب تک اُنکے قابو میں مُلکی حکومت رہی اُنھوں نے مرکزی اور انفرادی دونوں حیثیتوں

سے دینی احکام میں ردّوبدل جاری رکھی۔ جب حکومت تک پہنچنے والے دانشور یہ سمجھ گئے کہ مُلّا حضرات ایک خطرناک عنصر ہے تو علما نام کے اس گروہ کو رفتہ رفتہ حکومت سے دور رکھنے کا مشن شروع ہوا اور پھر وہ وقت آیا کہ جب یہ مال دو دو آنے بکنے لگا۔ مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں اور قائم ہیں۔ لیکن علما سے دُوری وطریقِ جمہوری عام ہو گیا۔ علما کے رازہائے قدیمہ کھلنے لگے۔ اُن پر تنقید رفتہ رفتہ فیشن بن گئی۔ چنانچہ آج ہر مذہب اور مکتب فکر کے عوام مذکورہ علما سے برگشتہ و دل برداشتہ ہیں۔ اور یہ نتیجہ برآمد کرنے میں تحریک تشیّع کو بارہ سو (1200) سال لگے ہیں، لاکھوں قربانیاں دینا پڑیں۔ لیکن یہ گروہ بھی برابر کوشاں رہا ہے اور آج کل اُسکی کامیابی کا امکان پھر غالب ہے۔ ملکی پالیسیوں کی نوعیت کی بنا پر یہ لوگ اقتدار میں شریک ہو چکے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں کیلئے کرسیاں اور قلمدان مہیا کرنے کا سامان ہورہا ہے۔ تمام رکاوٹیں دُور کی جا چکی ہیں۔ اب اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کو راہ سے ہٹانے پر توجہ مرکوز ہے۔ اُنہیں تیرہ سو سال کا تجربہ ہے کہ جب تک یہ ازلی محاذ ختم نہ کیا جائے گا کوئی طاغوتی مرکز یا حکومت اسلام میں من مانی تبدیلیاں نہیں کر سکتی۔ اور تبدیلیاں کرنا اس ایٹمی دور میں اتنا ضروری ہو گیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا ضروری نہ تھا۔ آج چاروں طرف سیکولرازم، سوشلزم، کمیونزم کے فوائد ونتائج سے دنیا کی حکومتیں مالا مال ہوتی جا رہی ہیں اور اُمت کے عوام اور حقیقی علمائے اسلام، اسلام کے علاوہ کسی ازم کو پسند نہیں کرتے۔ اسلئے مسلمان حکومتوں اور مذکورہ علما کے لئے لازم ہو گیا کہ وہ موقعہ بموقعہ اسلام کو ایک ہمہ گیر مکمل ضابطۂ حیات کہہ کر اُمت کو خوش کرتے رہیں۔ اور نئی ضروریات، بدلے ہوئے حالات اور موڈرن عالمی تقاضات کا اعلان کر کر کے اُمت کو تبدیلیوں کیلئے تیار کرتے رہیں۔ اور ساتھ ساتھ اسلامی دستور، اسلامی قانون، سنت رسولؐ، نظام مصطفوی، خلافت راشدہ کا ڈھنڈورا پیٹتے جائیں۔ اور رفتہ رفتہ سیکولرازم، سوشلزم اور کمیونزم کے اصول وقواعد وقوانین کو اسلامی لباس پہنا کر اسلام زندہ باد کے نعرہ کے ساتھ اُمت پر تھوپ دیا جائے۔ یہی ہوتا رہا، یہی ہورہا ہے۔ اس سے زیادہ اُس گروہ کے پاس سامان ہی نہیں ہے۔ اپنے اردگرد کی متمدن اقوام کے ماہرین اور مدبرین بلائے جاتے رہے۔ گردونواح کی غیر مسلم حکومتوں کی نقل کی جاتی رہی۔ اور زمانے کے ساتھ چلنے کیلئے غیر قرآنی غیر اسلامی قوانین کو اسلام کے نام پر اُمت میں رواج دیتے چلے آئے۔ غیر مسلم علما بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھے جاتے رہے۔ غیر مسلم کتابیں بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدی جاتی رہیں۔ غیر اسلامی مترجمین اور معلمین سے استفادہ ہوتا رہا اور نتیجہ کو تعلیماتِ اسلامی کہہ کر اُمت کو گویا ترقی پذیر رکھا گیا۔ اور یہ سب کچھ اُمت کو اندھیرے میں رکھ کر، اسلام کہہ کر ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم اور ہمارا محاذ روزِ اوّل سے اس کاروبار میں رکاوٹ ہیں۔ ہم اُمت کو بتاتے رہے ہیں کہ یہ علما اُمت کے سامنے رسولؐ کی مدح وثنا کرتے ہیں لیکن اپنی کتابوں میں اُنہیں (معاذ اللہ) خطا کار لکھتے ہیں۔ نظام مشاورت کا ایک ممبر بتاتے ہیں۔ اُنکی خطائیں، غلطیاں اور غلط اجتہادات گنواتے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اُس گروہ سے اور اُسکے کاروبار سے اُمت کو روشناس کراتے رہیں۔ اسلام کی صحیح

صورت پیش کرتے رہیں۔ یہ گروہ ہم ایسے طالب علمانِ اسلام سے اس قدر خوفزدہ رہتا ہے کہ اُمت کو ہم سے دُور رکھنے کیلئے طرح طرح کے اتہامات لگاتا ہے، نئے نئے نعرے ایجاد کرتا ہے، ہماری کتابیں پڑھنے سے روکتا ہے، ہمارے مضامین کا بائیکاٹ رکھتا ہے۔ اور صحیح کہتا ہے کہ ہم سے بات جس نے کی، ہماری تصنیف جس نے پوری پڑھ لی، وہ اُنکے چکر سے نکل جاتا ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔ اور صحیح کہتے ہیں اسلیئے کہ وہ شخص طاغوت کا کافر ہوجاتا ہے اور اسلام کا حقیقی مومن بن جاتا ہے (نساء 60 اور 4/65)۔ ابلیس کی راہ سے بھٹک کر اسلامی صراط مستقیم پر چل کھڑا ہوتا ہے۔ اور ہر اُس حکم کو نظرِ حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے جو کلام اللہ اور کلام معصومؑ کے الفاظ میں نہ ہو۔

بہرحال اُمت کو چاہیئے کہ وہ اُن علما کے نعروں اور مدح وثنا سے فریب نہ کھائے۔ اُن کے پوشیدہ عقائد کا پتہ لگائے۔ اُنہوں نے شیعہ سُنی عوام کو برسرِ جنگ رکھنے کیلئے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی پوزیشن کو ایسا جذباتی بنا کر پیش کیا ہے کہ آئے دن دونوں دست وگریبان ہوتے رہتے ہیں اور آج کل بھی ''حق چار یار'' کے نعرے لگوا کر اُمت میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے۔ آیئے ہم دکھائیں کہ حق چار یار کا ڈھونگ رچانے والے ابوبکر وعمر وعثمان کو کیا سمجھتے ہیں؟ اور کتنی بے تکلفی سے اُنہیں دین میں تبدیلیاں کرنے والا ثابت کرتے ہیں۔ اور دین تبدیل کرتے رہنے ہی کو اسلام کا صحیح عقیدہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آپ وہ تاریخ سامنے رکھ لیں جس میں اسلامی احکام گھڑنے پر فخر کیا گیا ہے۔ اور نام بنام تمام صحابہ کے وہ کارنامے بطور شاہکار پیش کئے گئے ہیں جو اُنہوں نے ایک خود تراشیدہ اسلام تیار کرنے میں انجام دیئے تھے۔ اس کا نام ہی ''تَـارِیخُ التَّشْرِیْعِ الْاِسْلَامِی'' ہے یعنی ''شریعت سازی کی تاریخ''۔ یہ کتاب علامہ محمد الخضری مصری نے لکھی تھی۔ اور دارالمصنفین کے عالم عبدالسلام ندوی نے ترجمہ کیا تھا۔ پچاس سال سے یہ کتاب (1346ھ سے) شریعت اسلام کی کنجی کہلاتی ہے۔

(2) دینی احکام بدلنے میں ابوبکر وعمر بہت محتاط اور مخلص تھے

قارئین سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ آنحضرتؐ کے بعد پہلی اور دوسری خلافت کے ادوار میں اسلام کے نام پر اپنی ذاتی رائے سے احکام اور شریعت سازی تو کی جاتی تھی مگر وہ اپنے ذاتی احکام کو اللہ ورسولؐ کے احکام نہ کہتے تھے۔ علامہ خضری لکھتے ہیں کہ:۔

> ''یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ اپنی رایوں کو خود اپنی طرف منسوب کرتے تھے۔ شریعت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ اس لئے عملی حیثیت سے اُس کو لازمی نہیں قرار دیتے تھے۔ چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر جب اپنی رائے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ ''میری رائے ہے'' اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے۔ اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں۔'' حضرت عمر کے ایک محرر نے لکھا کہ ''یہ خدا کی رائے اور عمر کی رائے ہے۔'' تو اُنہوں نے کہا کہ یہ نہایت بُری بات ہے۔ یہ عمر کی رائے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی

جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو عمر کی جانب سے ہے۔ اور فرمایا کہ سُنت وہ ہے جس کو خدا اور خدا کے رسولؐ نے مقرر کیا ہے۔ رائے کی غلطی کو اُمت کیلئے سُنت نہ بناؤ۔'' (تاریخ مذکور صفحہ 172)

(3) پُرخلوص شریعت سازی پر ایک نظر

نظامِ اجتہاد کی بنیاد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی تمام ضروریات اور احتیاج کا حل نہ قرآن میں ہے نہ احادیث میں ہے۔ یعنی اللہ کی آخری کتاب اور اُس کا آخری رسولؐ بھی وہ سب سامان لے کر نہیں آئے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے لازم تھا۔ اِس لئے جو کچھ اللہ و رسولؐ سے رہ گیا ہے اُسے مجتہدین اپنی بصیرت اور مجتہدانہ رائے سے انسانوں کے لئے فراہم کرتے چلے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جو اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے بہرحال صحیح نہیں ہے یعنی:

(الف) ''قرآن میں ہر چیز کی تفصیل'' ''یہ قرآن خانہ ساز چیز نہیں ہے جو الہامی کتابیں آج موجود ہیں یہ قرآن اُن سب کی تصدیق کرتا ہے اور مومن قوم کیلئے ہدایت و رحمت ہے۔ اور ہر چیز کی تفصیل کا مجموعہ ہے۔'' (یوسف 12/111)

اور یہ بھی کہا کہ:

(ب) ''قرآن ہر چیز کے بیان کا حامل: ''ہم نے تمہارے اوپر ایسی کتاب نازل کی ہے جو مسلمانوں کے لئے بشارت و ہدایت اور رحمت کا مجموعہ اور ہر چیز کے بیان کی حامل ہے۔'' (نحل 16/89)

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مومنین اور مسلمین کے لئے یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی موجودگی میں کوئی انسانی سوال، کوئی انسانی ضرورت اور زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوسکتا جس کا تفصیلی جواب اور مکمل حل قرآن میں اللہ نے بیان نہ کر دیا ہو۔ اور جو اللہ اور صاحبانِ قرآن علیہم السلام کی نظر سے چھوٹ گیا ہو۔ اور قرآن نے تو یہاں تک بیان کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے لامحدود اور بے انتہا تعلیم دی تھی (عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَم، نساء 4/113) کائنات کی کوئی ایسی چیز باقی نہ بچی تھی جو حضورؐ کو معلوم نہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ اللہ نے قرآن میں یہ بھی بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے حقیقی عالم تیار کر دیئے تھے جن کو اپنے برابر علم دیا تھا۔ (يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُوْنَ o سورہ بقرہ 2/151) اور جن کی خواہشات عین مشیت خدا بن گئی تھیں (مَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰه...... ۔دھر 76/30، تکویر 81/29)

(ج) نظامِ اجتہاد کا عقیدہ اور عمل: قرآن کے ایسے سینکڑوں بیانات کے بعد بھی نظامِ اجتہاد کے شیعہ سُنی علما کا عقیدہ اور عمل اسی پر برقرار چلا آتا ہے کہ قرآن و حدیث دونوں مل کر بھی انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کا حل پیش نہیں کر سکتے۔ بہرحال ہم بھی فی الحال قرآن و حدیث کو ناکافی سمجھے لیتے ہیں۔ اور قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ کم از کم یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جناب خلیفہ اوّل و دوم دونوں ہی بلا قرآن و حدیث کے دینی احکام صادر کرتے رہتے تھے۔ اور بڑی بے تکلفی اور دیانتداری سے اپنے احکام

میں غلطی کا امکان تسلیم کرتے تھے۔اور باقی صحابہ اور رعایا کو حکم دیتے تھے کہ اللہ ورسولؐ کے علاوہ اُنکے یا کسی اور کے فیصلے کو اُمت کیلئے سنت قرار نہ دیں۔ سنت صرف اللہ ورسولؐ ہی کا حکم ہوتا ہے۔اسکے بعد اُمت مختار ہے کہ وہ ابوبکر وعمر کے جاری کئے ہوئے احکام کو اختیار کرے یا نہ کرے۔یہ بات نوٹ کر لینے کے بعد اب مندرجہ بالا صورت کو پھر دیکھیں۔

(د) بلا قرآن وحدیث اسلام کے نام پر مسائل بیان کرنا عام ہو گیا تھا

صرف خلیفۂ وقت ہی اللہ ورسولؐ کی سند کے بغیر احکام ومسائل نافذ نہ کرتے تھے بلکہ تمام صحابہ اپنی رائے اور قیاس سے دین کے فیصلے کرتے رہتے تھے۔اور صرف غلطی کا اعتراف کر کے جو دل میں آتا تھا حکم صادر کرتے تھے۔چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

(i) ''عبداللہ بن مسعود سے مفوضہ (وہ عورت جس کو طلاق لینے کا اختیار دے دیا جائے) کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ میں اُس کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔اگر وہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔اور خدا اور خدا کا رسولؐ اُس سے بری ہیں۔''

(تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 172) ایک اور موقع ملاحظہ ہو:

(ii) ''ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اُس کا مہر متعین نہیں کیا۔اور اس کے ساتھ مقاربت کرنے سے پہلے مر گیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود نے عورت کے لئے مہرِ مثل کا فتویٰ دیا۔چنانچہ جب وہ یہ فتویٰ دے چکے تو فرمایا کہ ''اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے۔اور غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی جانب سے ہے۔خدا اور خدا کا رسولؐ اس کے ذمہ دار نہیں۔'' (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 172)

(ہ) شرع کے نام پر احکام جاری کرنے کا معیار ذاتی رائے قرار پا گیا

اس شریعت سازی پر غور کرنے سے بڑے دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں۔دنیا کا ہر شخص، خواہ مُسلم ہو یا کافر ہو؛ دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔یعنی یا تو وہ اپنے قول وفعل میں سچا ہوتا ہے یا جھوٹا ہوتا ہے۔اُسکی بات یا فیصلہ یا تو غلط ہوتا ہے یا صحیح ہوتا ہے۔پھر وہ اپنی غلطی اور غلط کاری کا یا تو خود اعلانیہ ذمہ لیتا ہے یا غلطی اور غلط کاری کو دوسروں کے سر منڈھتا ہے۔اب سوچئے کہ جناب خلیفہ اوّل ودوم اور عبداللہ ابن مسعود وغیرھم بھی ان ہی دو حالتوں میں داخل ہیں۔اسلئے کہ وہ بھی انسان ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اُن کا حکم یا فیصلہ یا تو صحیح ہوگا یا غلط ہوگا۔اور یا وہ فیصلہ اللہ کی منشا کے مطابق ہوگا یا شیطان کی پسند کے مطابق ہوگا۔وہ حضرات بڑے خلوص کے ساتھ فیصلے کی غلطی کو اپنے ذمہ لیتے ہیں۔اپنی غلطی اور غلط فیصلے کو اللہ کا فیصلہ نہیں کہتے۔ بلکہ بڑی بے تکلفی سے شریعت کے نام پر غلط فتویٰ دینے میں ابلیس کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس صورت حال میں چند سوالات اُبھرتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ جب اُن حضرات کو نہ یہ یقین ہے کہ اُن کا فیصلہ صحیح ہے اور نہ یہ علم ہے کہ وہ غلط فیصلہ دے رہے ہیں تو پبلک کو یا فتویٰ لینے والے شخص یا اشخاص کو کیا کرنا چاہئے؟ اور اگر یہ فیصلہ کسی جرم کی پاداش میں کسی مجرم پر بطور سزا دیا گیا ہے تو اب حکومت کو کیا کرنا ہوگا؟ یعنی کیا حکومت اور متعلقہ شخص آزاد ہیں کہ عمل کریں یا نہ کریں؟ مثلاً اگر مجرم سزا قبول کرنے سے انکار کردے تو کیا ہوگا؟ اور اگر فیصلہ غلط ہوا اور اس پر حاکم اور رعایا نے عمل کرلیا تو قیامت میں اللہ اور حاکم اور رعایا کی کیا پوزیشن ہوگی؟ اور دیگر مذاہب واقوام عالم میں اور مسلمانوں میں قیامت کے دن کیا فرق ہوگا؟ وہاں بھی بادشاہ، حاکم یا وزیر امور مذہبی نے ایک حکم دیا تھا۔صحیح تھا تو اُن کا اور مسلمانوں کا حال یکساں ہونا لازمِ عقلی ہے۔اور اگر فیصلہ غلط تھا اور اس پر عمل کیا گیا تھا تب بھی مسلمانوں اور کافروں کا حال ایک ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ کافروں کو غلط حکم دینے اور غلط حکم پر عمل کرنے کی سزا اس لئے دی جائے گی کہ وہ تو نہ اللہ پر ایمان لائے تھے۔نہ اُن بدنصیبوں نے رسوؐل کو مانا تھا؟ تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد غلطی اور غلط کاری کی سزا نہیں ملا کرتی۔واقعی کافر لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ بتایئے اتنی بڑی سہولت حاصل کرنے کے لئے بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے؟ عرب کے مشرک دانشور واقعی دانشور تھے۔جنہوں نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔اور ابوجہل واقعی بڑا ناعاقبت اندیش اور سچ مچ جاہل تھا کہ زبان سے اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ:

"میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے ملائکہ پر اور اس کے رسوؐلوں اور کتابوں پر اور قیامت پر"

کیسا بدنصیب تھا وہ کہ چھ سات لفظوں کا اقرار نہ کرسکا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اِن حضرات نے شریعت سازی کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا تھا؟ اور اُن کو یہ فکر کیوں نہ تھی کہ ہمارا ہر فیصلہ صحیح اور منشائے خداوندی کے مطابق ہونا چاہئے؟ ہم ان سوالات کا جواب یہاں لکھ کر تلخیاں پیدا کرنا نہیں چاہتے۔آج اس زمانہ کا ایک بھی مسلمان یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ دین کے معاملہ میں کسی کو غلط حکم دے یا کسی غلط اور مشکوک حکم پر عمل کرے۔لہٰذا ہم قرآن کریم سے وہ قانون پیش کئے دیتے ہیں جو اللہ نے شریعت کے احکام دینے والوں پر لازم کیا ہے اور غالباً تمام صحابہ بھی اُس حکم کو جانتے تھے۔ملاحظہ فرمائیں:

(و) ہر حکم کلام اللہ کے الفاظ میں دیا جانا فرض ہے

قرآن کریم کی پوزیشن کا جب بھی ذکر آتا ہے یا جہاں اسلام کی تعریف دوسروں پر رعب ڈالنے کی غرض سے کی جاتی ہے تو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے یہی علما زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ آج کل اسلامی کانفرنس میں اسلام کو ہمہ گیر مذہب، مکمل ضابطہ حیات اور قرآن کو ہر چیز کے تفصیلی بیان سے لبریز کہا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ بی بی سی کی رپورٹیں سننے والے حضرات غور فرمائیں کہ یہ کیا بات ہے کہ جب عمل کا وقت آتا ہے تو یہی گپیں ہانکنے والے علما و دانشور قرآن کی طرف پلٹ کر

نہیں دیکھتے اور جو کچھ تقاضائے وقت ہوتا ہے بلا دلیل وحجت بلا حدیث وآیت قانونِ اسلام کہہ کر نافذ کردیتے ہیں؟ اُن کو قرآن کی یہ آیات معلوم ہیں کہ:

..... وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ o (سورۃ المائدہ 5/44)

.....وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o (سورۃ المائدہ 5/45)

.....وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ o (سورۃ المائدہ 5/47)

جو کوئی بھی اللہ کے نازل کردہ حکم سے فیصلہ نہ کرے وہ 1: کافر ہیں 2: ظالم ہیں اور 3: فاسق ہیں۔

یہ قارئین کے سوچنے کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے اُٹھتے ہی وہ کون سے حالات تھے جن کی بنا پر اسلام ہمہ گیر ضابطہ حیات نہ رہا تھا، نہ قرآن میں ہر صورتِ حال کی مثل اور فیصلہ موجود تھا (بنی اسرائیل 17/89، کھف 18/54، روم 30/58، زمر 28-39/27)۔ نہ قرآن ہر چیز کی تفصیل کا حامل رہا (یوسف 12/111) اور اس میں سے ہر چیز کا بیان غائب ہو گیا (نحل 16/89)۔ اس میں سے کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا ذکر اور ہر رطب و یابس خشک وتر کو کون چُرا کر لے گیا (انعام 6/59)؟ ہر پتہ کا اپنی جگہ گرنا اور سمندروں اور خشکیوں کے حالات اور غیب کی کنجیاں کہاں چلی گئیں؟ (انعام 6/59)۔ اور سابقہ انبیاؑ کی اُمتوں کے متنازع فیہ مسائل اور اختلاف کا بیان اور کائنات کی ہر غائب ومشہود چیز کس ڈھکو نے ڈھک کر چھپا دی؟ (نمل 76-27/75)۔ وہ تمام چرندوں اور پرندوں کا حال کہاں اُڑ گیا؟ یہ تمام کمی اور خامی قرآن میں کہاں سے اور کیسے آگئی (انعام 6/38)۔ قرآن کریم نے اِن تمام سوالات کا جواب بھی اور اُن تمام سوالات کا جواب بھی جو اسلام وقرآن کے معاملہ میں قیامت تک کئے جائیں گے رسولؐ اللہ کے الفاظ میں دے دیا ہے۔ یعنی:

''اے میرے پروردگار بلا شبہ میری قوم نے اس قرآن سے دوسرے شریعت ساز ادارہ کی طرف ہجرت کر کے اسے مہجور کر دیا ہے۔'' (فرقان 25/30) اور اللہ نے جواب میں تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اُسی طرح ہم نے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ہر نبیؑ کے کچھ دشمن برقرار رکھے ہیں اور تیری ہدایت اور نصرت کا انتظام تیرے رب نے کافی کر دیا ہے۔'' (فرقان 25/31)

ہم نے اس قوم اور ہم قوم علما کا حال بڑی تفصیل سے اپنی دیگر تصنیفات میں لکھا ہے۔ بہرحال یہ تھا وہ قومی وملکی دباؤ جسکے سامنے صحابہ کرام نے ہتھیار ڈال دیئے اور اُس قوم کو بتدریج حق کیطرف لانے کیلئے ظاہری طور پر قرآن وحدیثِ رسولؐ سے علیحدگی اختیار کر لی تاکہ وہ قوم کھل کر کفر کا اعلان نہ کر سکے یہاں قارئین کو چاہیئے کہ پچھلے عنوان کے وہ بیانات پھر سامنے رکھ لیں جو حضرت علی علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں (عنوانات نمبر 9 تا 13) تاکہ عنوان کی گرفت مضبوط ہو جائے۔

(ز) شریعت سازی کا فری اسٹائل طریقہ یہودیوں کے یہاں سے آیا تھا

قارئین سوچتے تو ہونگے کہ مسئلہ نماز سلجھانے کے بجائے یہ کیا بحث شروع کر دی؟ ہم عرض کرینگے کہ یہ بحث ہی تو آپکو یہ یقین فراہم کریگی کہ کارپردازانِ قوم کو قومی کنٹرول برقرار رکھنے کیلئے نماز ہی نہیں بلکہ ایک دفعہ پورے قرآن اور اسلام کی تمام تعلیمات کو بدل کر قومی وملکی مصلحت کے ماتحت لانا پڑا تھا۔ اور یہ کوئی اچانک حادثہ نہ ہوا تھا بلکہ قرآن نے دانشورانِ قوم کی پوری اسکیم اور اُسکے تمام مرحلہ وار اقدامات کو محفوظ رکھا ہے۔ اور ہم نے اس اسکیم کو اس شان سے پیش کیا ہے کہ اس چودہویں صدی ہجری کے علما حیران رہ گئے ہیں۔ بہرحال آپ یہاں جناب علامہ ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے وہ بیان سنیں جو اُنہوں نے سورہ مائدہ کی اُن آیات پر دیا ہے جو شریعت سازی کا ماخذ بیان کرتی ہیں۔ غور سے پڑھیئے اور دیکھیئے کہ مدینہ کے اندر رسولؐ کی آمد کے قبل سے شریعت ساز ادارہ قائم تھا اور وہاں پہنچنے والے مسلمانوں اور یہودیوں میں کوئی آہنی دیوار نہ تھی جو اُنہیں آپس میں رابطہ قائم نہ کرنے دیتی۔ اُن میں صدیوں سے تعلقات تھے۔ اور اسلام لانے والوں میں خود ایسے لوگ تھے جو یہودی اجتہاد اور توریت پر نظر رکھتے تھے۔ خود رسولؐ اللہ کے سامنے بیٹھ کر توریت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا کرتے تھے اور رسولؐ اللہ زِچ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ ''تمہارا حال یہ ہے کہ اگر آج حضرت موسیٰؑ آجائیں تو تم لوگ مجھے چھوڑ کر اُنکی پیروی کر لو گے۔''

قارئین یہ سوچتے جائیں کہ حضرت موسیٰؑ میں وہ کون سی بات تھی جو اُن دانشورانِ عرب کے لئے محمدؐ مصطفیٰ کے مقابلہ میں زیادہ مفید مطلب تھی؟ اور وہ کون سا انفرادی یا قومی مقصد تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے حاصل ہونا ناممکن تھا؟ ان سوالات کو ذہن میں رکھیئے اور علامہ کی تفسیرِ قرآن پڑھیئے:

......فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَo وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَo (سورہ مائدہ 5/42-43)

ترجمہ کرتے ہیں کہ:۔ ''اگر یہ تمہارے پاس (اپنے مقدمات لے کر) آئیں تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو اُن کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کر دو۔ انکار کر دو تو یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ 70 :اور یہ تمہیں کیسے حَکَم بناتے ہیں؟ جب کہ اُنکے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اُس سے منہ موڑ رہے ہیں؟ 71 :اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 471-472)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ ہم یہ کمرشل (Commercial) ٹائپ کے ترجمے پسند نہیں کرتے جن میں قسط کے معنی انصاف

کر دیئے جائیں حالانکہ انصاف خود عربی ہی کا ایک لفظ ہے۔جس کے معنی دونصف کرنا یعنی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنا ہیں۔اور پھر اپنے دماغ سے دودفعہ ٹھیک ٹھیک گھسا دینا اور محبت کو پسند کرنا بناڈالنا۔مگر کام نکالنے کیلئے ہمیں غلط ترجمہ برداشت کرنا ہے۔مگر ہمارے خاموش رہنے کا یہ مطلب کبھی نہ سمجھیں کہ ہم نے کسی ترجمہ کو پسند کیا یا صحیح سمجھا ہے۔قرآن کے ننانویں فیصد (99%) تراجم خواہ شیعوں کے ہوں یا سُنّی علما کے ہوں کمرشل اور مجتہدانہ ہیں۔دوسری بات وہ نوٹ کریں جو علامہ مودودی اور ڈھکوا اینڈ کمپنی کے پھیلائے ہوئے عقیدے کے خلاف ہے اور علامہ بے خیالی میں بےفکری سے گزر گئے ہیں۔یعنی یہ کہ نزول قرآن کے دوران جو توریت یہودیوں میں موجود تھی اُس میں مقدمات کے خدائی فیصلے موجود تھے۔اب علامہ حضور کے دو (2) نوٹس سُنیں جو ترجمہ میں نمبروار دیئے ہیں۔

(i) یہودیوں میں قانون، جج (Judge) اور اجتہادی اِدارے موجود تھے

" 70۔ یہودی اُس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ اُن کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے۔اُن معاہدات کی رُو سے یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور اُن کے مقدمات کے فیصلے اُن ہی کے قوانین کے مطابق اُن کے اپنے جج کرتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کیلئے وہ از روئے قانون مجبور نہ تھے۔لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے اُن کا فیصلہ کرانے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس اُمید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں اُن کے لئے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔یہاں خاص طور پر جس مقدمہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔توراۃ کی رُو سے اُن کی سزا رجم (زمین میں گاڑ کر پتھر مار مار کر مار ڈالنے کی) تھی۔یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے (استثناء باب نمبر 22 آیت 24-23)۔لیکن یہودی اِس سزا کو نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے۔اس لئے اُنہوں نے آپس میں مشورہ کیا (یعنی نظام مشاورت بھی یہودیوں کے یہاں پہلے سے موجود تھا۔ابوعبداللہ) کہ اس مقدمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پنچ بنایا جائے۔اگر وہ رجم کے سوا کوئی اور حکم دیں تو قبول کرلیا جائے۔اور رجم ہی کا حکم دیں تو نہ قبول کیا جائے۔چنانچہ مقدمہ آپ کے سامنے لایا گیا۔آپ نے رجم کا حکم دیا۔اُنہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔اس پر آپ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ کوڑے مارنا۔اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنا۔آپ نے اُن کے علماء کو قسم دے کر اُن سے پوچھا کیا توراۃ میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی یہی سزا ہے؟ اُنہوں نے پھر وہی جھوٹا جواب دیا۔لیکن اُن میں سے ایک شخص ابن صُوریا، جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں توراۃ کا سب سے بڑا عالم تھا، خاموش رہا۔آپؐ نے اُس سے مخاطب ہو

کرفرمایا کہ میں تجھے اُس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور طور پر تمہیں شریعت عطا کی ،کیا واقعی توراۃ میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ''اگر آپ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تو رجم ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکّام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو اُنہیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انہیں رجم کر دیا جاتا۔ پھر جب عوام میں ناراضی پیدا ہونے لگی تو ہم نے توراۃ کے قانون کو (اپنے اجتہاد سے) بدل کر یہ قاعدہ بنالیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں۔ اور اُنہیں منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے منہ سوار کیا جائے۔''اس کے بعد یہودیوں کے لئے کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ نمبر 473-472) لگے ہاتھ دوسرا نوٹ بھی پڑھ لیں۔

(ii) کتاب اللہ سے انحراف اور مصالح پر عمل درآمد کفر ہے

''71؎ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بددیانتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ ''مذہبی لوگ'' جنہوں نے تمام عرب پر اپنی دینداری اور اپنے علمِ کتاب کا سکہ جما رکھا تھا ، اُن کی حالت یہ تھی کہ جس کتاب کو خود کتاب اللہ مانتے تھے اور جس پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ اُس کے حکم کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ لاتے تھے جن کے پیغمبرؐ ہونے سے اُن کو بشدت انکار تھا۔ اس سے یہ راز بالکل فاش ہو گیا کہ یہ کسی چیز پر بھی صداقت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے ،دراصل اُن کا ایمان اپنے نفس اور اُس کی خواہشات پر ہے، جسے کتاب اللہ مانتے ہیں اُس سے صرف اس لئے منہ موڑتے ہیں کہ اُس کا حکم اُن کے نفس کو ناگوار ہے، اور جسے معاذ اللہ جھوٹا مدعی نبوت کہتے ہیں اُس کے پاس صرف اِس امید پر جاتے ہیں کہ شاید وہاں سے کوئی ایسا فیصلہ حاصل ہو جائے جو اُن کی منشاء کے مطابق ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 473)

(ح) علامہ کے بیان پر ہماری ایک نظر

قارئین نے دوسرا نوٹ (71؎) پڑھتے ہوئے وہ مطابقت نوٹ کی ہو گی جو وفاتِ رسولؐ کے بعد مسلمانوں میں یہود کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ بہر حال اب ہمارے ساتھ پہلے نوٹ میں سے چند قابل غور باتیں نوٹ کر لیں۔

پہلی بات جو یہاں سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہود کے پاس توریت کا اور یہودی علما کے اجتہاد کا قانون موجود تھا۔ اور وہ لوگ صدیوں سے اپنے قومی مذہبی اور ملکی معاملات میں اُسی قانون پر عمل کیا کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمان یہودی طرز حیات وتمدن سے کماحقہ واقف تھے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کتاب اللہ کے واضح

احکام معطل یا متروک کر کے کسی اور ذریعہ سے مفید حکم جاری کرنا بھی عربوں نے یہودیوں ہی سے سیکھا تھا۔اور ہم دکھائیں گے کہ مسلمان بھی آنحضرتؐ کی موجودگی میں یہودیوں کے ادارۂ اجتہاد سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرایا کرتے تھے۔اور مسلمانوں کی غرض بھی وہی ہوتی تھی جس غرض کے لئے یہودی رسولؐ اللہ کے پاس اپنے مقدمات لاتے تھے۔اور جب رسولؐ کے انتقال کے بعد آزادی مل گئی تو مسلمانوں نے خود اپنے یہاں یہودیوں کے نقش قدم پر اُسی قسم کا ادارۂِ اجتہاد قائم کرلیا اور قومی وملکی یا اجتماعی احکام نافذ کرنے کے لئے نظامِ مشاورت بھی یہودیوں ہی سے لیا تا کہ ہمہ گیر تعاون حاصل رہے۔چنانچہ آپؐ کے حضور میں مقدمہ لانے سے پہلے یہودیوں نے اسی لئے مشورہ کیا تھا کہ قوم مخالفت نہ کرے۔چنانچہ زانی وزانیہ کو آنحضرتؐ کے حکم سے سنگسار کرنے پر یہودی علما یا قوم میں کوئی بُرا ردّ عمل نہیں ہوا تھا۔اس بیان میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ادارہ جو مسلمانوں کو یہ حکم دیتا رہتا تھا کہ:۔ ......يَقُولُونَ اِنْ اُوتِيتُمْ هٰذَا فَخُذُوهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا...... (مائدہ 5/41)

''اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو،نہیں تو نہ مانو۔66؎''

''66؎ یعنی جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اُسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔''(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 470)

علامہ نے فَاحْذَرُوا کا ترجمہ اگر سمجھ کر کیا ہوتا تو مزا آجاتا۔اس ادارہ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہمارے بتائے ہوئے حکم کے خلاف رسولؐ اللہ حکم دیں تو ماننے سے انکار کر دینا۔یہ ادارہ علامہ کے راہنماؤں اور بڑے دانشوروں کا تھا۔وہ ایسا غلط حکم نہ دے سکتے تھے۔ماننے سے انکار کر دینے کے معنی تو یہ ہوتے کہ وہ لوگ علی الاعلان کافروں میں شمار ہو جاتے اور ادارہ کا راز کھل جاتا۔انہوں نے تو فَاحْذَرُوا فرمایا تھا۔یعنی بڑی دانشمندی کے ساتھ رسولؐ سے بچ نکلا کرو۔علامہ سرکار قرآن کے ترجمہ میں بھی اُسی ادارہ کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُسی لفظ کا ترجمہ یہاں رد کر دینا اور نہ ماننا کئے ہیں۔مگر دوسری جگہ اُسی کے معنی اللہ سے ڈرنا کئے ہیں (سورہ بقرہ 2/235 تفہیم القرآن جلد اوّل، صفحہ 181) اور تیسری جگہ اُسی لفظ کے معنی باز آجاؤ لکھے ہیں (مائدہ 5/92،تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 503)۔جس طرح اُن لوگوں نے قرآن سے ادارۂ اجتہاد کی طرف ہجرت کی تھی اُسی طرح علامہ حضور نے قرآن کو پاژند بنا کر رکھ دیا ہے۔

یہودی علما کو قسم دے کر زنا کی سزا اُن کے منہ سے قبول کرانے کے صرف ایک معنی ہیں کہ حضوؐر توریت وزبور وانجیل اور تمام کتبہائے خداوندی کا علم رکھتے تھے۔اور اگر قسم کے بعد بھی وہ قبول نہ کرتے تو آپ توریت منگا کر اُن کو (استثناء باب 22 آیت 24-23) دکھا دیتے۔یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُس روز حضرت عمر کیوں خاموش رہے۔اُن کے پاس توریت موجود تھی اور وہ اکثر رسولؐ اللہ کے سامنے پڑھتے ہوئے پائے گئے تھے۔علامہ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہودی علما نے زنا کی سزا جھوٹ بتائی تھی۔

اُنہوں نے مسلمانوں کی طرح وہ آخری حکم بتا دیا تھا جو اجتہادی فیصلہ کے ماتحت تھا۔ جیسا کہ قرآن میں اولاد اپنے باپ کے مال و جائیداد کی وارث ہوتی ہے۔ لیکن یہ اجتہادی مصلحت کا حکم ہے کہ کسی کو کسی کی وراثت سے محروم کر دیا جائے اور ایک فرد کے نقصان کو پوری قوم کے مفاد کے سامنے نظر انداز کر دیا جائے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ادارۂ اجتہاد نے بھی بڑے آدمیوں کو قتل عمد اور زنا کی سزا میں یہودیوں کے طریقہ پر معاف کر دیا تھا اور اسلام و قرآن کی مقرر کردہ تمام حدود و قیود و تعزیرات کو ختم کر دیا تھا۔ (دیکھو بیان مرتضوی) ہم اس قدر اضافہ کریں گے کہ یہودیوں کا ادارۂ اجتہاد اپنے بعض مقدمات کو صرف اس لئے ہی نہ بھیجتا تھا کہ وہ سزا میں تخفیف چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہاں تو ہلکی سے ہلکی سزائیں پہلے سے تجویز شدہ موجود تھیں۔ <u>بلکہ اصلی غرض رسوؐل کا امتحان اور مسلمانوں کے زرخیز افراد کو طریق اجتہاد سکھانا بھی مقصود ہوتا تھا</u>۔ مسلمانوں کے ادارۂ اجتہاد نے اُن یہودیوں کی تعلیم کے ماتحت رومۃ الکبریٰ اور فرانس و ایران وغیرہ کے قدیم قوانین کو مسلمان کر کے اسلامی شریعت کو وسعت دی تھی۔ لہٰذا ادارۂ اجتہاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس کی قانونی نقل کرے اس پر ایمان بھی ضرور لائے۔ لہٰذا علامہ کا یہودیوں پر اعتراض غلط ہے۔ اور یہ کتنی لطیف حقیقت ہے کہ جہاں یہودیوں کے اُس مقدمہ اور ادارۂ اجتہاد والی آیت ہے (مائدہ 5/42)۔ اُس سے پہلے مسلمانوں کے زیر زمین ادارہ اجتہاد کا دستور مذکور ہے (مائدہ 5/41)۔ اور اُس سے پہلے ادارۂ اجتہاد کی تحریف و تبدیل مسائل کا پروگرام موجود ہے (مائدہ 5/41)۔ اور اسی سلسلے میں آگے چل کر وہ تین (5/44,45,47) آیات آئی ہیں جو تقاضہ کرتی ہیں کہ اسلام میں اسلامی شریعت کے احکام وہ ہونگے جو کلام اللہ کے الفاظ میں دیئے جائیں۔ <u>ورنہ اجتہادی احکام کافروں، ظالموں اور فاسقوں کے احکام ہونگے</u>۔ چنانچہ جناب علامہ کے قلم سے کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

(ط) <u>اسلامی شرائط کے خلاف یہود کی اتباع میں شریعت سازی کی خبر</u>

علامہ مودودی جب سورہ مائدہ کی آیات (5/44، 5/45، 5/47) کا ترجمہ کر چکے تو یوں وضاحت فرمائی ہے کہ:

’’<u>77</u> یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اُسکے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اوّلاً اُسکا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اُسکا یہ فعل عدل و انصاف کیخلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہوسکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا، اسلئے جب خدا

کے حکم سے ہٹ کر اُس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اُس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی واطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر اور ظلم اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکمِ خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ جہاں وہ انحراف موجود ہو وہاں یہ تینوں چیزیں موجود نہ ہوں۔ البتہ جس طرح انحراف کے درجات ومراتب میں فرق ہے اُسی طرح ان تینوں چیزوں کے مراتب میں بھی فرق ہے۔ جو شخص حکم الٰہی کے خلاف اس بنا پر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو غلط اور اپنے یا کسی دوسرے انسان کے حکم کو صحیح سمجھتا ہے وہ مکمل کافر و ظالم و فاسق ہے۔ اور جو اعتقاداً حکم الٰہی کو بر حق مانتا ہے مگر عملاً اُسکے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ اگرچہ خارج از ملت تو نہیں ہے مگر اپنے ایمان کو کفر، ظلم اور فسق سے مخلوط کر رہا ہے۔ اسی طرح جس نے تمام معاملات میں حکم الٰہی سے انحراف اختیار کر لیا ہے وہ تمام معاملات میں کافر، ظالم اور فاسق ہے اور جو بعض معاملات میں مطیع اور بعض میں منحرف ہے اُسکی زندگی میں ایمان و اسلام اور کفر و ظلم و فسق کی آمیزش ٹھیک ٹھیک اُسی تناسب کے ساتھ ہے جس تناسب کے ساتھ اُس نے اطاعت اور انحراف کو ملا رکھا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے ان آیات (5/44، 5/45، 5/47) کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلام الٰہی کے الفاظ میں اس تاویل کیلئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ اُن سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو وہی کافر، وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا:

نِعْمَ الاخوۃ لکم بنو اسرائیل اَن کانت لھم کلّ مُرّۃ و لکم کُلّ حلوۃ کَلّا واللّٰہ لتسلکنّ طریقھم قدر الشراک۔

"کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے یہ بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب اُن کیلئے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے! ہرگز نہیں، خدا کی قسم تم اُن ہی کے طریقہ پر قدم بقدم چلو گے۔" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 476-475)

(ی) مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے مقدمات یہودی ادارہ سے فیصل کرواتا تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے قرآن اور فرمانِ رسولؐ کو چھوڑ کر اپنی ذاتی و جماعتی مصلحتوں اور اپنی ذاتی رائے سے شریعت سازی کی تھی اُن کا حال قرآن کریم اور علامہ مودودی سے سنئیے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا o وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا o (سورہ نساء 4/60-61)

''کیا آپؐ نے اُن لوگوں کا عملدرآمد نہیں دیکھا جو اس بات کی ڈینگیں مارتے ہیں کہ وہ بلاشبہ قرآن اور سابقہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ارادہ اُن کا یہ ہے کہ اپنے معاملات میں طاغوت کو حاکم اور فیصلہ کرنے والا بنالیں۔اور یقیناً انہیں یہ حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ طاغوت کے کافر بن جائیں۔اُدھر شیطان یہ ارادہ کر رہا ہے کہ اُنہیں گمراہی میں انتہائی بعید منزل تک پہنچا کے چھوڑے۔اور جب اُس **طاغوت** پسند گروہ کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اپنے مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے قرآن اور رسوؐل کی طرف آیا کرو تو تم دیکھتے ہو کہ منافق گروہ اُس طاغوت پسند گروہ کو بڑے اہتمام سے روک دیتا ہے تاکہ وہ طاغوت سے الگ ہو کر تیرے پاس نہ آسکیں۔'' (سورہ نساء آیات 60-61)

یہ دونوں آیات اُس پوری اسکیم کو واضح کر دیتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تیار ہو رہی تھی۔چونکہ اس اسکیم کے سرپرست دانشور منافقوں کے ذریعہ سے یہودی ادارۂ اجتہاد سے رابطہ رکھتے تھے اس لئے جناب حذیفہ بن الیمان اُن سے پوری طرح واقف تھے اور وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ ادارہ آنحضرؐت کے بعد ملکی وقومی مزاج کے مطابق شریعت سازی کرے گا۔اب آپ علامہ مودودی سے اس ادارہ کے سرپرست یعنی طاغوت کا حال سنئے:

<u>ادارۂ اجتہاد کا ناظم طاغوت</u>: ''یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ ''حاکم'' ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو،اور وہ ''نظام عدالت'' ہے جو نہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔لہٰذا یہ آیت اس معنی سے بالکل صاف ہے کہ جو عدالت ''طاغوت'' کی حیثیت رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلے کے لئے لے جانا ایمان کے منافی ہے۔اور خدا اور اُس کی کتاب پر ایمان لانے کا اقتضا یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔قرآن کی رُو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر، دونوں لازم وملزوم ہیں،اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ <u>یہ منافقین کی عام روش تھی</u> کہ جس مقدمہ میں انہیں توقع ہوتی تھی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا۔اس کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے تھے مگر جس مقدمہ میں اندیشہ ہوتا تھا کہ فیصلہ اُنکے خلاف ہوگا اُس کو آپکے پاس لانے سے انکار کر دیتے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 367)

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کے اندر ایک قدیم طاغوتی یا اجتہادی شریعت سازہ ادارہ موجود تھا۔یہ دوسری بات ہے کہ طاغوتی ادارہ کے نام سے بعد والے لوگ شرمانے لگیں۔اور اس شریعت ساز قدیم ادارہ کو منافق کہہ کر اپنا دامن چھڑانا چاہیں۔لیکن رفتہ رفتہ محققین ومورخین کے قلم سے حقیقت ٹپکتی چلی آرہی ہے۔

(4) طاغوتی ادارہ علامہ احمد امین مصری کی نظر میں

جو شریعت ساز ادارہ آنحضرؐت کے زمانہ میں برسرکار تھا اُس کے ثبوت میں ایک مثال کتاب فجر الاسلام سے ملاحظہ فرمائیں:۔

”روایات میں تو یہاں تک ملتا ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے تھے۔اپنے معاملات میں جاہلی طریقہ پر چلنا ہی پسند کرتے تھے۔ چنانچہ طبری میں ہے کہ ایک انصاری آدمی کا جس کا نام قیس تھا۔کسی معاملہ میں ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔معاملہ بڑھا تو دونوں مدینہ کے ایک کاہن کی طرف فیصلہ لینے کیلئے چلے اور نبی اکرم صلعم کے پاس نہیں آئے۔ یہودی برابر تقاضہ کر رہا تھا کہ نبی اکرم صلعم کے پاس چلو کیونکہ اُسے یقین تھا کہ آپ اس پر زیادتی نہیں فرمائیں گے۔ لیکن انصاری اُس کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔وہ انصاری اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔مگر فیصلہ کے لئے یہودی کو کاہن کے پاس لے جانے پر مُصر تھا۔آخر یہ آیات (4/60-61) نازل ہوئیں۔“(صفحہ 653-652)

قارئین یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ انتقالِ رسولؐ کے بعد جو شریعت سازی کی گئی وہ نیا کام نہ تھا بلکہ ہر نبیؑ کی اُمت نے شریعت سازی جاری رکھی تاکہ قوم و ملک کی ضروریاتِ زندگی میں سہولت پیدا کی جائے۔اسی انسانی ضرورت کیلئے بعد انتقالِ رسوؐل بھی برابر شریعت سازی ہوتی رہی ہے اور آج علاّ ماؤں کی جگہ مسٹروں نے لے لی ہے۔ چنانچہ آج ہی اسلامی کانفرنس میں شریعت کو وسعت دینا زیر بحث تھا۔سُود سے جان بچانے اور لائف انشورنس کے جواز کی راہیں تلاش کرنے پر غور کیا گیا ہے۔

(5) کتبہائے خداوندی سے ہٹ کر شریعت سازی کی ضرورت؟

قرآن اور تمام الہامی کتب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی فکر و عمل کو اُس خدائی سانچہ میں ڈھال دیں جو اُن کے خالق نے اُن کی لامحدود ترقی کے لئے لازمی سمجھا ہے۔تاکہ کائنات کی ہر چیز انسانوں کی جدوجہد میں تعاون کرے اور کسی مرحلہ میں وہ مزاحمت سے دوچار نہ ہوں۔اور اُن تمام طریقوں کو چھوڑ دیں جو لاعلمی کی بنا پر سہل اور مفید سمجھ کر اختیار کر لئے جاتے ہیں۔ اسلامی ضابطۂ حیات تجویز کرنے میں اللہ نے اپنے علم اور کائناتی فطرت کو ملحوظ رکھا ہے۔اُس نے کہیں بھی انسانوں کی عقل کو اپنا راہنما نہیں بنایا نہ انسانوں کی کثرت کی پسند اور اُن کی رائے کو ملحوظ رکھا۔ بلکہ انسانوں کی لاعلمی اور کوتاہ اندیشی کو طرح طرح سے واضح کیا اور کثرت کی رائے پر فیصلہ کرنے کی طرح طرح سے مذمت کی ہے۔اور اپنے علم و فضل سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فطری ضروریات کو مدِنظر رکھ کر قرآن کریم اور رسول کریمؐ ایسی ہمہ گیر ہستیاں بھیج کر اسلامی ضابطہ حیات کی تکمیل کرا دی اور دین اسلام کے مکمل ہو جانے پر سند دے دی۔

اس کے برعکس حکومت اور حاکم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی کثرت کو مطمئن رکھے۔اُنہیں اپنے خلاف لب کشائی کا موقع فراہم نہ کرے۔ ہر شخص کو مجبور کرے کہ وہ کثرت کے مقاصد سے متصادم نہ ہو۔الغرض اپنے ہر اقدام میں یہ اصول ملحوظ رکھے کہ انسانوں کی کثرت اس کے ساتھ متفق اور ہم آہنگ رہے۔کثرت کی رضامندی کے ماتحت کام کرنے اور احکام جاری کرنے میں اگر غلطی ہو جائے تو حاکم کو اس لئے اطمینان ہوتا ہے کہ غلطی کا خمیازہ بھگتنے میں بھی کثرت الناس اُس کے

ساتھ رہے گی اور غلطی پر طعن وطنز کرنے والوں کو بھی کثرت کی نفرت وطاقت کا نشانہ بننا پسند نہ ہوگا۔ لہٰذا مخالف لوگوں کی زبان بند رہے گی۔ اس طرح تمام ملکی اقلیتیں چپ چاپ تعاون کرنے پر مجبور رہیں گی۔ کثرت کی رضامندی آخرت یا قیامت میں بھی اس اجتہادی اصول کے ماتحت کام آئے گی کہ:

''میں انسان تھا۔ خطا اور نسیان میرے خمیر میں داخل تھا۔ اُدھر تیرا دشمن شیطان میرا بھی دشمن تھا، مجھ سے زیادہ قوی اور صاحبِ اختیار تھا۔ میں نے اپنی پوری بصیرت سے اجتہاد کیا، تمام نشیب وفراز ملحوظ رکھے۔ پھر انسانی کثرت کی بصیرت کو بھی میرے کام یا منصوبے میں کوئی بھی خامی اور غلطی نظر نہ آئی۔ میں نے نیک نیتی سے فلاح عامہ کو سامنے رکھ کر حکم یا قانون جاری کردیا۔ بتایئے اس کے بعد کون سا انسانی ذریعہ تھا جس سے میں مستقبل میں غائب غلطی سے بچ سکتا تھا؟''

یہ ہے وہ دلیل جس کی بنا پر شریعت ساز ادارہ دھڑا دھڑ قانون بناتا اور دُہرا یا اکہرا ثواب کماتا چلا جاتا ہے۔ اور تنگ دل لوگ ناک بھوں چڑھاتے رہ جاتے ہیں۔ آخر دین مفادِ عامہ اور فلاح عامہ کے سوا اور کیا چاہتا ہے؟

(6) آنحضرتؐ کے بعد ذاتی رائے سے شریعت سازی کے راہنما

فجر الاسلام میں علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ:

(i) ذاتی رائے سے فتویٰ

''بہر حال رائے سے کام لیا جاتا تھا۔ کبار صحابہؓ میں بہت سے ایسے صحابی تھے جنہوں نے اپنی ذاتی رائے سے فتویٰ دے کر معاملات کے فیصلے کیئے۔ مثلاً ابوبکرؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اُبی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ وغیرہ اِس مدرسہ یا اِس مسلک کے علمبردار بلکہ پیشرو ہماری رائے میں حضرت عمر ابن الخطاب تھے۔ جو لوگ اُن کے اس طریقہ پر چلے اُن میں سے عراق میں سب سے زیادہ مشہور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کے عاشق تھے اور اُن کی آراء کو بہت ہی پسند کرتے تھے۔ کتاب اعلام الموقعین (جلد اوّل صفحہ 22) میں ہے کہ ابن مسعود کسی بات میں بھی حضرت عمر کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 679)

(ii) ذاتی رائے سے شریعت سازی میں سب سے آگے آگے

''صحابہؓ کے اندر اس باب میں یعنی ذاتی رائے کو کام میں لانے میں حضرت عمر پیش پیش تھے۔'' (ایضاً صفحہ 672)

(iii) کتاب اور سنت بالائے طاق رکھ کر ذاتی رائے سے شریعت سازی

''حضرت عمرؓ کے متعلق عام فقہاء کا خیال یہ ہے کہ ذاتی رائے سے شریعت سازی میں سب سے بہترین فیصلے حضرت عمر ہی کے

ہیں۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ مذکورہ بالا معنوں کی بہ نسبت اس کے وسیع تر معنوں میں اپنی رائے کو کام میں لاتے تھے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ رائے کو اُس وقت کام میں لایا جاتا ہے جب کتاب اور سنت کے اندر کوئی صریح نص موجود نہ ہو۔ لیکن حضرت عمرؓ کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اِس سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گئے تھے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 673) اور ملاحظہ ہو:۔

(iv) قرآن اور سنت کی کھلی مخالفت: ڈاکٹر صبحی محمصانی **فلسفة التشریع فی الاسلام** میں لکھتے ہیں:

''عمر فاروق اس معاملہ میں اس قدر مستعد اور اولوالعزم انسان تھے کہ سیاسیات ملکی اور رفاهية عامہ کے پیش نظر مخالفت نصوص سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ہم اسکی چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔''

(کتاب ایضاً کا اردو ترجمہ'' فلسفہٗ شریعت اسلام'' از مولوی محمد احمد رضوی صفحہ 170)

اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت **المولفة قلوبهم** (9/60) کے احکام بیان کئے پھر لکھا کہ:۔

پہلی مثال۔ مولفۃ قلوب: ''باوجود اس صریح نص قرآنی کے عمر بن خطاب نے ''**مولفة قلوبهم**'' کا حصہ موقوف کردیا۔'' (ایضاً صفحہ 171)

دوسری مثال۔ طلاق: ''جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ہی نشست میں تین بار طلاق دیدے تو رسول اللہ صلعم، ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب کے اوائل خلافت میں وہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔ اور اُس وقت یہی طریقہ رائج تھا (صحیح مسلم نووی جلد 10 صفحہ 9) اور بعد میں اسی پر اجماع ہوگیا تھا۔ باوجود اس کے عمر بن خطاب نے ایسی طلاق کو طلاقِ بائن قرار دیا۔'' (ایضاً صفحہ 171)

تیسری مثال۔ اُمہات الاولاد کو فروخت کرنا: ''اُمہات الاولاد وہ لونڈیاں کہلاتی ہیں جن کے ہاں اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو جائے۔ ایسی لونڈیوں کو بیچ دینا نبی صلعم اور ابوبکر صدیق کے زمانہ میں جائز تھا۔ لیکن عمر بن خطاب نے اُن کا بیچنا منع کردیا۔'' (ایضاً صفحہ 172)

چوتھی مثال۔ چوری: ''شرع اسلامی میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ بروئے آیت۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا (مائدہ 5/38) یعنی چرانے والے اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو۔ اور بدلیل سنت نبوی قولی و فعلی۔ لیکن عمر بن خطاب نے قحط کے سال لوگوں کی ضرورت اور اُن کی بقاء کے پیش نظر اس سزا کو موقوف کردیا اور اسی پر فقہا کا اجماع ہے۔'' (ایضاً صفحہ 173-172)

پانچویں مثال۔ زنا: ''غیر شادی شدہ زانی کی سزا جمہور فقہا کے نزدیک سو کوڑے اور پورے ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شہر بدر کرنا مشہور حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن باوجود صریح نص کے....عمر بن خطاب نے فرمایا کہ اس کے بعد میں

کبھی کسی کو شہر بدر نہ کروں گا۔۔۔ یہ فیصلہ نص صریح کے بالکل خلاف ہے۔'' (ایضاً صفحہ 173)

چھٹی مثال۔ تعزیر: '' حدیث میں وارد ہے کہ کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے سوائے اُن سزاؤں کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔'' اس نص صریح کے باوجود عمر بن خطاب نے اُس شخص کو سو کوڑوں کی سزا دی تھی جس نے بیت المال کی جعلی مہر بنالی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 173)

ساتویں مثال۔ خون بہا: '' عمر بن خطاب نے عہد نبوی (صلعم) کے خلاف مقتول کا خون بہا قاتل کے قبیلہ پر سے ساقط کر دیا۔ اور اہل دیوان کے ذمہ ڈال دیا۔ چنانچہ آپ ہی کی رائے کو عراق کے فقہانے بھی اختیار کیا۔'' (ایضاً صفحہ 174)

ایک حق بات نوٹ کرلیں

ساتویں مثال کے بعد لکھا ہے کہ: '' امام شافعی نے اس توجیہہ کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ چونکہ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں خون بہا کا ذمہ دار قاتل کا قبیلہ ہوا کرتا تھا اس لئے آنحضرؐت کے عملدرآمد کے خلاف کوئی فیصلہ قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔'' (ایضاً صفحہ 174)

(7) قرآن وسُنتِ رسولؐ سے انحراف کا نتیجہ کیا ہوا؟

(i) اسلام اور قرآن کی معطّلی اور رعایا کا تعاون حاصل کرنے کیلئے خودساختہ نظام حکومت

قارئین نے دیکھا تھا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی سے اُس گروہ کو پیش کیا ہے جو اسلامی قوانین کو قومی وملکی مصلحت کے ماتحت تبدیل کرنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اور جُوں جوں اسے قومی حمایت حاصل ہوتی گئی اُس نے بتدریج مسلمانوں کے اندر ایک طاغوتی ادارہ قائم کرلیا اور مسلمانوں میں اندر ہی اندر وہ عقائد پھیلاتا رہا جو بعد رسوؐل نافذ کرنا ضروری تھے۔ اِن حالات سے متاثر ہو کر اور ساری قوم کو قرآن سے منحرف ہو جانے کی تیاری میں مصروف پا کر آنحضرؐت نے اللہ سے شکایت کی کہ قوم نے اپنے لئے ایک شریعت ساز ادارہ بنالیا اور اُسے قرآن پر حاکم مقرر کر دیا ہے۔ اللہ نے اُس صورت حال کی تصدیق کر کے قرآن سے انحراف کرنے والوں کو مجرم اور دشمنانِ خدا ورسوؐل قرار دے دیا۔ لیکن مذکورہ قوم اور قوم کا راہنما ادارہ ہر آیت اور ہر حدیث کی ایک ایسی توجیہہ وتاویل کرتے چلے گئے جو اُن کے منصوبے پر چسپاں رہے۔ اُسی کشمکش میں آنحضرؐت کی رحلت وقوع میں آگئی۔ اب اُسی قوم کے دباؤ کے ماتحت حکومت قائم ہوئی۔ اور قومی وملکی مصالح اور خودساختہ تقاضات وغیر معمولی وغیر فطری حالات اور حادثات سے نمٹنے کیلئے جلدی جلدی جیسا وقت دیکھا احکامات نافذ کرنا پڑے۔ اس سلسلے میں حضرت علیؑ کے تفصیلی بیانات سامنے آچکے۔ ہنگامی حالات میں اسلام وقرآن کا معطل ہو جانا دیکھا جاچکا،

حکام جو کچھ کر رہے تھے وہ بحیثیت مجموعی سامنے آچکا۔ اور ابھی ابھی سابقہ عنوان میں وہ حالات قابل فہم ہیں جن کے دباؤ سے حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں احکاماتِ قرآن اور احکاماتِ رسوؐل کو منسوخ کر کے اپنی ذاتی رائے سے انتظام و نظام حکومت برقرار رکھا۔

یہ ہم بتا چکے ہیں کہ رعایا کی خوشنودی اور مفاد عامہ کو ملحوظ رکھنے والے حاکم سے اُسکی رعایا، اراکین حکومت، قاضی، مفتی، افواج، پولیس الغرض تمام متعلقین تعاون کیا کرتے ہیں۔ اسلئے کہ اُنکا حاکم، بادشاہ، خلیفہ یا امیر اُنکے مقابلہ میں کسی دوسری چیز کو نہ عزیز سمجھتا ہے نہ ترجیح دیتا ہے۔ اور جب دانشورانِ ملک وکارپردازانِ حکومت کو عملاً یہ یقین ہو جائے کہ اُنکا حاکم اُنکے مقابلہ میں اُن کی سہولت اور خوشنودی کیلئے قرآن وسنت کے واضح احکام میں بھی ردوبدل کر دینے سے نہیں گھبراتا تو اُس حاکم سے زیادہ پبلک تعاون اور کسی کو نہیں مل سکتا۔ یہی سب سے بڑا سبب ہے کہ حضرت عمر سے پہلے یا بعد کسی حاکم کو رعایا سے ایسا تعاون حاصل نہیں ہوا۔ رسولؐ اللہ کی مجبوری یہ تھی کہ آنحضرتؐ دن رات اُترنے والے احکاماتِ خداوندی کو نافذ کرتے تھے۔ کسی حکم کی خلاف ورزی نہ خود کرتے تھے نہ کسی اور کو انحراف کرنے دیتے تھے، بڑے بڑے سرداران قوم کی رعایت نہ کرتے تھے، ذراسی حکم عدولی برداشت نہ کرتے تھے۔ اسلئے روز اوّل سے رحلت کے وقت تک ایک مستقل محاذ قائم تھا۔ گھر کے اندر سے لے کر باہر تک اور مسلمانوں سے لے کر کافروں تک میں ایسے لوگ موجود تھے جو مخالفانہ ذہنیت رکھتے تھے اور موقعہ ملنے پر سب کچھ کرگزرنے کیلئے آمادہ رہتے تھے۔ قرآن کریم اس مستقل محاذ کی تاریخ اپنے دامن میں محفوظ کیئے ہوئے ہے۔

بہرحال یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عمر نے جس محنت اور تدبر سے عربی ذہنیت کو تیار کیا تھا وہ اُن کے بعد کسی کے قابو میں نہ آسکی۔ پے در پے اُن کے جانشین قتل کیئے گئے۔ آخر وہی حکومت کامیاب ہوئی جس کی داغ بیل خود حضرت عمر نے ہی ڈالی تھی۔ حضرت معاویہ تنہا وہ شخص تھے جو حضرت عمر کی پالیسیوں کو دوبارہ نافذ کرنے میں کامیاب ہوئے اور آخر قوم و ملک کو دوبارہ اُسی راہ پر چلا گئے جو حضرت عمر کا منشا تھا۔ اُنھوں نے اُن تمام افراد وقبائل کی فہرست بنائی جو حضرت عمر کے بعد سرکشی یا سرتابی کے مجرم پائے گئے تھے۔ اور رفتہ رفتہ اُن تمام سروں کو تن سے جدا کرنے کا منصوبہ بنایا جن میں حکومت سے بغاوت کے خیالات جمع تھے۔ اُن نسلوں کو فنا کرنے کا انتظام کیا جن میں قرآن وسنت کی اتباع میں قومی حکومت کا مخالف خیال پرورش پا رہا تھا۔ وہ تمام تعلیماتِ قرآنی اور تصوراتِ اسلامی اور تاریخ بدل ڈالنے کی بنیادیں رکھیں جو حضرت عمر کے تصورات واعمال واقدامات پر انگشت نمائی کا سبب بن سکتی تھیں۔ اور ہم نے حضرت معاویہ کے کامیاب اور دُور بین انتظامات پر داد دینے کیلئے ہزاروں صفحات لکھے ہیں۔ اور یہ کتاب بھی اُن ہی دونوں بزرگوں کے حسن انتظام پر ایک معمولی سی کوشش ہے۔

یہ حضرت معاویہ ہی کا انتظام تھا جس کے نتیجے میں وہ وقت بھی آیا کہ آج ہر مسٹر اور ہر مُلّا جو کچھ کہتا ہے وہ شریعت کا حکم

سمجھا جانے لگا ہے۔یعنی آج صرف سربراہان اقوام وممالک ہی شریعت سازی کے مجاز نہیں ہیں بلکہ ہر علامہ اور ہر تانگہ والا اور ہر ٹیکسی ڈرائیور اللہ ورسولؐ کے جانشین ہیں۔ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ موقعہ بموقعہ کتاب وسنت کا جملہ دُھرایا جائے۔ مناسب وقفوں کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا حوالہ بھُولنے نہ پائے۔کبھی کبھی نظام مصطفٰیؐ بھی زبان سے نکلتا رہے۔ اوران چند مقدس جملوں کے سایہ میں جو دل چاہے اسلامی کہہ کر منوالیا جائے۔

بڑی جانکاہ کوششوں اور بڑی دینی ودنیاوی قربانیوں کے بعد لایا گیا ہے یہ زمانہ جس میں آج ہم ایسے سر پھرے لوگ بھی موجود ہیں۔جنہیں رجعت پسند کہہ کر اپنے سابقین واوّلین بزرگوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔یعنی وہ لوگ جو اس زمانہ کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے بجائے رسولؐ اللہ اور ماضی میں گزرے ہوئے لوگوں کو یاد کرتے رہتے ہیں، جو گزرے ہوئے مقدس ادوار کے خواب آج بھی دیکھتے ہیں اوراُن زمانوں کو واپس لانا چاہتے ہیں۔بہر حال ہم فخریہ کہتے ہیں کہ اس چودھویں صدی میں پیدا ہو کر اور آپ ہی کے زیرِ انتظام چلنے والے مدرسوں میں، آپ ہی کا تیار کردہ نصابِ تعلیم پڑھ کر بھی خود کو اُن جذبات و احساسات سے مالا مال رکھا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے سے پیدا ہونا چاہئیں۔اور ہم ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم آج سے دو ہزار سال بعد آنے والے دور سے زیادہ موڈرن تصورات کے حامل اور مبلغ ہیں۔اوراس میں بھی جناب امیر معاویہ اور حضرت عمر کا کافی دخل ہے۔وہ نہ ہوتے تو ہماری فہم وفراست میں یہ گہرائی اور دُور رسی نہ ہوتی۔یہی نہیں بلکہ دنیا کی اس محفل میں گرمی اور حرارت نہ ہوتی۔کارخانہ حیات کا وہی حال ہوتا جو حرارت کے فقدان سے تصور میں آسکتا ہے۔یہ جوش یہ ولولہ اور یہ تفحص وتجسس کچھ بھی نہ ہوتا۔یہ وہی تھے جنہوں نے ایک پیہم انقلاب کو جنم دیا۔اُن کی وجہ اور وسیلے سے مقام نبوت وامامت کا تعین وتحقق لازم ہوا، حق و باطل واضح ہوا، دلائل و براہین کی تلاش ہوئی اور بال کی کھال نکالی گئی۔اور خدا کا شکر ہے کہ ہر آنے والا دن اور طلوع ہونے والا سورج اسلامی حقانیت کو روشن تر کرتا جارہا ہے۔

(ii) فکرفاروقی نے جوانقلاب چاہاتھاوہ ابھی تک برپانہیں ہواہے

کاش ہماری تصنیفات شائع ہو کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہوتیں تاکہ لوگوں کی عقل اُن بنیادوں اور مقاصد کو سمجھ سکتی جن کے لئے حضرت عمر نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔افسوس ہے کہ بعد کی حکومتوں نے اُس پروگرام کو جاری رکھنے کے بجائے، جو حضرت عمر نے اپنے حلقۂ فکر کو سونپا تھا، ذاتی و جماعتی مقاصد کو سامنے رکھ لیا۔ورنہ آج نہ مُلاّ ہوتے نہ علامہ نظر آتے نہ کلمہ کی بحث ہوتی نہ نمازوں میں جھگڑے ہوتے۔نہ مسجدوں اور امام بارگاہوں کا ٹکراؤ ہوتا۔نہ پیش نمازوں کی شیرازہ بندی کی احتیاج ہوتی نہ ڈھکوازم ہوتا نہ چمچے ہوتے نہ ڈھکن کی ضرورت پڑتی۔بہت کم لوگ ہیں جو فکر فاروقی سے آشنا تھے۔لیکن جس

طرح حضرت عمر کو سمجھنے والے نایاب رہے ہیں اسی طرح ان کے سمجھنے والوں کو پہچاننا مشکل رہا ہے۔آیئے آپ کو چند ایسے لوگوں سے ملوائیں جو حضرت عمر کے مسلک کو کسی قدر سمجھ کر بیان کر سکے۔

(iii) حضرت معاویہ کے بعد حضرت عمر کی پالیسی سے واقف لوگ

(الف) امام نجم الدین ابوالربیع سلیمان بن عبدالقوی طوفی (متوفی 716ھ)

آپ حنبلی مذہب کے مشہور علما میں سے ہیں۔ نیز وہ اُن آئمہ میں سے ہیں جنہوں نے علی الاعلان مصلحت وقت کو نص و اجماع پر مقدم کیا ہے۔امام مذکور نے حدیث لَا ضَرَرٌ وَ لَا ضَرارٌ یعنی شریعت اسلامی کا مطمع نظر نقصان پہنچانا نہیں ہے کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جب مصلحت وقت کا نص اور اجماع سے مقابلہ ہو جائے تو مصلحت کو نص (واضح حکم خدا و رسولؐ) و اجماع (اُمت کے متفقہ فیصلے) پر ترجیح دی جائے گی۔اور نص و اجماع کو وقتی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔'' (فلسفۃ التشریع فی الاسلام کا اردو ترجمہ ''فلسفہ شریعت اسلام'' از مولوی محمد احمد رضوی صفحہ 179-178)

فکر فاروقی کا جہاں ساز اصول

مولانا نجم الدین حضرت عمر کے اس قانون القوانین کو نہ صرف یہ کہ بالکل صحیح سمجھے بلکہ اُنہوں نے اس بنیادی قانون کا زندگی بھر پرچار کیا، اپنی زندگی اس قانون کے سانچے میں ڈھالی۔لیکن بُرا ہو رجعت پسندی کا کہ لوگوں نے اُن سے تعاون نہ کیا ورنہ آج یہ اسلامی اصلاحات اور کانفرنسوں اور کانگرسوں کی آڑ لینے کی ضرورت نہ رہتی۔ ہمارے زمانہ میں جناب علامہ پرویز صاحب نے اسی قانون کو نافذ کرنے اور تقاضائے وقت و مصلحت عامہ کے ساتھ چلنے کیلئے پاکستانی حکومتوں کو مشورے دیئے اور بتایا کہ کوئی ایسا اسلامی قانون نہیں ہے جسے حاکم وقت بدل نہ سکے۔اسلام میں یا مولانا کے پاس صرف دو ہی تو خوفناک الفاظ ہیں ایک ہے نَصّ اور دوسرا ہے اجماع۔سارا دین اور دین کا ہر ہر معاملہ، عبادت ہو یا عقائد ہوں اُن ہی دونوں الفاظ کے ماتحت ہیں اور جب یہ معلوم ہے کہ مصلحتِ وقت یا تقاضائے زمانہ کے سامنے نص اور اجماع کی اسلامی حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جائز ہے جو مفید ہو۔ ہر وہ حکم منسوخ ہے جو مضر ہو۔مثلاً نماز فریضہ پر نص و نصوص بھی ہیں اور اجماع بھی ہے۔لہٰذا اگر مصلحت اور مفید یہ ہو کہ نماز کو ترک کر دیا جائے تو بلا تکلف نماز کا پڑھنا منع کر دینا چاہیئے۔آج کل روزہ سے کوئی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچتا۔کم از کم کوئی ایسا فائدہ نہیں بتایا جا سکتا جو رمضان سے پہلے یا بعد کے دنوں میں کسی اور طرح حاصل نہ ہو سکتا ہو؟ البتہ روزہ کے نقصانات ہر آدمی دیکھتا ہے سمجھتا ہے۔اور روزہ سے ہونیوالے نقصانات اور ضرر کو سہتا ہے۔رمضان کی آمد قریب آنے پر ہر چیز کی قیمت میں اضافہ ہمہ گیر نقصان کے سوا اور کیا ہے؟ گھروں کے اندر خورد و نوش کا خرچ الگ سے بڑھ جاتا ہے اور ہوٹلوں میں گھر والوں سے چھپ

کر کھانے پر الگ سے خرچ کرنا پڑتا ہے۔مولانا حضرات کی تنی ہوئی گردنیں، کھنچے ہوئے ابرو اور بگڑے ہوئے چہرے دیکھ کر جہنم کے فرشتے سامنے پھر جاتے ہیں۔روکھی روٹی کھا کر روزہ رکھنا چار پانچ منزل مکانوں کی تعمیر میں بلاک اور سیمنٹ لیکر چڑھنا اور اُترنا، یہ سب کیا ہے؟ چونکہ مذکورہ بالا قانون انسانوں کی اسی تکلیف کو دور کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔انسانی فطرت میں سہولت پسندی سب سے نمایاں جذبہ ہے اور یہ قانون اِسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے۔لہٰذا مسلمانوں کی کثرت نے رگِ فاروقی سے فطری طور پر اثر لیا اور مولانا کی رجعت پسندی کو رخصت کر دیا۔اُدھر ہمارے دانشور طبقہ کے لوگ اور اُمراو رُؤسا و وُزرا تو روز اوّل ہی سے عقلمند ہیں۔اگر آج مسلمانوں کی حکومتیں حضرت عمر کے اس قانون کو اپنی اسمبلیوں میں منظور کر لیں تو بہت سے کھٹ راگ خود بخود ختم ہو جائیں۔نہ کانفرنسوں کے چکروں کی ضرورت رہے نہ سیرت کانگریس کی مقدس آڑ لینا پڑے۔بلکہ ہر پاس ہونے والا قانون اسلامی قانون کہلائے تاکہ علامہ حضرات سے ہماری جان چھوٹ جائے اور یہ کلمہ اور نماز کی بحثیں بھی ختم ہو جائیں۔روس اور چین کے عوام کی طرح مسٹر و ملا دونوں شانہ بشانہ کام کرتے اور ہنستے کھیلتے نظر آئیں، جان بنے اور پیٹ چھٹ جائیں۔

(ب) <u>امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس</u> (متوفی 684ھ) جو ''قرافی مصری'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ: ''جب معاشرہ کے حالات بدل جائیں تو کیا وہ فتوے جو کتب فقہ میں مذکور ہیں بیکار ہو جائیں گے۔اور جدید تقاضوں کے مطابق فتوے دیئے جائیں گے؟ یا یہ کہا جائے گا کہ ہم تو مُقلِّد ہیں۔اور اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے کے باعث ہمیں یہ حق نہیں کہ کوئی نیا فتویٰ دے سکیں۔لہٰذا ہم وہی فتویٰ دیں گے جو آئمہ مجتہدین (ابو حنیفہ، مالک، ابن حنبل، اور شافعی) سے منقول ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 178-177)

قارئین اب علامہ قرافی مصری کا جواب سنیں، یہ حضرت مالکی عالم ہیں۔

> ''چونکہ شرع کے تمام <u>احکام اسباب وعلل کے تابع ہیں</u>۔اس لئے رسم ورواج بدلنے سے شرع کا حکم بھی بدل جائے گا۔اور اس قسم کی تبدیلی مقلِّدین کا نیا اجتہاد نہ کہلائے گا جو اُس میں اجتہاد کی اہلیت کی شرط اُڑائی جائے۔بلکہ یہ تو ایسا قاعدہ ہے جس میں علمانے متفقہ طور پر اجتہاد کیا ہے چنانچہ ہم بھی اُن ہی کا اتباع کرتے ہیں اور کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے۔'' (ایضاً صفحہ 178)

<u>رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی</u>

قارئین نے غور کیا ہوگا کہ جناب فاروق کا وہی قانون اِس مالکی مذہب کے عالم نے اس انداز سے پیش کر دیا کہ کوئی جدت اور بدعت بھی نہ ہوئی اور پورے کے پورے اسلامی ڈھانچے کو بدلنا ممکن بھی ہو گیا اور ساتھ ہی سو فیصد قدیم مذہب برقرار بھی رہ گیا۔یعنی اسلام ایک ایسا مستقل غیر متبدل دین ہے جو کتنا بھی بدل جائے، الٹ جائے، حرام حلال اور حلال حرام ہو

جائے وہ پھر بھی مستقل اور غیر متبدل ہی رہتا ہے۔ یعنی اسلام نام ہے اُس طرزِ زندگی کا جسے کثرت الناس پسند کرتی ہو اور مستفید ہوتی ہو یعنی ہر معاشرہ پر مستقلاً فِٹ (Fit) رہنے والا دین۔

فاروقِ اعظم کے قانون کی ایک اور تشریح: فلسفہ التشریع کے مصنف علامہ صبحی محمصانی مندرجہ بالا اقتباس کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

نوعِ انسان کی عادت کے مطابق رہنا اسلام کی ذمہ داری ہے

''علامہ قرافی کے اس جواب کا تعلق (بظاہر نظر) بلاشبہ اجتہادی مسائل سے ہے۔ نہ کہ نصوص کو بدل ڈالنے سے (محمصانی خوفزدہ ہیں) لیکن جواب مذکور کے بعد ایک ضمیمہ علی الاطلاق (بلا کسی مستثنیٰ کے) وارد ہوا ہے۔ جسکی عبارت یہ ہے ''جمیع ابواب الفقہ المحمولة عَلَى العوائد، اذا تغيّرت العادة تغيرت الاحكام فى تلك الابواب۔'' یعنی فقہ کے وہ تمام مباحث جو اسباب وعلل پر مبنی ہیں۔ اُن کے تمام احکام رسم ورواج بدل جانے سے تبدیل ہو جائیں گے۔'' اگر اس عبارت کو مطلق رکھا جائے (وہ تو ہے ہی مطلق اور بلا کسی قید اور مستثنیٰ کے) تو اُس میں بلا استثناء تمام احکام داخل ہوں گے اور اس لحاظ سے یہ عبارت ابو یوسف کے اُس قول کے مطابق ہے جو ابھی گزرا۔'' (ایضاً صفحہ 178)

علامہ محمصانی نے بھی علامہ مودودی کی طرح غلط ترجمہ کیا ہے

ہم ذرا دیر بعد ابو یوسف کا قول ناظرین کو دکھائیں گے۔ پہلے یہ دیکھ لیں کہ علامہ قرافی نے اپنے قول میں نہ لفظ اسباب بولا نہ لفظ عِلَل لکھا۔ نہ وہاں الفاظ رسم ورواج ہیں اور چونکہ یہ چاروں الفاظ عربی زبان کے ہیں اس لئے یقیناً علامہ قرافی ان چاروں الفاظ سے واقف ہوں گے۔ انہوں نے لفظ مباحث بھی نہیں لکھا اور یہ بھی عربی ہی کا لفظ ہے۔ مگر محمصانی صاحب نے یہ پانچ الفاظ ترجمہ میں لاکر اصل مطلب کا ستیاناس کر دیا ہے۔ علامہ قرافی نے فقہ کے تمام ابواب کو بدل جانے والا لکھا ہے بحثوں کو نہیں لکھا۔ ابواب کا مطلب یہ ہے کہ باب الوضو، باب الطہارت، باب الرکوع، باب السجود، باب التشہد، باب القنوت، باب الاذان اور باب الاقامت وغیرہ وغیرہ۔ علامہ قرافی تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ روزہ ہو یا نماز ہو، حج ہو یا زکاۃ ہو، خمس ہو یا جہاد ہو، رکوع ہو یا سجدہ ہو۔ تشہد، اذان اور اقامت کے اجزا کلمہ، اللہ اکبر، کعبہ کا رخ وغیرہ ہوں سب تبدیل ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔ پھر علامہ قرافی نے جن چیزوں کو معیار بنایا ہے اور جن کے بدل جانے سے اسلام کے تمام احکامات بدلنا لازم قرار دیا ہے وہ رسم ورواج نہیں۔ بلکہ اُن کے الفاظ اَلعَوَائِد (عادت کی جمع عادتیں) اور اَلعادَة (عادت) ہیں۔ یعنی جب عادتیں بدل جائیں تو پچھلی شریعت کے تمام احکام بدل کر نئی عادت کے ماتحت لانا حقیقی اسلام ہے۔ پھر یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ رسم و رواج تو پوری قوم یا ملک سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن عادت انفرادی اور ہر خاندان اور ہر فرد اور ہر طبقہ ہر پیشہ والوں کی الگ الگ ہوتی ہے۔ لہٰذا اُس بنیادی فاروقی قانون کی یہ تشریح چاہتی ہے کہ اسلامی ضابطۂ حیات ہر فرد کو الگ الگ بھی مطمئن رکھے

اور اُنہیں اُن کی عادت کے مطابق شرعی احکام دے اور اجتماعی حیثیت سے بھی کسی کو اس کی عادت کے خلاف شرعی حکم نہ دے۔ یہ ہے وہ وسیع ترین و ہمہ گیر مقصد جو نظام اجتہاد کے سوا اور دوسرا نظام پورا نہیں کر سکتا۔

(ج) امام ابو یوسف حنفی (قاضی القضات): یہاں بھی رسم و رواج بدل جانے پر احکام بدل جانے کا مسئلہ زیر بحث آیا اور لکھا کہ: ''مسئلہ مذکورہ میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک حکم شرع کا اتباع واجب ہے نہ کہ جدید رسم و رواج کا۔ لیکن بغداد کے قاضی القضاۃ ابو یوسف کی رائے اِن دونوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ اُنکے نزدیک استحساناً حکمِ شرع ترک کر دینا اور رواج کا اتباع کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ حکم شرع کا مطمعِ نظر رسم و رواج ہی تھا۔ مجلّہ احکام عدلیہ نے اِسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ اپنے اُس صریح حکم کی رُو سے جو دو ضابطوں میں بیان کیا گیا ہے۔

پہلا ضابطہ: ''اِسْتِعْمَالُ النّاسِ حُجَّة يَجِبُ الْعَمل بِهَا و لا ينكر تغير الاحكام بِتَغير الازمان۔''

یعنی لوگوں کا تعامل (عملدر آمد) حُجت ہے۔ اور اُس پر عمل جاری رکھنا واجب ہے۔ زمانہ بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔''

دوسرا ضابطہ: ''اِنَّهٗ يتبدل الاعصار تتبدل المسائل الّتی يلزم بِنَاء ها عَلَى العرف والعادة'' یعنی زمانہ بدلنے سے وہ احکام بدل جاتے ہیں جو رسم و رواج پر مبنی ہوں۔'' (ایضاً صفحہ 176-175)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ اس دوسرے ضابطہ میں بھی رسم و رواج کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہاں ایک لفظ عُرف ہے دوسرا عادۃ۔ العرف اس مجموعۂ اعمال و اقوال و رسم و رواج کو کہتے ہیں جسے تمام باشندگان مُلک بلا تفریق مذہب و ملت پسند کرتے ہوں۔ اور عادۃ کو آپ جانتے ہیں۔

(د) نصوصِ قرآن و حدیث اور اجماع کی خلاف ورزی شریعت سازی میں لازم رہی

مذکورہ بالا تمام بحثیں اور فیصلے لکھ چکنے کے بعد ڈاکٹر صبحی محمصانی آخر میں یہ نتائج بھی مرتب کرتے ہیں کہ:۔

(1) ''فقہاء (اہلسنت) کے نزدیک متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت قرآن اور حدیث کے واضح احکام (نصوص) کی مخالفت جائز ہے۔'' (صفحہ 180)

(2) ''خلفاء سیاستِ شرعی اور مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر قرآن اور حدیث کے بعض احکام تبدیل کرنے میں بھی پس و پیش نہ کرتے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 197)

(3) ''شرع اسلامی خلیفۂ وقت کے مذہب اور عقائد سے بھی متاثر ہوتی رہی ہے، چنانچہ خلفائے بنی اُمیہ اور خلفائے بنی عباسیہ

ہمیشہ اُن مذاہب کی مخالفت کرتے رہتے تھے جو اُنکے ذاتی عقائد اور سیاست ملکی کے خلاف ہوتے تھے۔‘‘ (ایضاً)

(4) ’’بعض علما کا خیال ہے کہ شرع اسلامی رومی قانون سے متاثر ہوئی ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کی تردید کی ہے اور بعض نے اس بارے میں راہِ اعتدال اختیار کی ہے۔‘‘ (ایضاً صفحہ 211)

(8) شریعت سازی نے موجودہ شریعت کو اللہ ورسولؐ سے بے تعلق کر دیا

جو شریعت آج مسلمانوں کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اُس کی تیاری میں جو ہاتھ اور جذبات و حالات مصروف رہے وہ مختصر مگر حتمی طور پر قارئین نے دیکھ لئے ہیں۔ اگر ہم اُن تمام سوالات سے چشم پوشی بھی کر لیں جو یہاں سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ تب بھی یہ تسلیم کئے بغیر چھٹکارہ نہیں مل سکتا کہ وہ احکام اور شریعت ہم تک نہیں پہنچی جو اللہ ورسولؐ نے تیار کی تھی۔ اور جو کچھ ہم تک شریعت کے نام سے پہنچا ہے اُس کے متعلق یہ کہنا کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے خوش ہیں، ناممکن ہے۔ اور جس اصول پر یہ موجودہ شریعت تیار ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ آج اُسی اصول کے ماتحت شریعت کا یہ سارا پلندہ اور طومار غلط ہے۔ یعنی مسلمانوں کی کثرت نے اُسے ترک کر دیا ہے۔ اس لئے کہ آج کل اُن کی ضروریات و حالات و رسم و رواج و عادات اُس شریعت کے مخالف ہیں۔ مسلم کانفرنس اور سیرت کانفرنس اِسی کے ثبوت ہیں۔

(9) وہ شرائط جن سے موجودہ شریعت اللہ ورسولؐ کی شریعت کہلا سکتی ہے؟

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ جو شریعت اِس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کی تیاری میں علما و خلفائے وقت کے ہاتھ اور جذبات وقومی اور ملکی مصلحتیں و میلانات و ذاتی عقائد کے تعصّبات اور مخالفتِ اجماع، اور مخالفتِ احادیث وآیات برابر مسلسل شامل رہے ہیں۔ پہلے تو یہ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کہ فلاں کلمہ یا نماز غلط ہے اور فلاں فرقہ کا کلمہ اور نماز صحیح ہے۔ یا یہ کہ فلاں حدیث فلاں کتاب میں غلط ہے۔ اور صحیح حدیثیں فلاں کتاب میں ہیں فلاں میں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جس زمانہ تک شریعت ساز ادارہ کا یعنی خلفا اور علما کا تسلط تسلیم کیا جائے گا، اُس زمانہ میں تاریخ وحدیث وتفسیر اور فقہ یا شریعت کی کتابیں اور مسلمانوں کی کثرت کو شریعت ساز ادارہ کی منشا و مصلحت کے ماتحت ماننا لازم ہوگا۔ اور جب یہ ماتحتی تسلیم کر لی جائے گی تو تاریخ وحدیث و تفسیر کی کتابوں کو بھی مشکوک ماننا لازم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ علمائے تاریخ ومحدثین ومفسرین اور فقہا حکومت کے خلاف عمل کر کے محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔ اور مزید برآں وہ خود بھی شریعت ساز ادارہ کے ارکان تھے اور خود اپنے خلاف یا اپنی حکومت کے خلاف یا اپنی خود ساختہ شریعت کے خلاف نہ کوئی حدیث لکھ سکتے تھے، نہ تفسیر کر سکتے تھے۔ بلکہ عقلاً اور ضرورتاً اُن پر لازم تھا کہ اپنی شریعت سازی کے جواز میں ایسی روایات تیار کریں جو معترضین کا منہ بند کر دیں۔ اور ہر چیز اسلامی و الہامی نظر آئے۔ اُس

یعت ساز ادارہ کا تسلط بلکہ یوں کہئے کہ اس کا ہمہ گیر تسلط جب ختم ہو گیا تو جدید شریعت سازی ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی اقلیتیں جنہیں دبا کر رکھا جا رہا تھا آزادانہ مذہبی مذاکرات کرنے لگیں۔ چاروں طرف سے سابقہ شریعت سازی پر اعتراضات اور غور وخوض کی گرم بازاری ہوئی۔ طرفداران حکومت نے وہ طریقے سوچنا اور گھڑنا شروع کئے جن سے شریعت ساز اداروں کو جواز کا سہارا دیا جا سکے۔ لیکن مسلسل صدیوں کی کوشش کے باوجود آج تک اس خود ساختہ شریعت کو اللہ و رسوؐل کی سند فراہم نہ کر سکے۔ آخر تنگ آکر ترکستان وعراق وعرب کی حکومتوں نے از سر نو شریعت سازی شروع کر دی اور اب تو پاکستان بھی جدید شریعت سازی اور کفر و ایمان کے فیصلے کرنے کی منزل سے گزر رہا ہے۔ اور علما کا ایک گروپ اپنی دینی خرابیوں اور خامیوں کو چھپانے کے لئے دوسرے مخالف فرقوں کے کفر کی چادر اوڑھ لینا چاہتا ہے۔ ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ وہ پہلے اپنے مذہب اور خود ساختہ شریعت کو اللہ و رسوؐل کا مذہب اور شریعت ثابت کریں اور قرآن کریم کے سادہ ترجمہ سے مندرجہ ذیل شرائط پوری کر کے دکھائیں تاکہ تمام اہل عقل یہ ماننے کو تیار ہو جائیں کہ شریعت ساز ادارہ جو کچھ کرتا رہا وہ قرآن کی رُو سے صحیح ہے۔

اوّل۔ قرآن سے وہ آیات پیش فرمائیں جن میں اللہ و رسوؐل کے بعد کسی اور کو شریعت سازی کی اجازت ہے؟

دوم۔ وہ آیات دکھائی جائیں جن میں مصلحت عامہ یا مفاد عامہ یا کثرت الناس کی پسند کو حق کا معیار اور شریعت سازی کے جواز کی دلیل بنایا ہو؟

سوم۔ وہ آیات درکار ہیں جن سے قرآن و رسولؐ کے واضح احکام و شریعت کو منسوخ کر کے خود ہی شریعت گھڑ لی جائے اور لوگوں سے اُس خود ساختہ شریعت کی پابندی کرائی جائے اور اُسے اللہ و رسولؐ کے احکام اور شریعت بتایا جائے؟ دوسرے الفاظ میں قرآن سے ثابت کیا جائے کہ خدا اور رسولؐ کے نصوص کی مخالفت کرنا جائز ہے؟

چہارم۔ قرآن سے دکھایا جائے کہ حاکم وقت کے عقائد و مذہب ہی خدا اور رسولؐ کے نزدیک صحیح مذہب اور عقائد ہوتے ہیں۔

پنجم۔ وہ آیات پیش کریں جن میں خلیفہ وقت کو یہ اجازت ہو کہ وہ اپنے مخالفین کے مذاہب کی مخالفت کرتا رہے؟

(10) قرآن کریم سے باطل کو قیامت تک سہارا نہ ملے گا

(i) ہم نے عرض کیا ہے کہ شریعت ساز اداروں کے طرفدار صدیوں کی کوششوں میں ناکام رہے ہیں۔ ہم یہ بھی قرآن کریم سے دکھا چکے ہیں کہ "جو کوئی قرآنی احکامات کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے احکام نافذ کریں وہ کافر و ظالم و فاسق ہوتے ہیں (مائدہ 5/44، 5/45، 5/47) اور سابقہ بیان میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی جگہ اپنی اور قومی وملکی مصلحت کے ماتحت اپنی رائے سے احکام دیئے جاتے تھے۔ بلکہ قرآن اور حدیث کے واضح اور اُمت کے مسلّمہ احکام کے خلاف احکام دیئے جاتے رہے اور قرآن کریم کی رُو سے یہ بھی کفر صریح ہے، چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَلا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo (سورہ نساء 4/65 وغیرہ)

''اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں (یعنی طاغوتی شریعت ساز ادارہ کو نہ چھوڑ دیں۔ابوعبداللہ)، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔ 95؎ ''

اس ترجمہ پر علامہ مودودی کی تفسیر دیکھئے:

''95؎ اس آیت کا حکم صرف حضورؐ کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کیلئے ہے۔جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت وراہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے۔وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے۔اور اُس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنُ هَوَاه تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِه تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُسکی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہوجائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 369-368)

(ii) ہم اس عنوان میں اس سے زیادہ لکھ کر اچھے دل بُرے نہیں کرنا چاہتے۔البتہ یہ ضرور عرض کریں گے کہ اُمت کے وہ افراد کچھ پسندیدہ لوگ نہیں ہو سکتے جن کی مصلحت اور مفاد وفلاح، رسولؐ اللہ یا اللہ کے احکام کے خلاف احکام پر منحصر ہو۔اور اُن لوگوں کی وجہ سے حکومت مجبور ہوکر قرآن وحدیث کی مخالفت میں احکام یا شریعت نافذ کرے۔اور سب سے بُری بات یہ ہے کہ اللہ ورسولؐ اور قرآن وعقل کا یہ مستقل فیصلہ ہے کہ انسان اچھے ہوں یا بُرے ہوں، مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں، دو چار ہوں یا دو چار کروڑ ہوں، وہ سب نہ فرداً فرداً نہ سب مل کر مستقبل کے لئے حتمی فیصلہ کرسکتے ہیں۔اُن کی اجتماعی رائے اور بصیرت میں ہمیشہ غلطی اور غلط فہمی کا امکان ہوگا۔اس لئے اللہ کا حکم ہے کہ اَے رسولؐ اُن سے کہہ دو کہ:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَo وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُo وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَo (سورہ انعام 6/114-116)

''پھر جب حال یہ ہے تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اُس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کردی ہے۔اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق

کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے (زیادہ نچوڑنے) والوں میں شامل نہ ہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اُس کے فرامین (فرمانوں) کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اور اے محمدؐ اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلنے لگو جو زمین میں بستے ہیں۔ تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 575-574)

(iii) ہم اِن آیات کی تشریح بھی علامہ مودودی کے قلم سے پیش کریں گے۔ لیکن پہلے قارئین اس ترجمہ کے لئے دو ایک ضروری باتیں نوٹ فرمالیں۔ سب سے پہلے آخری بات ذہن نشین کرنا چاہئے۔ یعنی دین اسلام میں زمین کے تمام انسانوں کی کثرت، جس میں ساری نوع انسان یعنی حضرت عمر اور سارے شریعت ساز ادارے بھی شامل ہیں، کی رائے اور بصیرت و تجربات نا قابلِ اطاعت ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وحی کے علاوہ انسانوں کی تمام تحقیق و تجربات اور فیصلے، ظن وتخمین اور قیاسات پر منحصر ہوتے ہیں۔ یعنی شیعہ اور اہلسنت مومنین یہ بات یادرکھیں کہ اسلام میں ظن اور قیاس سے کیا ہوا ہر فیصلہ باطل ہوتا ہے۔ یعنی تمام اجتہادی مسائل قرآنی احکام و اصول کی رُو سے باطل ہوتے ہیں۔ تیسری بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ آیاتِ مذکورہ بالا جس ماحول میں لکھی گئی ہیں، وہاں پہلے سے طاغوتی شریعت ساز ادارہ کی بات ہوتی چلی آرہی ہے۔ لہٰذا آپ تفہیم القرآن کے سیاق وسباق کو ضرور دیکھ لیں۔ اِسی بنا پر اُس ادارہ کو ممترین کا گروہ قرار دیا اور مسلمانوں کو ممترین سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ شیعہ وسُنی مترجمین نظام اجتہاد کے ستائے ہوئے ہیں، اس لئے غریب ایک دوسرے کی نقل مارتے رہتے ہیں۔ کبھی نہیں سوچتے کہ فلاں لفظ کے مصدری یا بنیادی وحقیقی معنی کیا ہیں؟ اِس لئے بیچارے ریب کے معنی بھی شک کرتے ہیں اور مِریہ کے معنی بھی شک رگڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ شک خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور تینوں الفاظ تین مختلف تصورات کو ظاہر کرنے کیلئے وضع کئے گئے تھے۔ بہر حال ممترین کے معنی وہ لوگ ہیں جو زیادہ سے زیادہ دودھ (Milk) نکالنے کیلئے تھنوں کو مَل مَل کر زخمی کر دیں۔ یعنی مسلمانوں میں وہ شریعت ساز ادارہ جو قرآن اور رسولؐ کے بیانات کو اپنے مقاصد پر ڈھالنے کیلئے آیات واحادیث کو موڑ اور مروڑ کر نچوڑ نچوڑ کر اپنی شریعت کشید کرتا ہے۔ اور آخری بات اور سب سے شاندار بات مومنین حضرات یہ نوٹ فرمائیں کہ اہل کتاب کو قرآن کے حق ہونے میں ساری دنیا سے زیادہ شک اور انکار تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ جھوٹا نبی کہتے تھے اور آج تک کہتے ہیں اور یہ حقیقت قرآن واحادیث سے ثابت اور مسلّمات میں سے ہے کہ قرآن کو منجانب اللہ نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت (6/114) میں جن حضرات کو کتاب دینے کا ذکر ہے۔ وہ محمد وعلی و فاطمہ وحسنین علیہم السلام ہیں۔ جن کو روز ازل سے علوم قرآن ولوح محفوظ کی تعلیمات سے نوازا جا رہا تھا۔ مگر نظام اجتہاد نزول قرآن کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ محمدؐ مصطفیٰ کا علم تیئیس (23) سال میں نزول قرآن کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ یعنی بقول ڈھکو بھی جس روز پہلی وحی آئی اُس روز تک (ڈھکو

جاہل تھا) معاذ اللہ رسولؐ اللہ قرآن سے ناواقف تھے حالانکہ قرآن نے تمام انبیاؑ اور تمام رسولوں کے ساتھ ساتھ اُنکی کتابوں کا اترنا فرمایا ہے(اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ ۔سورہ بقرہ 2/213 اور سورہ الحدید 57/25)اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گواہ ناطق ہیں (مریم 19/30)۔قرآن کریم کے اس دباؤ کی بنا پر ہم نے علامہ کے ترجمہ میں دو لفظی تغیر کر دیا ہے۔

(iv) مندرجہ بالا آیات کی ابوالعالائی تشریح اور شریعت سازی کا جنازہ

''81؎ اس فقرہ میں (6/114) متکلم (بولنے والے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور خطاب مسلمانوں سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنی کتاب میں صاف صاف (مفصل) یہ تمام حقیقتیں بیان کردی ہیں اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ فوق الفطری مداخلت کے بغیر حق پرستوں کو فطری طریقوں ہی سے غلبۂ حق کی جدوجہد کرنی ہوگی ،تو کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور ایسا صاحب امر (فیصلہ کرنے والا) تلاش کروں جو اللہ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کرے۔اور ایسا کوئی معجزہ بھیجے جس سے یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں؟''

''82؎ یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو واقعات کی توجیہ میں آج گھڑی گئی ہو۔تمام وہ لوگ جو کتب آسمانی کا علم رکھتے ہیں اور جنہیں انبیاء علیہم السلام کے مشن سے واقفیت حاصل ہے۔اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے۔ٹھیک ٹھیک امرِ حق ہے اور وہ ازلی وابدی حقیقت ہے جس میں کبھی فرق نہیں آیا ہے۔''

''83؎ یعنی بیشتر لوگ جو دنیا میں بستے ہیں علم کے بجائے قیاس وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اُنکے عقائد، تخیلات، فلسفے، اصول زندگی اور (شریعت سازی کے) قوانین عمل سب کے سب قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔بخلاف اسکے اللہ کا راستہ، یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ کی رضا کے مطابق (قرآن میں غیر متبدل تفصیل سے) ہے، لازماً صرف وہی ایک ہے جس کا علم اللہ نے خود دیا ہے نہ کہ وہ جس کو (شریعت ساز ادارہ کے) لوگوں نے بطور خود اپنے قیاسات سے تجویز کر لیا ہے۔لہٰذا کسی طالب حق کو یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کے بیشتر انسان کس راستہ پر جا رہے ہیں بلکہ اُسے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اُس راہ پر چلنا چاہئے جو اللہ نے (قرآن میں) بتائی ہے۔چاہے اُس راستہ پر چلنے کیلئے وہ دنیا میں اکیلا ہی رہ جائے۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 576-575)

(v) قارئین کو کیسا بے وقوف سمجھا گیا ہے؟

مفسرین قرآن کا جب یہ حال ہو تو اسلامی جماعت کا کیا حال ہوگا؟ اِس تفسیر کے پہلے حاشیے 81؎ کو دیکھئے اور پھر آیت (انعام 6/114) کے عربی قرآنی الفاظ اور علامہ کے ترجمہ کے الفاظ کا مقابلہ کیجئے اور سوچئے کہ جناب علامہ نے 1: صاف صاف

حقیقتیں 2: فوق الفطری مداخلت 3:حق پرستوں کوفطری طریقوں سے 4: غلبہ حق کی جدوجہد 5:نظر ثانی کرے 6:ایسا کوئی معجزہ بھیجے 7: یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ وغیرہ کون سے الہام سے اور کیوں لکھ مارا؟ اِنکا اس آیت یا تینوں آیات سے کیا تعلق ہے؟ بار بار غور فرمائیں اور ممکن ہوتو بذریعہ خط وکتاب معلوم کریں۔یہی ہیں وہ علامہ جنہوں نے اپنی تفہیم اور تفسیر کو اسلیئے پیش کیا تھا کہ ''سابقہ ترجموں اور تفسیروں سے نہ کسی کو وجد آتا تھا نہ کسی کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔نہ دل پگھلتا تھا۔نہ دلوں میں گرمی اور نرمی پیدا ہوتی تھی'' (جلداوّل دیباچہ صفحہ 7)۔ذرا ٹٹول کر دیکھیں کہ دل ہے بھی یا پگھل گیا؟

(vi) قرآن یہاں بھی شریعت ساز ادارہ سے خبردار کر رہا ہے

رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر بتایا ہے کہ تم لوگ مسلسل ایک جداگانہ حَکَمْ فیصلہ کنندہ چاہتے ہو جسے اللہ نے طاغوت قرار دے دیا ہے۔میں اللہ ہی کو تمہارے اور اپنے لئے حَکَم سمجھتا ہوں۔جس نے ہر چیز، ہر قضیہ، ہر مقدمہ کے فیصلوں کی حامل کتاب تمہارے لئے ارسال کر دی ہے۔صاحبانِ قرآن جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے حقائق لے کر نازل ہوئی ہے۔اور اس کے بعد کسی اور حَکَم کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔لہٰذا تم لوگ اس کتاب کو مجمل، نامکمل اور ناکافی کہہ کر اپنی گھریلو شریعت کشید کرنے سے باز آجاؤ۔اللہ نے اپنے کلام کو عدل وصدق کے ساتھ مکمل کر دیا ہے۔اور اب اُس کے فیصلوں میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔اور وہ تمہارے مشوروں اور شریعت سازی کے منصوبوں کو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے۔اَے رسولؐ تم نے اگر زمین کے انسانوں کی کثرت کو معیارِ حق بنایا اور اُن کی مصلحت ومفاد وبصیرت کی اطاعت کی تو وہ لوگ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔اس لئے کہ اُن کا سارا دارومدار ظن وتخمین اور اجتہادی رائے اور قیاس پر منحصر ہے۔

3۔ شریعت سازی میں قرآن اور حدیث کہاں تک ملحوظ رہے؟

قرآن کریم، نہج البلاغہ اور تاریخ تشریع اور فلسفۂ تشریع سے یہ ثابت ہوجانے کے بعد کہ عہد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے ہی عربوں نے قومی حیثیت سے قرآن کو چھوڑ کر نیا اسلام اور نئی شریعت سازی شروع کر دی تھی۔اور برابر اُسی طریقہ پر عمل جاری رکھتے ہوئے اسلام اور قرآن کو برائے نام بطور تقدس باقی رکھا تھا۔اب یہ ضرورت نہیں رہتی کہ یہ دکھایا جائے کہ شریعت سازی میں قرآن کریم اور حدیث شریف کو کہاں تک راہنما بنایا گیا تھا؟ لیکن ہمارا ماحول چونکہ کتاب وسُنت کے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہے۔اور عوام الناس کو یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوششیں ہوتی رہتی ہیں کہ روزِ اوّل سے قرآن وسُنت کو ہر ہر معاملے میں راہنما بنایا جاتا رہا ہے۔البتہ جن معاملات میں قرآن وحدیث خاموش ہیں اُن کو حل کرنے کے لئے قرآن وسنت کی بصیرت رکھنے والوں نے اپنی اجتہادی رائے اور قیاس سے شریعت سازی کی ہے۔قارئین نے یہ دیکھ لیا ہے کہ قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا

کہ اللہ نے قرآن میں تمام انسانی ضروریات اور تقاضات کا حل نازل نہیں کیا، قرآن کی کھلی ہوئی تکذیب اور دین اسلام پر سب سے بڑا اتہام ہے۔ پھر قارئین یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ شریعت سازی قرآن میں موجود فیصلوں اور آیات کے خلاف ہوتی رہی ہے۔ اور سُنت میں موجود آنحضرتؐ کے فیصلوں اور احادیث کی مخالفت میں شریعت سازی ہوئی ہے۔ اور شریعت سازی کو جائز سمجھنے والوں نے خود اس کا تحریری اقبال کیا ہے۔ اِس سب کے بعد بھی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عوام کو مزید اطمینان ہو جائے کہ قرآن وحدیث یا کتاب وسنت کو محض آڑ بنایا جاتا رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علما اور حکومتوں نے محض اپنی پالیسیوں کو منوانے کے لئے اُن پر کتاب وسنت کی چادر ڈالے رکھی۔ آیئے ہم آپ کو اُن ہی کے ریکارڈ سے اس چادر کے نیچے پوشیدہ سامان دکھائیں۔ مگر اس نقاب کشائی کے دوران آپ قرآن کی اس پوزیشن کو ضرور یاد رکھیں جو ادارۂ اجتہاد یا شریعت سازوں نے تجویز کی ہے۔ یعنی قرآن متشابہات و مُجملات و مُبھمات و مُطلق، مُقیدات و عام وخاص میں لپٹا ہوا ایک اصولی مجموعہ ہے جس میں جزئیات نہیں ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ پانچ سوایسی آیات سارے قرآن میں ملتی ہیں جو واضح ہیں جن پر یقین وقطع حاصل کرنے کے لئے کم از کم ایک مجتہد کی بصیرت درکار رہے (ناسخ ومنسوخ بھی قرآن میں ہے)۔

(1) شریعت سازی میں قرآن کس طرح نظرانداز کیا گیا؟

ہم یہ اعتراف کر کے آگے بڑھتے ہیں کہ اوّلین اَدوار میں جو بےلگام شریعت سازی ہوئی اُس کی قباحت سے متاثر ہو کر بعد والوں نے یقیناً یہ کوشش کی ہے کہ جس طرح ہو سکے اُس بے مہار شریعت سازی پر قرآن وحدیث کا تاویلی لیبل لگایا جائے۔ ورنہ آپ فقہ کی تمام تاریخیں پڑھ جائیں آپ کو دو چار آیات بھی مشکل سے ملیں گی جن کو فیصلے سے پہلے ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ورنہ دھڑا دھڑ فیصلے ہوتے ہوئے ملیں گے اور آپ قرآن وحدیث کا نام تک لکھا ہوا نہ دیکھیں گے۔ آیئے اِس کے خلاف یہیں ملاحظہ کرلیں:

(الف) ''حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا کہ کتاب اللہ میں بقیہ کا ثلث ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں۔ اور تم اپنی رائے سے کہتے ہو۔''

یہ لیجئے دونوں حضرات کا قرآن سے مستقلاً قطع نظر کر کے شریعت سازی میں اپنی ذاتی رائے کا کھلا استعمال ثابت ہو گیا اور تصدیق ملاحظہ ہو:

(ب) ''حضرت عمر سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا کہ ''تمہارے معاملہ میں کیا ہوا؟'' اُس نے کہا کہ علیؑ اور زید نے یہ فیصلہ کیا۔ بولے اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا۔ اُس نے کہا کہ آپ کو کس نے روکا ہے؟ خلیفہ تو خود آپ ہیں۔ بولے کہ اگر میں تم کو قرآن وحدیث کی طرف لوٹا سکتا تو اُن ہی کی طرف لوٹاتا'' لیکن میں

تم کو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہوں۔'' اور رائے ایک مشترک چیز ہے۔ اِس بنا پر اُنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زید کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا۔'' (دونوں بیانات تاریخ فقہ یا تاریخ تشریع صفحہ 170)

قارئین کرام کے لئے فی الحال یہ دونمونے کافی ہیں۔ دراصل قرآن کے بیانات کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر عامۃ المومنین کا اطمینان ملحوظ ہے۔ چونکہ اُن کے ذہن کو اللہ ورسولؐ یا قرآن وحدیث سے وابستہ کرنا ہمارا پہلا مقصد ہے۔ اس لئے ہم اُن علمائے کرام کے بیانات دکھاتے ہیں جو خود اُس شریعت سازی کے حامی ہیں۔

(2) چمچہ ٹائپ کے لوگ اپنے شریعتمداروں کے احکام پر حدیث چپکا دیا کرتے تھے

شریعت سازی کے اُس دَور میں ایک مخالف آواز کبھی کبھی کانوں تک پہنچتی معلوم ہوتی ہے۔ نظارہ یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن مسعود کا شریعت کدہ مقدمہ سے متعلق لوگوں، کارندوں اور مشیروں سے آراستہ ہے۔ جب آپ نے فیصلہ سُنا دیا تو حسبِ قاعدہ اعلان فرمایا کہ اگر یہ فیصلہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے۔ اور غلط ہو تو میری جانب اور شیطان کی جانب سے ہے۔ خدا اور خدا کے رسولؐ اُس کے ذمہ دار نہیں۔ اِس پر اُن کے ہم نشینوں میں سے ایک آدمی یعنی معقل بن سِنان الاشجعی، جو صحابی رسولؐ تھے نے کہا کہ خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو خود رسولؐ اللہ نے بروع بنت واشق الاشجعیہ کے معاملہ میں کیا تھا۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ فتویٰ رسولؐ اللہ کے فتویٰ کے مطابق پڑ گیا تھا اس لئے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اُس سے پہلے کبھی اس قدر خوش نہ ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ اس فتوے میں اُن کے مخالف ہیں۔ وہ اُس عورت کو وراثت دلواتے ہیں۔ اُس کے لئے عدت لازم قرار دیتے ہیں۔ اور اُس کو مہر نہیں دلواتے اور کتاب اللہ کے مقابلہ میں قبیلہ اشجع کے ایک بدّو کا قول تسلیم نہیں کرتے۔'' (تاریخ تشریع اسلامی صفحہ 174)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ جس طرح عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت اپنی ذاتی رائے اور سوجھ بوجھ سے فتویٰ دیا کرتے تھے اُسی طرح جناب عبداللہ بن مسعود حضرت عمر کی پیروی کرتے تھے۔ اور قرآنی احکام کا تذکرہ تک نہ کرتے تھے۔ بلکہ عـــامۃ المسلمین کو عادت ڈال رہے تھے کہ وہ پلٹ کر یہ دریافت نہ کریں کہ جناب آپ کا یہ یا وہ فیصلہ کون سی آیت یا حدیث کے ماتحت ہے۔ بالکل یہی طریقہ ہمارے مجتہدین حضرات کے یہاں ایک ہزار سال سے چلا آ رہا ہے۔ آپ تحفۃ العوام یا کوئی اور مسائل واحکام کی کتاب اُٹھا کر دیکھیں ہرگز کسی آیت یا حدیث کا نام تک نہ ملے گا۔ شرط یہی ہے کہ وہ کتاب کسی مستند یا لوگوں میں مشہور مجتہد کی ہو۔ یُوں ہونا چاہئے، یوں نہیں ہونا چاہئے، یہ سورہ پڑھو، رکوع یوں کرو، تشہد میں یہ پڑھو، یہ پڑھنا بدعت ہے، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، یہ سنت ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے، یہ اَحوَط ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور بفضل اجتہاد ہمارے مومنین کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہ طریقہ کہاں سے آیا ہے کس نے قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دینے کو رواج دیا ہے۔ کس نے ہم

سب کومستقلاً مُقلدِ اور جاہل رکھنے کا پروگرام بنایا تھا؟ اور جب ہم کہتے ہیں کہ مذہبِ حقہ شیعہ اثناعشریہ میں اجتہاد حرام اور مجتہدانہ شریعت سازی حرام کاری ہے، تو احادیث وآیات کا ثبوت موجود ہوتے ہوئے بھی جناب شیخ محمد صدیق ہی خفا نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام شیخ وشیوخی وشیخی ادارے ہمارا بائیکاٹ کرنے اور ہمارے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری ایک دلیل اور ایک اعتراض کا جواب تک دینے کی علمیت و جرأت نہیں رکھتے۔ حالانکہ اُن کے اور اُن کے علمائے سُوء کے عقائد اور تحریروں کی بناپر شر پسند لوگ اذان واقامت سے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ وَصِیُّ رَسُولِ اللّٰہ وَ خلیفتهٔ بلا فصل کو نکلوانے کے لئے مقدمات دائر کر رہے ہیں۔ اِس لئے کہ اِن دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ نے متفقہ طور پر مانا اور لکھا ہے کہ شہادت ثالثہ کے بغیر اذان و اقامت سو فیصد صحیح ہے۔ لامحالہ عدالت میں ایسے مقدمات کا فیصلہ مذہبِ شیعہ کے خلاف ہونا چاہئے۔ لیکن ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے اور بارہ سال سے اُردو زبان میں بھی اُن حضرات کو دشمنِ آئمہؑ اور دشمن مذہبِ شیعہ لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس داخلی دشمن گروہ کے چہرے سے نقاب ہٹا چکے ہیں۔ اور عدالتوں میں اُن کے بیانات کو چیلنج کر چکے ہیں۔ مقدمات کو خارج کراتے آ رہے ہیں۔ اور ثابت کر رہے ہیں کہ شہادت ثالثہ دین کے ہر کام میں عموماً اور اذان واقامت ونماز میں خصوصاً واجب ہے۔ اور جان کے خطرہ کے علاوہ جس وجہ سے بھی کوئی شیعہ شہادت ثالثہ کو ترک کرتا ہے اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہے اور وہ ولایت محمدؐ وآل محمدؐ سے خارج ہے۔

(3) شریعت سازوں کے متعلق خوش فہمی اور عقیدت مندی

قرآن اور حدیث دونوں کو نظر انداز کرنے کے ثبوت کے بعد بھی الگ سے حدیث کا تذکرہ صرف عوام مومنین کے اطمینان کی غرض سے کیا جا رہا ہے ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ آج چونکہ حقائق پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور دن رات صدیوں سے عامۃ المسلمین کے قلوب واذہان میں تاریخ وحدیث وقرآن کے خلاف، شریعت سازوں کی عقیدت اور جھوٹی عزت قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے غلط قصے گھڑتے سُناتے چلے آ رہے ہیں۔ اور جو کوئی اصل حقیقت لکھنا یا بیان کرنا چاہتا تھا اُس کا منہ بند کرنے، اسے تباہ کر ڈالنے پر پورا زور لگا دیا جاتا تھا۔ بہرحال اب ہمیں یہ بھی دکھانا پڑ رہا ہے کہ شریعت سازی کرنے والوں کے پاس نہ قرآن تھا نہ قرآن اُنہیں زبانی یاد تھا۔ نہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پوری زندگی گزاری تھی۔ نہ ایسا ممکن تھا نہ انہیں آنحضرتؐ کی ہر حدیث اور ہر فیصلہ معلوم تھا۔ ایسی حالت میں وہ اپنی شریعت سازی کو کیسے قرآن وحدیث کے ماتحت رکھتے؟ یہ اُن کی مجبوری تھی کہ جو کچھ اُنہیں قرآن میں سے یاد تھا، جو چند احادیث انہوں نے سنی تھیں، زندگی میں جو قومی رسم ورواج معلوم تھے، تجارت اور سفر کے دوران ایران وروم وشام ویونان وغیرہ ملکوں اور حکومتوں کے

جوقوانین ورسم ورواج معلوم ہوئے تھے،اُس سب سامان کے نتیجے میں جو بھی بصیرت اور تجربہ پیدا ہوا تھا یا جو آپس میں مشورہ کے بعد بہتر معلوم ہوتا تھا اُس سے فیصلے صادر کر دیتے تھے۔اور فیصلے دینے والے بھی مسلمان تھے اور رعایا بھی مسلمان تھی اس لئے اُن فیصلوں کا نام اسلامی شریعت رکھنا پڑا تھا۔ورنہ اُن فیصلوں کی وہی پوزیشن تھی جو مختصراً قرآن اور علامہ مودودی کے بیانات سے سامنے آچکی ہے۔چونکہ یہ سب حضرات ہمارے بزرگ تھے۔ہمارا چولی دامن کا ساتھ تھا۔اس لئے ہمیں اُن کی طرف انگشت نمائی خود اچھی نہیں معلوم ہوتی۔یہ فطری چیز ہے اور ہمہ گیر ہے کہ کسی کو بھی اپنے بزرگوں کی مذمت پسند نہیں آتی۔کانے کو کانا اور گنجے کو گنجا کہنا کبھی پسند نہیں آتا۔لوگ چاہتے ہیں کہ سچ مچ کا عیب بھی کسی طرح پوشیدہ رہ جاتا۔بات صرف اُس حد تک کی جاتی جہاں تک ضروری ہو۔طعن وطنز سے احتراز کیا جاتا تو مسلمانوں کے مختلف طبقات میں نفرت نہ پھیلتی۔لوگ غور سے بات سُنتے، سمجھتے اور حق کو رفتہ رفتہ اختیار کرتے چلے جاتے۔

(4) شریعت سازادارہ کاعِلمُ القراٰن

قارئین کرام مندرجہ بالا فطری صورتِ حال میں اس قدر اور اضافہ فرمالیں کہ قرآن کریم تئیس (23) سال میں بتدریج سُنایا گیا تھا۔اور آخری وحی اور آیت رحلتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چندروز پہلے نازل ہوئی تھی۔اور اِس تئیس سالہ مدت میں قریب ترین صحابہ بھی ہر وقت ساتھ نہ رہے تھے۔اُن میں مزدور بھی تھے تاجر بھی،اُن میں پیشہ ور افراد بھی تھے کاشتکار بھی۔ الغرض اِن حالات میں صحابہ کو جس قدر قرآن ملا اُس کا تذکرہ سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری اور تاریخ التشر یع الاسلامی سے ملاحظہ فرمائیں:

باب جمع القراٰن حدثنا موسٰی بن اسماعیل عن ابراھیم بن سعد قال حد ثنا ابن شھاب عن عبید بن السَّبَّاق اَن زید بن ثابتٍ قال اَرْسَلَ اِلَیَّ ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ قال ابوبکر اَنَّ عمرا تانی فقال ان القتل قد استحرّیوم الیمامۃ بقرّآء القراٰن وانی اخشٰی ان اسْتَحَرَّ القتل بالقُرّآ ء بالمواطن فَیَذْھبُ کثیر مِنَ القراٰنِ وانی اَرٰی ان تامر بجمع القراٰن ۔قُلْتُ لِعُمر کیف نفعل شیًا لم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال عمر ھٰذ ا واللّٰہ خیر فَلَمْ یزل عمر یراجعنی حتّٰی شرح اللّٰہ صدری لِذٰ لك وَرَاَیت فی ذٰلك الذی رای عمر۔ قال زید قال ابوبکر انك رجل شابّ عاقل لانتھمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتتبع القراٰن فَاَجْمَعْہُ فواللّٰہ لَو کَلّفونی نقل جبل من الجبال ما کان اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا امرنی بہ مِن جمع القراٰن ۔ قلت کیف تفعلون شیئًا لم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ؟ قال ھوواللّٰہ خیر ۔ فلم یزل ابو بکر یرا جعنی حتّٰی شرح اللّٰہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر وَ عُمَرَ فَتَتَبّعتُ القراٰن اجمعہ من العُسُبِ واللِّخَاف و صد ور الرجال حَتّٰی وجدتُ اٰخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جآء کم رَسُوْلٌ مِّن اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ

عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حتّی خاتمة بَرَآءَ ةً فکانت الصُّحُفُ عند ابی بکرٍ حتّی توفّاهُ اللّٰہ ثُمَّ عند عمر حیاته ثم عند حفصة بنت عمر ۔(بخاری جلد 2 صفحہ 746-745 نور محمد چھاپ)

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل یمامہ کی شہادت کے بعد مجھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلوایا۔ میں پہنچا تو حضرت عمر بن خطاب بھی اُن کے پاس موجود تھے تو 1: مجھ سے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ عمر نے مجھ سے آ کر بیان کیا کہ 2: جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ 3: اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی حفاظ نے شہادت پائی تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ 4: اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں۔ 5: میں نے عمر سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کریں جس کو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا تھا؟ 6: بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ 7: غرض وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے۔ 8: یہاں تک کہ خدا نے اس کیلئے میرے دل کو کھول دیا۔ 9: اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی جو عمر کی تھی۔ 10: زید بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر نے فرمایا کہ 11: تم جوان، عاقل آدمی ہو تم میں کوئی قابل الزام عیب نہیں پاتے۔ 12: اور تم رسولؐ اللہ کے کاتب وحی تھے۔ 13: اس لئے قرآن مجید کو ڈھونڈ و اور جمع کرو۔ 14: تو خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کی تکلیف دیتے تو مجھ کو قرآن کے جمع کرنے سے زیادہ گراں نہ گزرتی۔ 15: میں نے کہا کہ آپ لوگ وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہیں جس کو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا؟ 16: بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ 17: الغرض ابوبکر بھی مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے۔ 18: یہاں تک کہ خدا نے میرے دل کو بھی اُس چیز کے لئے کھول دیا جس کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دلوں کو کھول دیا تھا۔ 19: تو میں نے قرآن کو تلاش کر کے کھجور کی شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا۔ 20: یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابوخزیمہ انصاری سے ملا۔ 21: ابوخزیمہ کے علاوہ سورہ توبہ کا یہ آخری حصہ اور کسی کے پاس نہ تھا (یقیناً تمہارے پاس تمہارے ہی نفوس میں سے ایک رسولؐ آیا ہے۔ آخر سورۃ برأۃ تک)۔ تو یہ صحیفے تا دمِ وفات حضرت ابوبکر کے پاس رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر کی زندگی میں حضرت عمر کے پاس رہا۔ پھر حضرت حفصہ کے پاس رہا۔'' (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 158-157)

(5) قرآن کریم سے رسولؐ کریم اور صحابہ کرام کا تعلق واقعات کے آئینہ میں

صحیح بخاری کا یہ بیان اپنے اندر وہ تمام حقائق لپیٹے ہوئے ہے جن کا انکار کرنے کے لئے بعد والے مؤرخین ومحدثین و اہل کارانِ حکومت طرح طرح کے حیلے حوالے اور روایتیں تراشتے اور تاویلیں کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اُنہوں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ اُمت کے عوام اُن کی اِن کوششوں سے واقف ہو جائیں۔ یہ کام ہمارے حصہ میں رکھا گیا تھا کہ ہم مفسدہ پردازانِ اسلام کو بتائیں کہ تم لوگوں نے مذہب اسلام میں جن احکام وعقائد وشریعت کو رواج دیا اور اُمت کے عوام کو فریب میں مبتلا کیا وہ

نہ خالص اسلام کی تعلیم ہیں نہ رسولؐ اللہ سے ماخوذ ہیں ، نہ وہ قرآن کے احکام ہیں۔ بلکہ مختلف زمانوں کی حکومتوں نے اپنی مصلحتوں کو،ضرورتوں کو معیار بنایا اور دھڑ ادھڑ شریعت سازی کر کے خودساختہ مسائل اور فیصلوں پر اسلام کا ٹھپہ لگا دیا۔اور جن لوگوں نے اُن کے خانہ ساز احکام اور شریعت کے خلاف منہ کھولا یا قرآن وحدیث سے صحیح حکم پیش کیا، اُن کا منہ بند کرنے کے لئے دلیل وبرھان کے بجائے کفر والحاد وارتداد کا فتویٰ جڑ دیا اور موقعہ ملا تو دار پر چڑھا دیا۔سر کٹوا دیا، جلاوطن کر دیا ورنہ لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے رضا کار اور تنخواہ دار اسٹاف کو ملک میں پھیلا دیا۔

ہم بخاری کی اس حدیث کا پوسٹ مارٹم کریں گے۔اپنے شیعہ سُنی مومنین کو دکھائیں گے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد کیا تھا۔اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھلی تکذیب ہوتی ہے۔قرآن کریم کو مشکوک اور تحریف کا شکار دکھایا گیا ہے۔اور قرآن کریم میں مذکور راسخونؑ فی العلم کے علوم القرآن کو چھپالینا مقصود ہے۔اور قرآن وحدیث کا انکار کر کے ذاتی عقل ورائے سے شریعت سازی کا جواز پیدا کیا گیا ہے۔یہود ونصاریٰ کی تعلیمات اور نظامِ اجتہاد کو اختیار کر کے مندرجہ بالا قسم کی شریعت واحکام وعقائد تیار کر لینا اور اسلام کو بدل ڈالنا مطلوب تھا۔اور اس طرح ہنگامی حالات کی آڑ میں بیٹھ کر ایک اسلام نُما کفر اسلام کی جگہ نافذ کرنے کا جواز نکالا گیا تھا۔ہمیں معلوم ہے کہ اُمت کے عوام خواہ شیعہ ہوں یا سُنی عوام ہوں۔بخاری شریف کے بیان سے نکلنے والے نتائج سے حیران بھی ہوں گے اور اُنہیں قبول کرنے میں تکلف بھی فرمائیں گے۔اس لئے کہ علما نے عوام کے سامنے کبھی وہ چیزیں بیان نہیں کیں جو اُن کی کتابوں اور قلوب واذہان میں پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔اور رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر عوام کے عقائد کو خراب کرنے کے لئے سامنے لائی جایا کرتی ہیں۔مگر یہ نوٹ کرلیں کہ علما نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ صحیح بخاری قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے۔اور علما کو تو یہ اختیار ہے کہ وہ بخاری میں مذکور جس حدیث کا چاہیں انکار کر دیں۔ لیکن اگر عوام میں سے کوئی شخص صحیح بخاری کی بات سے انکار کرے یا ماننے میں تکلف کرے تو وہ صرف مذہب اہلسنت ہی سے نہیں بلکہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔لہٰذا انکار کرنے والے ہوشیار رہیں۔ہمارے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا حدیث کے جملوں کو نمبر وار پڑھیں،غور فرمائیں،اپنے موجودہ عقائد اور مسلّمات سے مقابلہ کر کے ہمارے اخذ کردہ نتائج کو قبول فرمائیں یا رَدّ کرتے چلے جائیں۔مگر آپ کا ردوقبول اگر آپ کے اپنے اپنے ایمان کے تحفظ میں ہے تو ہمیں آپ کا انکار بھی منظور ہے اور آپ کے اقرار سے بھی ہم متفق ہیں۔

(الف) صحیح بخاری کے بیان کا پس منظر تنقید کی روشنی میں

اس بیان کا ہر جُملہ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد تک مسلمانوں کے پاس کوئی قرآن ایسا نہ تھا جیسا حضرت عمر کے مشورہ کے بعد زید بن ثابت نے جمع کر کے دیا تھا۔اور حضرت ابوبکر صدیق کا یہ فرمانا کہ جو کام رسولؐ اللہ نے بھی

نہیں کیا وہ کام میں کیسے کرسکتا ہوں؟ اور اُن کا ہر دفعہ انکار کرتے رہنا بتاتا ہے کہ اُن کی اسلامی بصیرت اور زندگی بھر کی اسلامی تعلیمات اور تجربہ کی رُو سے قرآن کا جمع کرنا سراسر رسولؐ اللہ کی سُنت اور عملدرآمد و پالیسی کے خلاف تھا (جملہ نمبر 4، 7،5)۔یہی کچھ جناب زید بن ثابت کا عقیدہ تھا (جملہ نمبر 15، 17)۔لہٰذا یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نہ آنحضرؐت نے قرآن جمع کرایا، نہ حضوؐر نے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔نہ اپنی رسالت کے دوران قرآن جمع کرنے پر اظہار خیال فرمایا، نہ اُس ضرورت کو محسوس کیا جو آپؐ کے انتقال کے چند ماہ بعد پیش آنے والی تھی۔اور جس خطرناک پوزیشن کو حضرت عمر نے محسوس کیا وہ آنحضرؐت اور تمام صحابہ کرام کی نظر و بصیرت سے اوجھل رہی۔آج جو تاریخ ہمارے پاس ہے اُس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اہم ترین اسلامی ضرورتوں کو نظرانداز کر دیا کرتے تھے۔اور ایسے مواقع پر حضرت عمر ہی اُس قسم کی خامیوں کو رفع فرمایا کرتے تھے۔چنانچہ آنحضرؐت اپنی جانشینی ایسے اہم ترین اور اُمت کے خطرناک ترین مسئلہ کو بھی (معاذاللہ) اُسی طرح چھوڑ گئے تھے جس طرح قرآن کو کوئی اہمیت دیئے بغیر ایسے حال میں چھوڑ گئے کہ اگر حضرت عمر اپنی دُور بین نگاہوں سے اس تباہ کن صورت حال کو نوٹ نہ کر لیتے اور پھر خلیفہ اوّل حضرت صدیق کو پریس (Press) کر کے رضامند نہ کر لیتے اور جناب زید بن ثابت دن رات محنت کر کے ہر پتھر اور ہر اینٹ، کھجور کی ہر ٹہنی اور ہر ہڈی اور ہر جھلی کو اُلٹ پلٹ نہ کرتے، گھر گھر در در پھر کر جو جہاں سے ملے آیات جمع نہ کرتے تو یہ قرآن جو آج اُمت کے ہاتھوں میں ہے فنا کے گھاٹ اُتر گیا ہوتا۔(جملہ نمبر 1 تا4، 6، 8، 11، 16 تا21)

(i) اُمت کے ہر ہر فرد کو حضرتِ عمر کا شکرگزار ہونا چاہیئے

یہ عنوان ہمارے ملک کے بےنظیر عالم کے حکم سے متاثر ہو کر قائم کیا گیا ہے۔اُمت کیا کہتی ہے؟ ہمیں اُس کی اِس وقت پرواہ نہیں ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن پر کیا اثر پڑتا ہے؟ قارئین جانیں۔ہمیں تو بڑے پُرخلوص مقلّد کی طرح اپنے علما کے فرمان آپ تک پہنچانا ہیں۔چنانچہ جناب شمس العلما حضرت شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں بخاری کی زیر بحث حدیث لکھ کر ہر ایسے تصور کو باطل ثابت کر دیا ہے جس سے کسی طرح یہ وہم پیدا ہوتا ہو کہ رسولؐ اللہ نے کوئی قرآن جمع کر کے اُمت کو دیا تھا۔اس کے بعد اُنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک فیصلہ لکھا ہے سنئے۔سر کو جھکایئے اور سجدہ شکر بجا لایئے، ارشاد ہے کہ:

''امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین منّت فاروقِ اعظم در گردنِ اُوست۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 58)

''آج مسلمانوں میں کسی بھی فرقہ یا گروہ کے ہر اُس شخص کی گردن پر حضرت فاروق اعظم کا احسان ہے جو قرآن پڑھتا ہے۔''

(ii) قارئین کرام ایک عاجزانہ سوال کا جواب سوچیں

عاجزانہ اس لئے کہ سوال آپ سے نہیں بلکہ جناب فاروق اعظم سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضور جب یہ طے ہو گیا کہ آپ کے پاس یا کسی اور صحابی کے پاس پورا جمع شدہ یا حافظہ میں محفوظ قرآن نہ تھا۔ بلکہ قرآن جزوی طور پر کچھ لوگوں کے دماغوں میں محفوظ تھا، کچھ اِدھر اُدھر مختلف اور غیر محفوظ چیزوں پر لکھا ہوا تھا (جملہ نمبر 2، 3، 13، 14، 18 تا 21) تو جناب کے اس فرمان سے کون سی کتاب مراد لی جائے کہ ''ہمارے لئے تو اللہ کی کتاب کافی ہے (حَسْبُنَا كِتَابَ اللّٰهِ)؟'' کیا ہم اس فرمان سے وہ قرآن مراد لے لیں جو آپ نے انتقالِ رسولؐ اور جنگ یمامہ کے حادثہ سے متاثر ہو کر ایک سال بعد جمع کرانے کا بندوبست کیا تھا؟ جس کا آپ کو اور کسی بھی صحابی کو علم نہ تھا کہ کتنا حصہ کس کے پاس اور کہاں ہے؟ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کو وہ تمام احکامات وعلوم معلوم نہ تھے جو پورا قرآن یاد ہونے کی صورت میں ہی ممکن تھا۔ یقیناً آپ نے وہ قرآن مراد نہیں لیا ہوگا جو انتقالِ رسولؐ کے وقت کہیں ایک جگہ موجود نہ تھا۔ اور اگر آپ نے قرآن مراد لیا ہوتا تو آپ ایک وسیع الاطراف اور تین لفظی جُملہ کے بجائے ایک دو لفظی محکم جملہ بولنا جانتے تھے۔ قرآن مقصود ہوتا تو حَسْبُنَا القراٰن ہمیں قرآن کافی ہے کہنا آپ کی علمیت کا تقاضہ ہوتا۔ پھر آپ نے تو حَسْبُنَا فرمایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہی نہیں ہیں کہ ''ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' اس لئے کہ آپ نے لفظ ''کافی'' استعمال ہی نہیں فرمایا ہے۔ حَسْبُنَا کے معنی مقلّدین نے بلا دلیل کافی کر لئے ہیں۔ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ''اللہ کی کتاب ہمارے حسب حال ہے۔'' یعنی ہمارے ملکی وقومی اجتماعی حالات وتقاضات کے حساب سے تعلیمات خداوندی ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ انفرادی تصورات ومیلانات وحالات وتقاضات خدا کی ہر کتاب میں ناپسندیدہ ہوتے ہیں؟ ہم کو اپنے اس سوال کا اور متعلقہ سوالات کا جواب آپ کے بیانات میں کہیں نہیں ملتا۔ رہ گئے وہ جوابات جو آپ کی تصدیق کے بغیر آپ کے غلط پیروؤں اور آپ کے نام پر روزی کمانے والوں یا آپ کی آڑ میں اپنا سکہ اور حکومت چلانے والوں نے گھڑے ہیں؟ وہ ہمیں اسی لئے قبول نہیں کہ وہ خود غرض، اپنے تحفظ میں مشغول اور آپ کی رضامندی کے بغیر جواب دینے والے لوگ ہیں۔ ہمیں آپ کا وہ بیان درکار ہے جو آپ سے منسوب مگر مسلّمہ ہو۔ ورنہ ہم آپ کے متعلق وہی کچھ سمجھیں گے جو ہمیں آپ کی اسلامی زندگی کے دوران آپ کے اور کتاب اللہ کے تعلق سے معلوم ہوگا۔

(iii) صرف قرآن ہی کتاب اللہ نہیں، توریت بھی تو مصدقہ کتاب اللہ ہے

ہمارے قارئین گھبرائیں نہیں غور فرمائیں بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ جس طرح سب کو بات کرنے کا موقع دیتے ہیں ہمیں بھی موقع دیں۔ ہم یہ دکھا چکے ہیں اور ابھی اور دکھائیں گے کہ حضرت عمر ایک قانون دان بزرگ تھے۔ اُن کی ہر رائے اور

ہر فیصلہ اسلام کا قانون بنتا چلا گیا۔ اُن کی قانونی سوجھ بوجھ نے قرآن ورسولؐ کے اُن فیصلوں کو منسوخ کر دیا جو مفادِ عامہ کے خلاف جاتے تھے۔ اِس کی چند مثالیں آپ کے سامنے سے گزر چکی ہیں۔ ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت عمر کے فیصلوں اور اُن کی ذاتی رائے اور شریعت سازی کی بنیاد کیا تھی؟ عوام الناس سے بے دھڑک کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے فیصلے اور قانون سازی کتاب وسنۃ کے مطابق ہوتی تھی۔ یہاں پہلے تو وہی سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ کتاب سے آپکی کیا مراد ہے؟ اور سُنّت سے کس کی سنّت مقصود ہے؟ اور کیوں آپ علما حضرات اور خود حضرت عمر قرآن اور رسوؐل کی سنت کہنا پسند نہیں کرتے۔ یہ گول مول مبہم جملے تو قانون کی زبان میں زیب نہیں دیتے۔ وہ کھسیانی آواز میں فرماتے ہیں کہ لفظ گیری نہ کریں۔ کتاب وسنت سے ہماری اور حضرت عمر اور تمام مجتہدین کی مراد بہر حال قرآن اور رسولؐ ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر جب اُنہیں گن گن کر اور مثالیں اور حوالے دے کر دکھایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں آیت قرآن میں موجود ہوتے ہوئے، اور فلاں فلاں رسوؐل کا فیصلہ سنّت میں موجود و معمول بہ ہوتے ہوئے، حضرت عمر دونوں کے خلاف قانون سازی کرتے ہیں، سزا مقرر کرتے ہیں، لفظ حلال وحرام کرنا بولتے ہیں اور حد جاری کرتے ہیں تو اب وہ حضرت عمر کا تو کوئی بیان پیش نہیں کرتے۔ بلکہ لاجواب ہو کر یہ فرمایا کرتے ہیں کہ ''حضرت عمر قرآن کے الفاظ کی نہیں بلکہ پورے قرآن کے الفاظ کی اسپرٹ (Spirit) کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔'' ہم اس جواب کو قبول کر لیتے اگر یہ جواب حضرت عمر کے اپنے الفاظ یا بیان میں ہوتا یا کسی طرح اُن کے بیانات یا واقعات وحالات سے یہ ثابت ہو جاتا یا اب کوئی آگے بڑھ کر ثابت کر دکھائے کہ حضرت عمر پورے قرآن کے عالم تھے۔ اور یہ علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دیا تھا، قرآن کے مفاہیم اور ظاہری وباطنی تفسیر یا قرآن کی سپرٹ (Spirit) رسولؐ اللہ سے سیکھی تھی۔ اس لئے ہمیں یہ بہتر معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقی نماز تک پہنچنے سے پہلے پہلے اُن حضرات کا مختصر سا حال دکھاتے چلیں جنہوں نے آنحضرؐت کے بعد دین کے تمام مسائل واحکام وعقائد کے ساتھ ساتھ عبادات روزہ، نماز حج وزکاۃ اور خمس وجہاد میں بھی اپنی پسند و ناپسند کو دخیل رکھا۔ اسلئے ہم نے عنوان بدلا اور بخاری ومسلم ایسی کتابوں سے اُن حضرات کا علم القرآن اور علم الحدیث دکھانے کے لئے زیرِ تنقید حدیث قارئین کے سامنے رکھ دی۔ جس کو بڑے فخر کے ساتھ الفاروق میں، تاریخ الخلفاء میں اور ہر اُس کتاب میں لکھا گیا ہے جو حضرت عمر کے حالات زندگی، طرزِ حکومت اور شریعت سازی کے سلسلے میں لکھی گئی ہے۔ اور اُس حدیث کی موجودگی میں تمام صحابہ میں سے کسی ایک صحابی کو بھی نہ پورے قرآن کا حافظ کہا جا سکتا ہے، نہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ کسی صحابی کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ ورنہ جناب زید بن ثابت کے در در مارے پھرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ قرآن کا حافظ وعالم تو تنہا بیٹھ کر چند روز میں پورا قرآن مع تفسیر وتاویل وشانِ نزول کے ساتھ لوح محفوظ کی ترتیب اور ترتیبِ نزولی کے ساتھ لکھ کر دے سکتا تھا۔ اور ایسا وہی شخص ہو سکتا تھا جو یا خود نبیؐ ہوتا یا جس کا پالنے اور تربیت کرنے والا خود اللہ کا رسولؐ ہوتا۔ جو ہر لمحہ وحی کے

نزول وصعود پر مطلع رہتا۔ جس کو خود قرآن کریم پورے قرآن کا یا علم الکتاب کے مفصل عالم ہونے کا سرٹیفکیٹ دیتا (رعد 13/43)۔ چنانچہ جس کتاب کی روشنی میں شریعت سازی اوراجتہاد کیا جاتا تھا وہ کتاب توریت تھی۔ اور نظام اجتہاد اور علم الفقہ کی تعلیم وتائید جہاں سے حاصل کی تھی وہ یہودی علما تھے جنہیں قرآن کی آیات سے ہم نے طاغوت ثابت کر دیا ہے۔ اب یہ دکھانا ہے کہ حضرت عمر کا توریت و یہود سے کیا تعلق تھا۔

4۔ توریت کے نام پر قانون سازی کا مرکزی ادارہ

قارئین جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک جن خاندانوں کے پاس تعلیماتِ خداوندی کا ورثہ چلا آ رہا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی دو شاخیں تھیں۔ یعنی اسماعیلیؑ خاندان اور اسرائیلی خاندان۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت نابت علیہ السلام اپنے والد کے جانشین امام ہوئے اور اُن کے بعد امامت کا سلسلہ اس خانوادہ میں برابر جاری رہا اور اس سلسلۂ اسماعیلی کا آخری امام حضرت ابو طالب علیہ السلام کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پال پوس کر تمام سابقہ ہدایات وتعلیمات وتبرکات اور کتبہائے قدیم وجدید معہ خاندانی ریکارڈ و تاریخ سرکارِ دو عالم کے سپرد کر دیئے اور یوں امامت ونبوت ورسالت اپنے آخری نقطۂ عروج اور خاتم النبینؐ تک جا پہنچی اور ملت ابراہیمی کی تکمیل کا دور شروع ہوا۔ اُدھر حضرت اسحٰق علیہ السلام عہد اسماعیلؑ میں مرکز کے ماتحت نبیؑ رہے۔ اُن سے دو بیٹے حضرت عیسوؑ اور حضرت یعقوب علیہ السلام توام یعنی جڑواں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور نبوت حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے مقدر تھی۔ وہ حضرت اسحٰاق کے قدرتی جانشین ہوئے۔ مگر لوگوں میں حضرت عیسو علیہ السلام کی مقبولیت زیادہ تھی۔ اس لئے کہ جڑواں ہونے کے باوجود اُن کو حضرت یعقوبؑ سے بڑا اور بزرگِ خاندان اور جانشین اسحاق علیہ السلام سمجھا جا رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے رحم مادر سے باہر آئے تھے۔ اور حضرت علیؑ کے فیصلے سے قبل کے ادوار میں بزرگی کا یہی معیار تھا کہ جو بچہ پہلے پیدا ہو وہ دنیا میں اُس بچے سے پہلے آیا پہلے سانس لیا وغیرہ جو بعد میں پیدا ہوا۔ اور حساب ہے بھی صحیح۔ یعنی پہلے سانس سے آخری سانس تک ہی تو عمر کو شمار کرنا چاہیئے۔ حضرت علیؑ نے رحم مادر سے بعد میں باہر آنے والے بچہ کو بڑا اقرار دیا تھا۔ یعنی رحم مادر میں جس کا نطفہ پہلے پہنچا وہ پہلے تخلیق کے ہاتھوں میں آیا۔ اور بعد میں داخل ہونے والا ادارۂ تخلیق کے حضور لیٹ پہنچا اور اُس کا بننا بعد میں شروع ہوا۔ پہلے والے کی تکمیل پہلے ہوئی لیکن پیدا ہونے میں پہل وہ کرے گا جو بعد میں داخل ہوا۔ اور رحم کے منہ کے قریب رہا۔ یہ راستے سے ہٹ لے تو پہلا بچہ باہر آئے گا۔ بہرحال حضرت عیسوؑ جناب یعقوب کی شہرت اور مقبولیت کی راہ میں رکاوٹ بننا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے ایک عمدہ اور جائز عذر پیدا کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور وطن مالوف کو ہمیشہ کے لئے خاندان سمیت چھوڑ دیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے سرپرستی کی، اپنی بیٹیؑ سے شادی کی اور وہ خاندان اسماعیلی کے معزز

ممبر اور خاندان کی طرح رہنے لگے۔

حضرت اسحاؑق کے خاندان کے انبیاؑ اور حکمران بادشاہ و مَلِک اور سلطان ہمیشہ مرکزی امامت کے ماتحت رہتے آئے۔ یہ سبب تھا کہ اِن دونوں خاندانوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک دوستانہ و رشتہ دارانہ محبت کے تعلقات تھے۔اُن تعلقات کی گہرائی اور مذہبی پوزیشن دکھانے کے لئے اللہ نے ساٹھ (60) آیات کے ایک مجموعہ کا نام سُوْرَۃُ الرُّوْم مملکت روم سے منسوب سُورہ رکھ دیا اور یہ پیشگوئی فرما دی کہ عنقریب وہ دشمنوں سے چھینا ہوا علاقہ واپس لے کر اُن پر غالب ہو جائیں گے۔اور دونوں (اہل کتاب اور مسلم) طرف کے مومنین کو خوشی اور جشن منانے کا حکم دیا گیا (روم 30/1-8)۔چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا ہر امامؑ ہر بادشاہ اور ہر حکمران اس مذہبی حکومت کی نصرت کرتا رہا اور آنحضرؐت کے زمانہ میں جو کامیابی رومی حکومت کو ہوئی تھی وہ نبطی حکومت کی مدد سے ہوئی تھی۔یعنی خانوادۂ رسولؐ میں قرآن کی مذکورہ ابراہیمی مملکتِ عظیمہ (نساء 4/54) نبطی بادشاہوں اور اسرائیلی حکمرانوں کی صورت میں مسلسل اڑھائی ہزار سال سے چلی آرہی تھی۔اسی وجہ سے عربوں کو دنیا کے تمام ممالک میں آزادانہ جانے اور ٹیکس سے آزاد تجارت کرنے کی سہولت حاصل تھی۔

حضرت عیسوؑ کی اولاد حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے شانہ بشانہ ہر جگہ آباد ہوتی اور ہر انتظام میں شریک کار رہتی چلی آرہی تھی۔دونوں میں نام کے علاوہ مذہبی اختلاف نہ تھا۔شادی بیاہ اور مرنا جینا اور دیگر رسومات بلا کسی امتیاز کے منائی جاتی تھیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ مدینہ میں قبیلہ اوس وخزرج خانوادہ رسولؐ کے نبطی قبائل تھے۔جنہیں بعد میں انصار کا خدائی لقب ملا۔ مدینہ ہی میں حضرت عیسوؑ کی اولاد کے قبائل بھی آباد تھے۔چونکہ اسرائیلی حکومتوں کے اشارہ پر مذہبی اداروں نے قانون سازی میں اجتہاد شروع کر دیا تھا۔اور ہر نئی خود کاشتہ ضرورت اور تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے وہاں بھی نظام اجتہاد نے توریت کی شریعت کو اپنے حالات پر فٹ (FIT) کر لیا تھا۔اسلئے جب اسلام آیا تو وہ تمام قوانین تعلیمات قرآن کے سامنے باطل قرار پا گئے جو اجتہاد کے ذریعہ سے مجتہدین اور اُن کی حکومتوں نے ایجاد کئے تھے۔زانی کو سنگسار کرنے کے بجائے خود ایجاد کردہ سزا دینے کا قصہ آپ نے سابقہ اوراق میں دیکھا ہے۔

قومی دباؤ اور مملکتی مصالح کی بنا پر اہل کتاب شریعت سازی پر مجبور ہوئے تھے۔اور حضوؐر کے زمانہ تک اہل کتاب کا مرکزی قانون ساز ادارہ کم از کم دو ہزار سال کا قانونی تجربہ رکھتا تھا۔اسلئے کہ توریت کا قانون پندرہ (15) سو سال قبل مسیح سے نافذ چلا آرہا تھا۔اسرائیلی حکومتوں کے یہاں تمدن کے تمام تقاضے پورے کرنے کا انتظام تھا۔خصوصاً سلطنت روم کے یہاں فوجیں بھی تھیں، پولیس بھی بر سر کار تھی، سمندری افواج اور محکمے بھی تھے، بیت المال بھی تھے، کان کنی کے محکمے بھی تھے، محکمہ مال بھی تھا، محکمہ زراعت بھی تھا، دفاتر تھے، قوانین سے ہر محکمہ مالا مال تھا۔مختلف رجسٹر، فارم (Form) میزانیے، فائلیں (Files) تھیں،

نقشے تھے اور مرکزی نگرانی کے لئے محکمہ جاسوسی (C.I.D) بھی تھا۔ ہر محکمہ کے الگ قوانین کے ساتھ ساتھ مرکزی قانون بھی تھا۔ ہر محکمہ کے عہدوں کے نام مقرر و معروف تھے۔ قانون ساز (اسمبلی) ادارہ بھی مختلف مدارج میں تقسیم تھا۔ عدالتیں تھیں، جیل خانے تھے، ہسپتال تھے، درسگاہیں تھیں۔ اقلیتوں کے لئے باقاعدہ نظام تھا، مسافر خانے اور محتاج خانے بھی تھے۔ الغرض شریعت موسوی کو تقاضائے وقت، مفاد عامہ، اجتماعی مصلحت وغیرہ کی مشینوں میں سے گزار کر ہر بات اور ہر فرضی خیال تک کے لئے قانون کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ وزارت امور مذہبی اور وزارتِ امور خارجہ کی طرف سے دنیا کے تمام ممالک میں مذہبی تبلیغ کے ادارے قائم تھے۔ عرب میں مدینہ یہود کا مرکزی مقام تھا۔ ویسے پورے ملک میں ہر نمایاں مقام پر ہر شہر اور ہر منڈی میں یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں تھیں۔ وہی تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ پورے ملک کے یہودیوں پر مدینہ کے مرکزی ادارہ کا کنٹرول تھا۔ یہودی خود بھی سرمایہ دار و خوشحال تھے اور مملکت روم وغیرہ بھی انہیں ہر مدد دیتی تھی۔ وہ چیزیں جو نایاب یا کمیاب تھیں جیسے نوشت و خواند کا سامان کاغذ کتابیں وغیرہ سب اُن حکومتوں کی طرف سے ملتا رہتا تھا۔ ملک عرب کے لوگ جو جنسی اشتراکیت اور لادینی سے محفوظ تھے وہ سب یہود و نصاریٰ کے یا یوں کہئے کہ رومی حکومت کے مذہبی اجتہادی قانون سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

اسلام آیا تو اہل کتاب نے نظام اجتہاد کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ اور جب ہجرت کے بعد رسول اللہؐ خود مدینہ آ گئے تو یہاں سے کشمکش شروع ہوتی ہے۔ جسے قرآن طاغوت اور اسلام کے مابین کشمکش قرار دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہود و نصاریٰ مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کو نظام اجتہاد کی وسیع اور حسین راہ پر ڈال دیں۔ اُنہوں نے خفیہ و اعلانیہ اُس اجتہاد کی تعلیم مسلمانوں میں راسخ کرنا شروع کی جو بعد میں شریعت سازی میں بڑا مفید اور اثر انگیز ثابت ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ایک جماعت کو خریدا گیا۔ اپنے ماہرین و مجتہدین کو کلمہ اور نماز کی اجازت دے کر مسلمانوں میں گھل مل جانے اور نظام اجتہاد کے فوائد بتانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ نبیؐ پر نظام مشاورت کو قائم کرانے کا دباؤ ڈلوایا گیا۔ شخصی حکومت کے نقصانات اور خاندانی اقتدار کی مذمت پر زور دیا گیا۔ توریت کے طرز پر قانون سازی کی طرح ڈالنے کے اقدامات کئے گئے۔ تعلیمات وحی کو مفاد عامہ کے ماتحت قرار دینے اور کثرت الناس کی رضا جوئی کو لازم کہہ کر مسلمان دانشوروں کو متوجہ کیا گیا۔ اور اُدھر کھل کر تعلیماتِ توریت اور رومی قوانین کی افادیت نمایاں کرنے کے لئے یہودی علما کو بھی آگے بڑھایا گیا اور بتدریج رسول اللہؐ کی پوری قوم کو رضا مند کر لیا گیا کہ وہ قرآن کو شریعت ساز ادارہ کے ماتحت لا کر چھوڑے گی۔ (سورہ فرقان 31-25/30)

(1) یہودی تعلیمات دانشورانِ اسلام میں پھیلانے کی کوشش

پہلے سب سے مقدس کتاب سے ملاحظہ فرمائیں کہ یہودیوں کا مدنی ادارۂ اجتہاد کس طرح دانشوران قوم کو اجتہاد کی جانب مائل کر رہا تھا؟ اور رسول اللہؐ کس اصول کے ماتحت مسلمان مفکرین کو اجتہاد سے بچانا چاہتے تھے؟ جناب علامہ محمد اسماعیل

بخاری نے مدنی ادارہ اجتہاد کی ان کوششوں کو باقاعدہ ریکارڈ کرنے کے لئے یہ عنوان قائم کیا تھا۔

''بَاب مَا یَجُوْزُ مِنْ تَفْسِیْرِ التَّوْرٰۃ وَ کُتُبِ اللّٰہِ بِالْعَرَبِیَّۃِ وَ غَیْرَ ھَا''۔ ''وہ باب جس میں یہ لکھا جائے گا کہ توریت اور اللہ کی دوسری کتابوں کی زبان عربی وغیرہ میں کتنی تفسیر کرنا جائز ہے؟'' پھر وہ لکھتے ہیں کہ:

(الف)۔ اِنّ ھِرَقلَ دَعَا تَرْجُمانہ ثم دَعَا بِکِتَابِ النّبیؐ فقرأہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم من محمدٍ عبد اللّٰہ و رسولہ الی ھِرَقلَ ویا اھل الکتاب تعالوا اِلٰی کلمۃ سواءٍ بینناو بینکم۔ (پارہ تیس صفحہ 1125)

''ابوسفیان نے بیان کیا کہ ہرقل نے اپنے ترجمان کو بلایا پھر آنحضرتؐ کا خط منگایا۔ ترجمان نے پڑھا اللہ کے نام سے ابتدا کرتا ہوں جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ یہ خط اللہ کے بندے اور رسول محمدؐ کی طرف سے ہرقل کے نام ہے کہ اے اہل کتاب آؤ ہم اور تم اُن حقائق پر متفق ہوجائیں جو ہم دونوں میں برابر کے مسلّمات میں داخل ہیں۔'' پھر یہ لکھا کہ:

(ب)۔ قال کان اھل الکتاب یقرؤن التورٰۃ بالعِبْرانیّۃِ ویفسّرونھا بالعربیّۃ لاھل الاسلام۔ فقال رسولؐ اللّٰہ لَا تُصَدِّقوا اھل الکتاب ولا تکذّبو ھم و قولوا اٰمَنّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنزِلَ اِلَیْنَا و ما اُنزِل الیکم۔ (ایضاً پارہ 30 صفحہ 1125)

ابو ہریرۃؓ نے کہا کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں توریت پڑھ کر مسلمانوں کو توریت کی تفسیر عربی میں سنایا کرتے تھے، اس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ تم لوگ توریت کی تفسیر کی نہ تو تکذیب کرنا اور نہ اُسے مان لینا بلکہ اُن اہل کتاب مفسرین ومترجمین کو یہ کہا کرو کہ ہم اُس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی ہمارا ایمان ہے جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔''

اس کے بعد وہ حدیث ہے جو یہودیوں کے اجتہاد کے سلسلے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ توریت میں حکم تو سنگسار کرنے کا ہے۔ مگر اُس سزا کو اجتہادی مصلحت سے تبدیل کر دیا گیا تھا۔ یہاں قارئین سوچیں کہ جناب بخاری نے عنوان لکھ تو دیا تھا۔ مگر بعد میں کوئی مصلحت سامنے آئی اور بس یہ تین حدیثیں لکھ کر آگے بڑھ گئے۔ بہرحال آنحضرتؐ کے جواب سے معلوم ہوا کہ تفسیر کی تصدیق کرنا اس لئے غلط ہوگا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کی معصوم تفسیر نہیں تھی۔ اس میں خودساختہ اصول ومسلّمات اور اجتہادی تصورات بھی تھے جو اس تفسیر کو منشاءِ خدا اور رسولؐ سے الگ اور مختلف کر دیتے ہیں۔ اور تکذیب سے اس لئے منع کیا کہ اس تفسیر میں صحیح باتیں بھی ہیں۔ اب آپ دو باتیں سوچیے کہ آپ کے اپنے یہاں کی تفسیروں کا کیا حال ہے؟ کیا اُن سب تفسیروں کو اللہ و رسولؐ پسند کر کے اُن کی تصدیق کر دیں گے؟

(2) رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں مدنی ادارۂ اجتہاد کامیاب ہوتا گیا

قارئین اگر آپ عہدِ رسولؐ میں ہوتے تو رسولؐ اللہ کے مندرجہ بالا حکم کے بعد یہود کی درسگاہوں میں جانا فضول سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ اس لئے کہ وہاں جانا تو اُسی وقت ضروری ہوتا جب کہ یا تو صحابہ علم کے اُس مقام پر ہوتے جہاں سے اُس مجتہدانہ

تفسیر کی عالمانہ اور معصوم تصدیق ہوسکتی یا اس میں سے غلط پہلو نکال کر باقی کی تصدیق اور تکذیب الگ الگ ممکن ہوتی۔ یہ تو ایک ایسا طریقہ بتایا گیا تھا جو جاہل سے جاہل شخص کو بھی گمراہی سے بچانے کے لئے ممکن تھا۔ مگر وہ لوگ بدستور اُن محفلوں میں جاتے رہے جنہیں مجتہدانہ انداز فکر کو سیکھنا تھا۔ جنہیں توریت کی طرح قرآن کو بھی قانون سازی کے لئے اپنی قومی وملکی مصلحتوں اور ضرورتوں پر ڈھالنا تھا۔ آخر ایک دن وہ آیا کہ اُن حضرات سے یہ سوال کیا گیا کہ:

(الف)۔ عَنْ ابن عباس قال کیف تسألون اهل الکتاب عَنْ کُتُبهم و عند کم کتاب اللّٰه اقرب الکتب عهدًا باللّٰهِ تقرؤنه محضًا لَمْ یُشَب۔ (صحیح بخاری پارہ تیس، صفحہ 1122)

عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ تم لوگ قرآن کو چھوڑ کر اہل کتاب کی کتابوں کی تلاش میں کیوں رہتے ہو حالانکہ جو کتاب تمہارے پاس ہے وہ باقی تمام الہامی کتابوں کے مقابلہ میں اللہ سے قریب ترین عہد کی ہے اور ابھی تم نے پڑھنا ہی شروع کیا ہے پرانی نہیں ہوئی ہے کہ دل اُکتا جائیں۔

(ب)۔ اِنّ عبداللّٰه بن عباس قال یا معشر المسلمین کیف تسألون اهل الکتاب عن شیءٍ و کتابکم الذی انزل اللّٰه عَلٰی نبیّکم احدث الاخبار باللّٰه محضًا لَمْ یُشَبْ و قد حدثکم اللّٰه اِنَّ اهل الکتاب قد بدّلوا مِنْ کُتُبِ اللّٰه وغَیّرُوا فکتبوا بایدیهم الکُتُبَ قالوا هُوَ من عنداللّٰه لِیشتروا به ثمنًا قلیلا اَو لا ینهاکم ماجاء کم من العلم عن مسالتهم وَلَا واللّٰه ما رَأَیْنَا رَجُلًامنهم یسالکم عن الذی اُنزل علیکم۔ (بخاری پارہ نمبر 30 صفحہ 1122 کتاب الرد علی الجهمیة)

دوسری حدیث میں اُن ہی نے کہا کہ ''اے مسلمان معاشرہ کے لوگو تم کس وجہ سے اہل کتاب سے کسی بھی چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے ہو؟ جب کہ تمہارے لئے اللہ نے تمہارے نبیؐ پر ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو اللہ کی تمام باتیں بیان کرتی ہے۔ اور ابھی پُرانی نہیں ہوئی ہے۔ اور پھر تم ایسی صورت میں بھی سوالات کرنے سے باز نہیں آتے جب کہ تم کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی تمام سابقہ کتابوں میں تغیر وتبدل کر دیا ہے۔ اور اُنہوں نے اپنے اجتہادی روزگار کو چالو رکھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ اپنے لکھے ہوئے کو بھی اللہ کے بیانات واحکام قرار دیتے رہتے ہیں۔ اور کیا تمہیں کتاب خداوندی میں یہ ممانعت نہیں کر دی گئی ہے کہ اہل کتاب سے کچھ بھی دریافت نہ کیا کرو؟ اور قسم بخدا ہم نے اہل کتاب میں کا ایک شخص بھی تو ایسا نہیں دیکھا جو مسلمانوں سے قرآن کے متعلق کوئی سوال کرتا ہو۔''

(یہ تمام احادیث صحیح بخاری کتاب الرد علی الجهمیة، پارہ نمبر 30 صفحہ 1122 اور 1125 کی ہیں)

قارئین نوٹ کر لیں کہ صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کا ایک پورا معاشرہ یہودی مرکز اور تورات واجتہاد سے تعلق رکھتا تھا اور کسی طرح باز نہ آتا تھا۔ اب ہم جناب علامہ شبلی کو آگے بڑھاتے ہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ اُن کا مقصد کیا تھا؟ اور

وہ کیوں قرآنی ممانعت کی خلاف ورزی کرتے تھے؟

(3) شبلی صاحب کا محتاط قلم اور حضرت عمر کا یہودی علما سے ربط وضبط

قارئین علامہ شبلی اعلی اللہ مقامہٗ بڑے زوروں میں ہیں، حضرت عمر کے ذاتی حالات، اخلاق وعادات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

(الف) ''قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اُنہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہے کہ اُس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرؐت کے زمانہ میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

کان اهل الکتاب یقرؤن التورٰۃ بالعبرانیة و یفسرونها بالعربیة لاهل الاسلام ۔یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے۔ اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔'' مسند دارمی میں روایت ہے کہ:۔

(ب) ''ایک دفعہ حضرت عمر توریت کا ایک نسخہ آنحضرؐت کے پاس لے گئے اور اُس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرؐت کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت خود پڑھ سکتے تھے۔ یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے یہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے۔ اُن کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیوں کہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 132-131)

(4) شبلی صاحب کی دوہری خیانت کے باوجود حضرت عمر روشنی میں آگئے

قارئین کرام نے ذرا دیر پہلے بخاری سے ابو ہرؓیرہ والی روایت دیکھی تھی۔ وہاں اُسے یہودیوں کی تبلیغ قرار دیا گیا ہے۔ اور رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یہودیوں کی تفسیر کا بالکل اثر نہ لیں۔ اپنے تاثرات ظاہر نہ کریں یعنی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب میں الجھیں اور اگر بولنا ہی پڑے تو کتبہائے سماوی پر ایمان کا اعلان کر کے اُنکی ہمت شکنی کر دیں۔ (پیرا نمبر 1 کا ب)

اس روایت کو شبلی صاحب نے مسلمانوں کی اپنی ضرورت بنا کر لکھا ہے۔ اور اس خیانت کو چھپانے کے لئے حدیث کے لفظ یفسرونہ کو ترجمہ کرنا بنا دیا ہے۔ اُنہوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ جب رسولؐ اللہ کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو یہودیوں سے مدد لیتے تھے۔ وہ کتاب تورات لے کر آجاتے اور عربی میں ترجمہ سنا دیتے تھے۔ حالانکہ یہ اُسی درسگاہ میں تفسیر توریت کا بیان ہے

جہاں حضرت عمر کا اکثر جانا مان لیا ہے۔اور درس اجتہاد لینا ثابت کر دیا ہے۔

پھر قارئین نے بخاری کی باقی احادیث میں یہود سے مسائل دریافت کرنے کی ممانعت بار بار دیکھی۔لیکن مولانا شبلی اس ممانعت کا قطعاً ذکر نہیں کرتے۔تاکہ حضرت عمر کا یہود کے درسوں میں جانا مذموم نہ ہو جائے۔پھر مولانا نے حضرت عمر کے توریت لانے ،رسولؐ کے سامنے پڑھنے اور رسولؐ اللہ کے چہرہ کا متغیر ہونا لکھ کر پوری صورت حال پر پردہ ڈال دیا اور عبرانی زبان کے علم سے حضرت عمر کو واقف لکھ کر چل دیئے،گویا توریت پڑھ کر سنانے میں کوئی قباحت نہ تھی۔رسولؐ کے سامنے عموماً ایسا ہوتا رہتا تھا۔بہرحال ہمیں جناب شبلی کا احسان مند ہونا چاہیئے کہ انہوں نے بھی ہماری اس بحث میں جان ڈالدی اور تائید فرمادی کہ حضرت عمر نے مدینہ میں آتے ہی عبرانی زبان میں دستگاہ حاصل کی۔یہودی درسگاہوں میں توریت کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی اور یقیناً آپ نے اجتہاد اُسی درسگاہ سے سیکھا۔علم الفقہ ،اصول فقہ یہودی مرکز سے حاصل کیا اور انتہائی بات یہ کہ حضرت عمر سارے مسلمانوں کے مقابلہ میں علمائے یہود کو بہت عزیز تھے۔یعنی آپ خالصتاً وہ ہستی ہیں جنہوں نے یہودیوں کے قدیم اجتہاد کو مسلمانوں میں جاری کیا اور ظاہر ہے کہ آپ کی قانون سازی میں یہودی مجتہدین ہمیشہ مددگار رہے ہوں گے۔

(5) حضرت عمر کا یہودی مرکز اور توریت سے ربط وضبط رسولؐ اللہ کی نظر میں

شبلی صاحب نے جس روایت میں خیانت کی ہے۔وہ ہمارے قلم سے ملاحظہ ہو اور دیکھیں کہ حضرت عمر کی مجتہدانہ پوزیشن رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق کی نظر میں کیا مقام رکھتی تھی۔اور تعلیمات اسلام کے مقابلہ میں حضرت عمر کا رویہ اُنہیں کس طرف لے جارہا تھا؟ ہم اُس روایت کی عربی عبارت بھی لکھیں گے،ملاحظہ ہو:۔

عن جابرؓ اَنّ ابن الخطّاب آتی رسولؐ اللّٰه بِنُسخة مِنَ التّوراة فقال یا رسولؐ اللّٰهِ هٰذه نُسخة مِن التَّوراة ۔ فَسَکَتَ۔فجَعَلَ یقرء ووجه رسولؐ اللّٰه یتغیّر ۔فقال ابو بکر ثکلتك الثواکل مَا تَرَی مَا بوجه رسولؐ اللّٰه فَنَظَرعمر اِلٰی وجه رسولؐ اللّٰه فقال آعُوْذُ باللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰه وَ غَضَبِ رسوله رضینا باللّٰه رَبًّا وبالاسلام دِینًا و بِمحد نبیًّا ۔فقال رسوؐل اللّٰه والذی نفس محمدؐ بیده لوبدا لکم موسٰی فا تبعتموه و ترکتمونی لَضَلَلْتُمْ عن سواء السبیل ولو کان حیًّا وادرك نبوّتی لَاَ تبعنِی۔(مشکوۃ برحاشیہ مرقاۃ مطبوعہ مصر جلد 1 صفحہ 215)

''حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ خطاب کے صاحبزادے حضرت عمر توریت کا نسخہ لئے ہوئے رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور کہا کہ یارسولؐ اللہ یہ توریت ہے۔رسولؐ اللہ نے بات تو الگ حرکت بھی نہ کی چپ سادھے رہے۔اس معنی خیز خاموشی کے باوجود حضرت عمر نے توریت پڑھ کر سنانا شروع کر دی۔اور اُدھر رسولؐ اللہ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے متغیر ہوتا گیا۔ حضرت ابوبکر نے یہ صورتحال دیکھ کر عمر سے کہا کہ تجھے رونے والیاں خوب روئیں دیکھتا نہیں ہے کہ رسولؐ کے چہرہ کا

غصہ سے کیا حال ہو گیا ہے؟ اب عمر نے آنحضرتؐ کے چہرہ کو دیکھا۔ جلدی سے کہا کہ میں اللہ کے اور رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم راضی ہوئے اللہ سے ایک پروردگار مان کر۔ اور اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمدؐ کو اپنا نبیؐ قبول کر کے۔ اس توبہ اور طلب معافی پر بھی رسولؐ نے قسمیہ فرمایا کہ اُس ہستی کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر موسیٰؑ تم پر ظاہر ہو جائیں تو تم مجھے چھوڑ کر موسیٰؑ کی پیروی اختیار کر لوگے اور اس طرح سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو یقیناً وہ ضرور میری اتباع کرتے۔''

یہاں ہم قارئین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا رسولؐ اللہ کا یہ قسمیہ بیان غلط ہے؟ یا غلط ہو سکتا ہے؟ یعنی کیا رسولؐ اللہ ایسے کمزور ضمیر انسان تھے کہ غصہ میں ایسی باتیں کہہ گزریں جو حقیقتاً صحیح نہ ہوں؟ کیا یہ اتنا خطرناک بیان حضرت عمر کے قلبی جذبات وتصورات کی حقیقی ترجمانی ہے؟ اور اگر یہ حقیقی ترجمانی نہیں ہے؟ یعنی حضرت عمر اتفاق سے، خلوص دل کے ساتھ، بھولے پن سے توریت اُٹھالائے تھے۔ وہی توریت جسکی حضورؐ نے قرآن کے الفاظ میں تصدیق کی ہے (بقرہ 2/97، سورہ انعام آیت نمبر 92یا93) اُس کا پڑھنا اتنا بڑا جرم نہ تھا کہ طلب معافی اور اقرار توحید و نبوت کے بعد بھی یہ سب کچھ کہہ دیا جائے؟ اور اللہ کی قسم بھی کھالی جائے۔؟ قارئین کو دونوں میں سے ایک کو بدترین جرم کا مجرم ماننا ہوگا۔ بہر حال یہ تھی وہ روایت جسے یوں ٹہلا کر شبلی صاحب گزر گئے۔ اب قارئین حضرت عمر کا یہودیوں کی درسگاہوں میں جانا اور اس قدر یہود سے ہم رنگ وہم آہنگ ہو جانا کہ وہ انہیں سارے مسلمانوں سے زیادہ پسند کریں۔ اور پھر سوچیں کہ کیا یہ ہر درس میں جانا کوئی پوشیدہ اور صیغہ راز کا عملدرآمد ہوگا؟ کیا رسولؐ اللہ کو وحی کے ذریعہ سے بھی اس تعلیم وتعلم کی اطلاع نہ ہوئی ہوگی؟ جب رسولؐ اللہ ایک دن توریت پڑھنے پر یہ کچھ فرما سکتے ہیں تو نظام اجتہاد سے شِیر وشکر رہنے اور تعلیماتِ اجتہاد وفقہ اور قانون سازی سیکھنے پر رسولؐ اللہ کے تصورات کیسے ہوں گے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمر کا شریعت سازانہ مستقبل دیکھ کر نہ اُن کی توبہ کا لحاظ کیا نہ اقرارِ توحید واسلام اور نبوّت کی پرواہ کی اور اپنا آخری فیصلہ سنا دیا؟

(6) اللہ ورسولؐ کی باتیں وہ جانیں ہم تو اس قدر سمجھے کہ دونوں ہمارے ہمدرد تھے؟

بات کچھ یوں معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر کا بار بار توریت اور مدینہ کے یہودی مرکز سے رابطہ رکھنے پر دھمکیاں کھانا اور آخر تک اس سے باز نہ آنا کسی معمولی مقصد کیلئے نہیں ہو سکتا تھا۔ یقیناً اُن کو انتہائی حدود تک یہ یقین تھا کہ آنحضرتؐ کا طرزِ تبلیغ چند روز میں غیر موثر ہو جائے گا۔ یہ محدود اور بے لچک احکام لوگوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور رفتارِ ترقی کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ اور لوگ بدستور اپنے رسم ورواج، اپنی رائے یا پڑوسی ممالک کے قوانین کو اپنا راہنما بنالیں گے۔ لہٰذا اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ وہ دنیا کے

قدیم ترین قانون سازادارے کے دوہزار سالہ علم وتجربہ سے فائدہ اُٹھائیں اور وہ اصول وقوانینِ فقہ سیکھیں جن سے قرآن وسنت کو ہمہ گیر صورت دی جانا ممکن ہے۔جن سے آیات واحادیث میں ایسی لچک پیدا ہو جائے کہ جس آیت نے جو مقصد بیان کیا ہے اس کو بھی بحال رکھا جائے اور اُسی مقصد کی مختلف اقسام بنا کر وہ مقصد بھی حاصل کرلیا جائے جسکی کسی وقت ضرورت پیش آنا ممکن ہو۔اُنہوں نے غالبًا یہ سوچا کہ دنیا میں ہر مذہب اللہ کی طرف سے آیا تھا۔لوگوں نے اُس میں کانٹ چھانٹ کر کے کسی خاص مطلوبہ صورت پر ڈھال لیا۔یوں مذاہب میں حقیقی تعلیم کے خلاف اختلافات اور تنازعات پیدا ہوئے۔اگر ہم اُس کا اُلٹ کرتے رہیں تو ہمارا ہر فیصلہ منشائے خداوندی کے مطابق ہوتا چلا جائے گا۔یعنی ہم یہ کریں کہ:

1: محدود مقاصد کی جگہ ہمہ گیر مقاصد کو سامنے رکھیں 2: کسی خاص صورتحال کے بجائے تمام متعلقہ حالات و اسباب کو ملحوظ رکھیں 3: کسی ایک الہامی کتاب کو راہنما بنانے کے بجائے تمام کتب خداوندی سے استفادہ کا اصول اختیار کریں۔اور آخری بات یہ کہ 4: نوع انسان کی پوری عقل وبصیرت کو یا کم از کم کثرت الناس کی عقل وبصیرت کو استعمال کر کے اپنے احکام اور فیصلے صادر کریں۔اِن چار اصولوں کے ماتحت جو بھی حکم، فتویٰ یا فیصلہ ہوگا وہ سو فیصد وہی ہوگا جو وحی خداوندی یا علم الٰہی سے معلوم یا صادر ہوگا۔

ہماری پوری تحقیق اور غیر جانبدارانہ رائے کا یہ فیصلہ ہے۔ساری دنیا سُنے اور شیعہ وسُنی مومنین ومحققین وقارئین نوٹ کریں کہ میں حضرت عمر کو منافق نہیں کہتا۔بلکہ جن لوگوں نے اُن کو از اوّل تا آخر منافق سمجھا ہے اُنہیں ناسمجھ اور فریب خوردہ کہتا ہوں۔حضرت عمر ایک زمانہ میں ایسے کام یقیناً کرتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ وہ ایک گروہ میں منافق مشہور ہو جائیں چنانچہ واقعی مسلمانوں کا ایک گروہ یہ مغالطہ کھا گیا۔میں جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔میں لوگوں کے پیدا کردہ مواقع سامنے دیکھ کر اس لئے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں بے وقوف بنانے کے لئے کسی عقل مند یا عقل مندوں نے مواقع کا جال نہ بچھایا ہو۔ذرا سوچیں کہ یہ بہت ہی سوچنے کا مقام ہے کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے دشمنوں کے تمام خفیہ منصوبوں پر مطلع رہیں تو صرف اس قدر کافی نہیں ہے کہ آپ اُن دشمنوں کے دوست بن جائیں۔بلکہ اُن دشمنوں کا پوار پورا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ لوگ کُھل کر اور چپکے چپکے آپ سے اس لئے نفرت کریں کہ وہ آپ کو اُن دشمنوں کا معتمد اور دوست و راز دار سمجھتے ہیں۔لہٰذا آپ اُدھر ایسے کام کریں جن سے آپ کی دوستی ثابت ہو اور اِدھر ایسی حرکتیں کریں کہ آپ کی جماعت میں آپ کے خلاف منافق ہونے کا شہرہ وغوغا بلند ہو جائے۔

غور فرمائیے کہ اُدھر وہ برابر ایسے کام کرتے رہے کہ یہود نے اُن کو عزیز ترین دوست اور اپنا معتمد ہونے کی سند دی تھی اور ادھر وہ حضرت جو کچھ کرتے رہے اُسی سے گھبرا کر تو یہ بیان دیا جارہا ہے۔بھرے مجمع میں رسولؐ اللہ کیا کیا کچھ حضرت عمر کے لئے

فرماتے رہے؟ اُس کے لئے ہمیں دو ہزار صفحات لکھنے کی ضرورت ہے۔اور رسولؐ کے مذمتی بیانات سن کر یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے ربط وضبط دیکھ کر عوامِ اُمت مشکوک ہوتے اور باتیں بناتے رہے۔اور بزعم خود جو صحابہ خود کو عوامِ اُمت سے بلند درجہ کا سمجھتے تھے وہ حضرت عمر کو منافق مشہور کرتے رہے۔اور اُنہیں اس غلط یقین پر پختہ کرنے کے لئے جناب عمر نے بھری محفل میں اعلان بھی کر دیا کہ بِاللّٰہ یَا حذ یفة اَنَا مِنَ المنافقین "قسم بخدا اے حذیفہ میں منافقین میں سے ہوں"، لیکن باوجود حضرت عمر کی اس کوشش کے کہ اُنہیں منافقین میں سے سمجھا جائے نہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُن کو اُس اسکیم میں مدد دی۔اور نہ ہم نے ایک منٹ کے لئے حضرت عمر کو منافق سمجھا۔ بلکہ ہزاروں مومنین کو اس زبردست اسکیمی مغالطہ سے نکالا۔اور بتایا کہ حضرت عمر ایک مخصوص مومن تھے۔ وہ ایک مخصوص خدا پر ایمان لائے تھے۔ وہ نبوت ورسالت کو ایک مخصوص حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ اُن کا اسلامی تصور بھی منفرد اور مخصوص تھا۔ وہ توحید ونبوت وقیامت وعبادت اور وحی اور کتبہائے الٰہیہ پر ایمان لائے تھے اور ایسا ایمان کہ اُس میں اُنہیں ہرگز کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں ہوا۔جن چیزوں میں اُنہیں شک ہوا یا شک رہا وہ اُن کے ایمان سے باہر کے فروعات ومتعلقات ہیں۔ وہ اپنے ایمان میں بے نظیر اور مستقل مزاج تھے۔یعنی جو چیز ایک دفعہ اُن کے ایمانیات و یقینیات میں داخل ہوگئی۔ پھر اُس کے خلاف اُنہوں نے کسی کی بات نہیں مانی حتّٰی کہ رسولؐ اللہ کے اصرار وتکرار سے بھی اپنے ایمانی تصورات اور فیصلوں کو نہیں بدلا۔اگر کسی آیت سے اِس کا وہم ہوا کہ وہ فاروقی ایمان کے خلاف جاتی ہے تو آپ نے اپنے ایمان ویقین کو بدلنے کے بجائے اُس آیت کی عوامی یا عمومی تفہیم کو غلط کہہ کر اپنی مخصوص تاویل وتفہیم پیش کر دی۔مگر اُن کے ایمان کی نظیر کہیں نہیں ملتی حتّٰی کہ خود نبیؐ کا ایمان بھی اُن سے مختلف تھا۔اِسی لئے حضرت عمر مختلف احکام میں اپنا اختلافِ نظر بلا دھڑک پیش فرما دیا کرتے تھے۔ وہ لا اِلٰہ الا اللہ کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔اُنہیں نہ حج کا متعہ پسند تھا نہ عورتوں سے متعہ مفید سمجھتے تھے۔ وہ طلاق کو سرے سے ناپسند کرتے تھے۔الغرض انہیں عوام وخواص وصحابہ سے ہی نہیں آنحضرؐت سے بھی اختلاف تھا۔الغرض وہ اسلام کی تمام تعلیمات کو ایک مخصوص انداز میں نافذ کرنے کے لئے بے چین رہے۔ وہ ازاوّل تا آخر آنحضرؐت کے انداز تبلیغ و تنفیذ کو بنظر غائر دیکھتے رہے۔ جہاں جہاں انہوں نے موقعہ مناسب دیکھا وہاں اندازنبویؐ اور انداز فاروقی کا فرق واضح کیا ورنہ وہ خاموش رہے اور انداز فاروقی کی طرف لانے کی کوشش کرتے رہے۔انداز فاروقی و انداز نبویؐ کے فرق اور اُن کی افادیت اور مضرت لوگوں کو بتاتے رہے۔ جہاں ضروری ہوا انہوں نے ٹوک کر، خم ٹھوک کر اندازِ نبویؐ کو روک دیا۔ورنہ حالات سازگار ہونے اور اُمت کی کثرت کے اجتماعی ضمیر کو تیار کرنے میں دن رات مصروف رہے۔اور کسی ملامت کرنے والے کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔ وہ یہ انتظار کرتے رہے کہ اگر رسولؐ اللہ اُن کی فہم وفراست کے معیار پر اپنے اُن لامحدود اختیارات کو استعمال کرنے پر رضامند ہو جائیں تو وہ ایک عالمی انقلاب برپا کر کے دکھا سکتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ آنحضرؐت بات بات میں اور

ہر بات پر وحی کا انتظار کریں اور ہر بات اور ہر حکم وحی کے الفاظ پر منحصر رکھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ اپنے احکام وارشاد سے یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ اُن کی ہر رائے، ہر خیال اور ہر گمان وحی کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں ساری کائنات اُن کے اقوال کو ثابت کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے اور ہر واقعہ اُن کے تصور اور گمان کے مطابق وقوع میں آتا ہے۔ بہر حال اُن کا کام عہد نبوی میں مشورہ دینے اور اپنا موقف واضح کرتے رہنے کا تھا۔ ورنہ وہ اُس زمانہ میں بھی وہی کچھ کر دکھاتے جو اپنے عہد میں کر کے دکھا دیا۔ عنوان بدلنے سے پہلے جناب علامہ شبلی سے حضرت عمر کا مقام بلند ملاحظہ فرمالیں، وہ لکھتے ہیں کہ:۔

''حضرت عمر کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے۔ کہ ''میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے'' تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا۔ جو اُن کا گمان ہوتا تھا'' اس سے زیادہ اصابت رائے کی اور کیا دلیل ہوگی؟ کہ اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 133)

یہ تھا حضرت عمر کا منشا کہ آنحضرت دھڑ ادھڑ اور فٹافٹ احکام نافذ کرتے چلے جائیں۔ اگر کوئی حکم، بالفرض محال، غلط ہو بھی جائے گا تو وحی نازل کر کے اللہ خود اُس کی اصلاح کر دے گا۔ جیسا کہ (معاذ اللہ) اکثر کرتا رہا ہے۔ اور اگر آنحضرت مذکورہ اصول اربع کے مطابق حکم دینے کے پابند ہو جائیں تو غلطی ناممکن ہو کر رہ جائے گی۔ اور یہ سب کچھ نہ کر سکیں تو ہر حکم سے پہلے حضرت عمر سے مشورہ کرنے میں تو کوئی مشکل نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اُن کو اُن کی شکایت (هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَ مْرِ مِن شَیْءٍ۔ کیا ہمیں دین کے امور میں کوئی اختیار دیا گیا ہے؟ آل عمران 3/154) کے مطابق احکامات اور فیصلوں میں اختیار دے دیا جاتا تو ہر نتیجہ اور ہر مقصد اُن کی منشا کے مطابق ظہور میں آتا۔ اور اُمت ہزاروں نقصانات سے محفوظ رہ جاتی۔ مگر افسوس کہ وقت گزرتا چلا گیا اور معاملات اُلجھتے چلے گئے۔ اور ابھی اور اُلجھتے اگر آپ نے خالص کتاب اللہ کے کافی ہونے کا نازک وجذبات شکن اعلان نہ کر دیا ہوتا۔

(7) <u>حضرت عمر دو (2) ہزار سالہ علم واجتہادی بصیرت ضائع نہ ہونے دیں گے</u>

قارئین ناپسند کریں یا کوئی اور کوتاہ آستین ناک بھوں چڑھائے، حضرت عمر اُس علمی سرمائے سے استفادہ ضرور کریں گے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب موسیٰ علیہ السلام تک تعلیماتِ خداوندی کے نتیجہ اور فکر انسانی کے ثمرہ کے طور پر یہود کے پاس موجود تھا۔ اُن کی نظر عربی زبان بولنے والی اقوام تک محدود نہ تھی۔ وہ پورے کرۂ ارضی کو اسلام کے زیر نگیں لانے کا اعلان کر چکے تھے (بقرہ 205-2/204)۔ انہیں دنیا کی تمام اقوام پر اُمتِ مسلمہ کی اطاعت لازم کرنا تھی۔ عالمی حکومت چلانے اور پوری دنیا کا انتظام کرنے کے لئے اُن کو نوع انسانی کی بصیرت اور تجربہ کی الفاظ سے ارفع واعلیٰ، کتاب درکار تھی تاکہ قرآن کے مجمل ومختصر اصولی بیانات پلک جھپکنے میں مفصل بیّنات بن جائیں۔ یہ تھا وہ منتہیٰ جہاں تک لانے کے لئے حضرت عمر بار بار

دھمکیاں کھاتے تھے۔لعن وطعن سنتے تھے مگر مایوس نہ ہوتے تھے۔انہوں نے سوچا کہ توریت کے مطالعہ سے اگر توہینِ قرآن و رسولؐ ہوتی تھی؟ تو چلو آئندہ براہ راست توریت پڑھ کر نہ سناؤں گا۔ چنانچہ اُنہوں نے رسولؐ اللہ کومتوجہ کرنے کے لئے نئے نئے انداز اختیار کئے تا کہ کسی طرح رسولؐ اللہ کی نظر جیب وداماں سے آگے جاسکے۔

(الف) انبیائے ماسبق کی احادیث وتاریخ پر تبصرہ کا مشورہ

''حضرت عمر نے آنحضرؐت سے عرض کیا کہ حضور جو احادیث ہم اہل کتاب سے سنتے ہیں ہمیں تو وہ بڑی مفید معلوم ہوتی ہیں۔اگر آپ اُن پر تبصرہ فرما کر ہمیں استفادہ کا موقعہ دیں تو میں اُن احادیث کو یہودیوں سے لکھ کر پیش کرسکتا ہوں۔یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح حیرانی میں مبتلا ہو گئے ہو باوجود اس کے کہ میں ایک ایسا روشن دین لے کر آیا ہوں کہ اگر حضرت موٰسیٰ آج زندہ ہوتے تو بجز میری پیروی کے اُن کو چارہ نہ ہوتا۔'' (مشکوٰۃ۔روایت احمد بیہقی)

(ب) حضرت عمر سابقہ علوم اور نظام اجتہاد پر قلمی ریکارڈ تیار کر رہے تھے

قارئین نے دیکھا کہ آنحضرؐت نے حضرت عمر کی تجویز پر یہ نہیں کیا کہ اُن کو یہودی احادیث کا مجموعہ مرتب کرنے کی اجازت دیتے اور پھر تبصرہ کرتے ہوئے اُن احادیث کی مفید ومضر اور صحیح وغلط باتوں کو واضح کر دیتے۔اوراس طرح حضرت عمر کو یقین ہو جاتا کہ یہود کے ساتھ اپنا وقت ضائع کرنا فضول ہے۔صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تحکم سے حضرت عمر کا ایمان ڈانواں ڈول نہیں ہوسکتا تھا اور وہ اپنے موقف میں اور بھی متشدد ہوتے جارہے تھے۔چنانچہ اُنہوں نے طے کرلیا کہ وہ اپنے لئے یہود کے دو ہزار سالہ علم وتجربہ کا نچوڑ اپنے پاس لکھ کر رکھتے جائیں گے۔رسولؐ اللہ دیکھنا چاہئیں گے تو دکھادوں گا۔چنانچہ ایک روز کا واقعہ خود ہی سنایا کرتے تھے کہ:

فَقَالَ انْطَلَقْتُ فَانْتَسَخْتُ کِتَابًا مِنْ اَھْلِ الکتاب ثُمَّ جِئْتُ به فی ادیم ۔فقال لِیْ رَسُولؐ اللّٰہِ مَا ھٰذَا فِی یدِكَ یَا عُمَر؟ قُلْتُ یَا رسولؐ اللّٰہ کِتَابًا نَسَخْتُهُ لِنَزَادُبِهٖ عِلْمًا اِلٰی عِلْمِنَا. فَغَضِبَ رسولؐ اللّٰہ حَتّٰی اَحْمَرَتْ و جنتاه ثُمَّ نُودِی بِالصَّلٰوۃ جامعة ۔فقالت الانصار اغضب نبیّکم السّلاح السّلاح فَجَاؤُا حَتّٰی احد قوا بمنبر رسولؐ اللّٰہ ۔فقال یَا اَیُّھَا الناس اِنّی اعطیت جوامع الکلم و خواتیمه وَا خْتَصَرَ لِیْ اخْتِصَارًا و لقد اتیتکم بِھَا بَیْضَاءِ نقیّة فَلا تتھو کوا وَلا یغرنّکم المتھو کون ۔قال عمر فَقُمْتُ وَقُلْتُ رضیتُ اللّٰہ رَبًّا وَ بالاسلام دینا وَ بِكَ رَسُوْلًا ۔ثُمَّ نَزَلَ رَسُوْلؐ اللّٰہ ۔(ازالۃ الخفا مقصد اوّل، جلد دوم صفحہ 123-122)

''میں معمول کے مطابق اہل کتاب کے پاس پہنچا۔اور اُن کی کتابوں میں سے ایک کتاب لکھ کر تیار کی اور اُسے ایک چمڑے کے

کَوَر میں رکھے ہوئے مسجد نبوی میں آیا۔رسولؐ اللہ نے اُس کور (Cover) کو دیکھ کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جسے میں نے اپنے اسلامی علم کے اضافہ کے لئے لکھا ہے۔بس پھر کیا تھا۔رسولؐ اللہ اس قدر غضب آلود ہوئے کہ اُن کے گال سرخ ہو گئے۔آخر کار رسولؐ اللہ نے بلند آواز سے پکارا''یہ خاص نماز اجتماع چاہتی ہے''۔اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ انصار میں کھلبلی مچ گئی اُنہوں نے ایک دوسرے کو پکارنا شروع کر دیا جلدی جلدی مسلح ہو کر پہنچو کسی نے رسولؐ اللہ کو غضبناک کر دیا ہے۔ چنانچہ انصار ہتھیاروں سے لیس ہو کر مسجد نبوی میں آ گئے اور رسوؐل کو منبر پر بیٹھے ہوئے چاروں طرف سے حلقہ میں لے لیا۔اُس کے بعد اب رسولؐ اللہ نے کہنا شروع کیا اَے لوگو مجھے تمام علوم مکمل صورت میں عطا کر دیئے گئے ہیں اور تمام علوم کو جاری کرنے کی مہریں بھی دے دی گئی ہیں۔اور علوم کی وسعتوں کو میرے لئے سمیٹ کر نہایت مختصر سا کر دیا گیا ہے۔ پھر میں نے اُن علوم میں سے چھانٹ کر وہ سہل اور واضح علم تمہیں دے دیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تابناک اور نمایاں ہے۔اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ علمی بدہضمی کا شکار ہو جانے سے بچ کر رہو۔ایسا نہ ہو کہ علمی بیماری میں مبتلا یہودی گروہ تمہیں خوش نما مغالطّوں میں اُلجھا کر رکھ دے۔حضرت عمر کہتے ہیں کہ یہ صورت حال دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور حالات کو سنوارنے کے لئے میں نے مجمعِ عام میں پھر اقرار کیا کہ اَے رسولؐ خدا میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر مجھے اسلام دین کی حیثیت سے منظور ہے اور میں آپ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہوں۔ یہ اقرار سُن لینے کے بعد رسولؐ اللہ منبر سے اُتر آئے۔''اور بات ختم ہوگئی۔

(ج) دو راہنماؤں میں سے کس کا سلوک اشتعال انگیز ہے؟

(i) اگر ہمارے سامنے سے نبوت کا دباؤ ہٹا کر ہمیں آزادیِ ضمیر و تقریر مل جاتی، اگر ہمیں عاقبت اور قیامت میں مواخذہ کا خوف نہ ہوتا تو ہم حضرت عمر کو قطعاً بے قصور، حق بجانب اور مظلوم کہہ دیتے۔مگر میں مجبور ہوں، میری بہت سی مجبوریاں میرے سامنے ہیں۔پہلی مجبوری یہ ہے کہ میں خطائے اجتہادی کو جائز نہیں سمجھتا اسلئے مجھے سچ بولنا ہے۔لگی لپٹی یا مجتہدانہ طریقہ پر بات نہیں کرنا ہے۔صحیح بات خواہ دشمن کی ہو یا کافر و منافق کی ہو یا کسی مجتہد کی صحیح بات ہو اُس کا انکار نہیں کرنا ہے۔دوسری مجبوری یہ ہے کہ میں حضرت عمر اور تمام مجتہدین کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات ہر خیال و تصور و عمل و قول کو اللہ کی منشا سمجھتا ہوں اور اُنؐ سے خطا و لغزش اور غلطی کو ناممکن مانتا ہوں۔اور تیسری مجبوری یہ ہے کہ میں ہر کتاب اور ہر مضمون میں آنحضرؐت اور حضرت عمر کی پوری سرگزشت اور پس منظر کی تفصیل نہیں لکھ سکتا ہوں۔مجبوریوں کے ساتھ لپٹی ہوئی چند ذمہ داریاں بھی ہیں۔ مثلاً مجھے علمائے سوء کے اُس خطرناک حربے کو نا کام کرنا ہے جو وہ عوام میں کسی کے خلاف نفرت پھیلانے اور منہ بند کرا دینے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔یعنی دوڑو، دوڑو اسلام خطرہ میں ہے، بزرگوں کی اور صحابہؓ کی توہین کی جا رہی ہے، چودہ سو سالہ مسلّمات اور

دینی ضروریات کا انکار کیا جا رہا ہے، قادیانی سرمایہ گردش میں ہے (علامہ شورش آنجہانی کا نعرہ)، مسلمانوں میں انتشار وافتراق پھیلانے کیلئے ایک گروہ سرگرم عمل ہے، حکومت متوجہ ہو مسلمان متفق ہو جائیں (اخبار اسد، رضا کار اور معارف القرآن) وغیرہ۔ حالانکہ اسلام اور مسلمانوں میں انتشار وافتراق کے ذمہ دار خود یہی حضرات ہیں۔ اور اُن میں کا ہر علامہ چلتا پھرتا، جیتا جاگتا اور بولتا چالتا مجسم خطرہ ہے۔ پھر مجھے اُس غلط عقیدت کی پٹی کو اُتار پھینکنا ہے جو اُن ہی خطرناک علما نے چودہ سو سال سے عوام کی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے۔ اسلئے اپنی گفتگو میں سے جائز غم وغصہ کے باوجود ترشی سے بچنا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ بعض جوشیلے اور قابل قدر نوجوان میری نرم روی پر خفا ہوں گے۔ میں اُن ہی سے یہاں مخاطب اور معذرت خواہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ میری مجبوریوں اور ذمہ داریوں کو سمجھ کر خود بھی انہیں اختیار فرمالیں۔ ہم دو ایسے راہنماؤں کے شرعی تصورات اور تعلقات کو بیان کر رہے ہیں جن میں سے ایک کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم آنے والی وحی کی پیروی کرنا (یونس 10/109 ، احزاب 33/2-3) اور رسولؐ نے فرمایا اور اُن سے حکمیہ کہلوایا گیا کہ میں تو صرف آنے والی وحی کی اتباع کرتا ہوں اور اپنی ذاتی بصیرت سے حکم وحی میں ردوبدل نہیں کر سکتا (یونس 10/15 ، اعراف 7/203 ، انعام 6/50 ، احقاف 46/9) اللہ نے ذمہ داری لی کہ آنحضرؐت کے منہ سے نکلنے والی ہر بات ہر لفظ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہوتی ہے۔ اور وہ ہرگز اپنی خواہش سے بات نہیں کر سکتا (نجم 53/3-4)۔ اور یہی احکام امت کو دئے گئے کہ وہ نہ یہود کی پیروی کریں، نہ کثرت کے عمل اور سنت کو اپنا راہنما بنائیں۔ وحی میں نازل حکم کی اطاعت کریں ہر حکم وحی سے دیں ورنہ کافر وظالم وفاسق ہو جاؤ گے۔

(ii) اس کے برخلاف قرآن وحدیث کی سند کے بغیر دوسرے راہنما کے لئے حکمرانوں اور اُن کے تنخواہ دار علما نے یہ مشہور کر دیا کہ دنیا میں ہر واقعہ حضرت عمر کے گمان وخیال کے مطابق واقع ہوتا تھا۔ وہ وحی اترنے سے پہلے ہی حقائق پر مطلع ہو جاتے تھے۔ اور وحی بھی اُن کے فیصلوں کی تصدیق کے لئے اترتی تھی۔ اور بلا کسی الہامی سند اور حدیث کے یہ بھی لکھ دیا کہ:۔

> (iii) ''اکثروں کا خیال ہے کہ نبیؐ کا ہر قول وفعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبیؐ جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امُورِ وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کیا کسی نے نہیں کیا۔'' (الفاروق حصہ دوم 98)

(iv) یہ ہے وہ پوزیشن جو حضرت عمر نے خود اختیار کی اور پھر اُس پوزیشن پر حکومتوں نے قبضہ کیا اور ہر حاکم نے اُسی پوزیشن کے ماتحت شریعت سازی کی اور اسلامی وقرآنی احکام میں نبیؐ کی سنت اور عمل درآمد وفیصلوں میں جس طرح وقت اور ضرورت کا تقاضہ ہوا تبدیلیاں کیں اور ڈنڈے، پروپیگنڈے، رشوت وتنخواہ، تخویف وترہیب ولالچ وجاگیر وعہدے اور قتل وغارت وفوج

کشی کے ذریعہ اُسی پوزیشن کو مشہور کیا، منوایا، کتابوں میں لکھا اور ہمارے زمانہ تک پہنچایا۔ اُمت کی کثرت کو علوم سے جاہل رکھنے کے لئے اجتہاد و تقلید جاری کی تاکہ لوگ اصل حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ آج بھی اختلافی مسائل پر گفتگو منع ہے۔ چونکہ حضرت عمر کی مذکورہ بالا پوزیشن قرآن و حدیث نے بیان نہیں کی اس لئے ہر اُس شخص کے خلاف شور مچا دیا جاتا ہے جو اُن کے اقوال واعمال کو روشنی میں لانا چاہتا ہے۔ تاکہ فساد و نقص امن پیدا ہو جائے اور حکومت نہ فساد چاہتی ہے نہ نقص امن اُسے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس لئے موجودہ ماڈرن اور غیر متعصب حکومتیں بھی متنازع بحثوں کو چھیڑنے سے روکتی ہیں اور مصنوعی اتحاد پر زور دیتی حقائق کو دباتی چلی جاتی ہیں۔ مگر ہماری تحریک نے وہ مواقع پیدا کئے ہیں جن میں اُس مصنوعی غیر قرآنی اور خود ساختہ پوزیشن پر برابر تنقید ہوتی چلی آئی ہے۔ سنئے شبلی صاحب خود ہی مندرجہ بالا بیان میں مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

> ”اخراج کی تشخیص، جزیہ کی تعین، ام الولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ (یعنی جتنی تبدیلیاں حضرت عمر نے کی تھیں وہ سب) مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا (چیلنج) کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اُن مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے۔ لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کر دیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔“ (الفارق حصہ دوم صفحہ 98)

(v) یہاں ہم اپنے اہلسنت قارئین کو صرف دو باتیں بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اہلسنت کے یہاں جو مذہب مروج ہے اُس کا دارومدار اِن چار اماموں پر ہے، نوٹ فرمالیں:۔

1۔امام ابوحنیفہ	پیدائش 80 ہجری، 699 عیسوی	وفات	150 ہجری، 769 عیسوی
2۔امام مالک	پیدائش 95 ہجری، 714 عیسوی	وفات	179 ہجری، 795 عیسوی
3۔امام شافعی	پیدائش 150 ہجری، 767 عیسوی	وفات	204 ہجری، 819 عیسوی
4۔احمد بن حنبل	پیدائش 164 ہجری، 780 عیسوی	وفات	241 ہجری، 855 عیسوی

ان چاروں کے تصورات اور مذاہب میں اختلاف کی وجہ سے اہل سنت میں چار فرقے ہیں۔ اور تمام فرقے اِن چاروں فرقوں کو برحق سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ ٹوٹل حق چاروں میں تقسیم شدہ ہے۔ لہٰذا یہ نہ کہنا چاہئے کہ اُن میں سے فلاں فرقہ حق پر ہے۔ کیوں کہ ایسا کہنے سے تین فرقوں کو باطل پر ماننا لازم آتا ہے۔ لہٰذا امام شافعی اور اُن کا فرقہ بھی حق پر ہے۔ گویا اہل سنت کا ایک امام اور اس کا فرقہ، جو اہل سنت کی کثرت میں ابوحنیفہ یا حنفیوں کے بعد دوسرے نمبر پر ہے، حضرت عمر کی شریعت سازی کو باطل اور مذموم مانتے ہوئے بھی حق پر ہے۔ لہٰذا حضرت عمر کی شریعت سازی کا انکار کرنا اُسے باطل سمجھنا آپ کو مذہب اہلسنت سے اور حق سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اس لئے لکھا گیا ہے کہ آپ ہمارے بیانات پڑھتے ہوئے یہ خوف محسوس نہ

کریں کہ کہیں آپ خدانخواستہ حق سے دور نہ ہو جائیں۔لہٰذا آیئے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی طرح ہم بھی اُن تمام فیصلوں اورشریعت سازی پرغوروفکر کریں جوقرآن اورسنت رسولؐ کے خلاف ہوں اور جب یقین آجائے کہ وہ اللہ ورسولؐ کے خلاف ہیں تو اُسے باطل قرار دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

دوسری بات یہ بتانا ہے کہ علما حضرات جہاں پھنس جاتے ہیں یا جب کسی کو پھنسانا چاہتے ہیں تو جھٹ کتاب وسنت کی رٹ لگانا شروع کردیتے ہیں۔اورصرف یہی چاہتے ہیں کہ یہ حضرات خواہ شیعہ ہوں یا اہل سنت ہوں قرآن وحدیث کے پابند ہوجائیں۔

اگروہ سب یہ شرط مان کراُس پرعمل کرنے لگیں تو ہم ٹھیکہ لیتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام جھگڑے اور تمام اختلافات دوسال میں ختم کراکے سب کومنہاج قرآن وسنت پرمتفق کرسکتا ہوں۔مگروہ لوگ سب کچھ مان سکتے ہیں،کرسکتے ہیں مگرقرآن اوررسولؐ کی سنت پرمتفق نہیں ہوسکتے۔لہٰذا علامہ شبلی ہی نہیں بلکہ ہرفریب ساز عالم کتاب وسنت کانعرہ مارتا ہے۔پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ سنت کی فلاں بات ذاتی تھی منصب نبوت سے متعلق نہ تھی۔لہٰذا منسوخ کرکے دوسرا قانون بنانا جائز ہوا۔لیکن ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ سنت تو سنت ہے حضرت عمر کے مسلک میں تو رسم ورواج اور پبلک کی عادت اورمفاد کے مقابلہ میں تمام نصوص یعنی قرآن و رسولؐ کے واضح اور متعین احکامات منسوخ کرکے رسم ورواج وعادت وافادیت کو برقراررکھنا اسلام ہے۔اس بہانہ بازی اور فریب سازی کا توڑ تین سوالات سے ہوسکتا ہے۔آپ اُن سے کہئے یا لکھئے کہ حضور آپ جوکچھ بطور فیصلہ فرماتے ہیں یا اِدھراُدھر کی غپ شپ کے بعد جونتیجہ نکالتے ہیں،ہمیں ایسی آیات دکھائیں جنکا وہی ترجمہ ہو جوآپکا نتیجہ یا فیصلہ ہے۔مثلاً ہم نے اسلامی تعلیمات سے یہ نتیجہ نکالا ہے یا یہ فیصلہ کیا ہے کہ:۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo (سورہ نجم 53/3-4)

''آنحضرؐت کی کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی۔ جسے اُنکی ذاتی بات کہا جاسکے بلکہ اُن کی ہر بات اللہ کی طرف سے اُترنے والی وحی ہوتی تھی۔'' لہٰذا رسولؐ اللہ کی بات اللہ کی بات ہوتی تھی۔''

قارئین ساری دنیا کے علامل کراس معیار پرآپ کو یہ نتائج دکھائیں کہ:

1: نبیؐ کا ہرقول وفعل منصبِ نبوت کے ماتحت نہیں ہوتا،یا یہ کہ: بعض اقوال وافعال منصب نبوت کے ماتحت ہوتے ہیں اور بعض اقوال وافعال منصب نبوت کے ماتحت نہیں ہوتے۔

2: نبیؐ کے ذاتی اقوال وافعال کی اطاعت واجب نہیں ہوتی ہے۔

3: نبیؐ کے ذاتی اقوال وافعال کی جگہ تقاضائے وقت یاضرورت کے ماتحت منسوخ کرنااوردوسرے موزوں احکام جاری کرنا جائز ہے؟

قارئین یہ ہے وہ عقیدہ جس کے ماتحت شریعت ساز ادارہ نبیؐ کے احکام منسوخ کرتا ہے۔جب تک وہ قرآن سے یہ تینوں

مطالب آیات کی صورت میں نکال کر نہ دکھادیں وہ شریعت سازی کے مجرم ہیں اور یہ جُرم نا قابل معافی ہے۔ پھر اُنہیں ایسی آیات دکھانا ہوں گی جن کا ترجمہ یہ ہو کہ:

"قرآن کے فیصلوں کو بھی مناسب صورت میں منسوخ یا تبدیل کیا جا سکتا ہے۔" تا کہ وہ فیصلے حق بجانب کہلاسکیں جو حضرت عمر یا قبل و بعد کے خلفا نے قرآن کے خلاف صادر فرمائے۔ مثالیں گزر چکی ہیں۔ تاریخ فقہ اسلامی اور فلسفۂ شریعت اسلام میں قرآن کے مخالف احکام بھرے پڑے ہیں۔

(8) شریعت ساز لوگ رسولؐ اللہ کو کس طرح بے دخل کرتے ہیں؟

(الف) ہمارے قارئین نے آج تک کبھی کسی عالم کو مجمعٔ عام میں یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ آنحضرتؐ بھی ایک مجتہد تھے۔ جن معاملات کو اللہ وحی کے ذریعہ نہیں بتاتا تھا اور مسلمانوں کو اُن معاملات میں فیصلہ کی ضرورت ہوتی تھی تو رسولؐ اللہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ سنا دیا کرتے تھے۔ ایسے اجتہادی فیصلوں میں رسولؐ اللہ سے (معاذ اللہ) غلطیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جب غلط حکم دے چکتے تھے تو اللہ وحی بھیج کر نبیؐ کو غلط فیصلے پر ڈانٹتا تھا اور غلطی کی اصلاح بھی کرتا تھا۔ لہٰذا وہ تمام فیصلے جو رسولؐ اللہ نے ذاتی رائے سے کئے تھے اُن فیصلوں کو بعد والے شریعت ساز ادارے منسوخ کر کے دوسرے فیصلے صادر کر سکتے ہیں۔

یہ ہے وہ عقیدہ جس کے ماتحت بعد انتقالِ نبیؐ شریعت سازی جائز رہی۔ یہاں تک کہ اللہ و رسولؐ کے زمانہ کی پوری شریعت کو بدل کر رکھ دیا گیا۔ اور شریعت گھڑنے کا یہ سلسلہ چوتھے امام جناب احمد بن حنبل تک جاری رہا۔

(ب) یعنی یہ سب حضرات حضرت عمر کی پیروی میں یہ مانتے ہیں کہ:

1: آنحضرتؐ کو اللہ اُمت کی تمام ضرورتوں میں راہنمائی نہ کرتا تھا لہٰذا؛

2: خدا کی (معاذ اللہ) اس کوتاہی کی وجہ سے رسولؐ اللہ کو اجتہادی تُک بندیاں کرنا پڑتی تھیں اور جو کچھ وقت پر سمجھ میں آتا تھا وہی کہہ ڈالتے تھے۔ اس لئے معاذ اللہ؛

3: رسولؐ اللہ سے اکثر غلطیاں، غلط فہمیاں اور اُمت کو نقصان پہنچانے والے احکام اور فیصلے صادر ہوتے رہے۔ پھر

4: وہی اللہ جو پہلے صحیح حکم نہ بتاتا تھا، غلط فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد وحی بھیج کر رسولؐ اللہ کو اُن کے غلط فیصلہ پر ڈانٹ پلاتا اور صحیح فیصلہ بتا کر اُمت کو غلط پیروی سے بچاتا رہتا تھا۔ لیکن اگر یہ چوتھی بات صحیح ہے تو؛

5: رسولؐ اللہ کے تمام غلط فیصلوں کی اُن کے انتقال سے پہلے پہلے اللہ نے اصلاح کر دی۔ لہٰذا؛

6: شریعت سازوں کی یہ بات غلط نکلی کہ وہ رسولؐ اللہ کے ذاتی فیصلوں کو منسوخ کرنے اور نئی شریعت گھڑنے کا حق رکھتے تھے۔

7: کیونکہ جب نبیؐ کی زندگی ہی میں اُن کے غلط فیصلوں کی اللہ نے وحی سے ساتھ کے ساتھ اصلاح و درستی جاری رکھی اور صحیح

فیصلوں کو بحال رکھ کراُن کی تصدیق کر دی تو رسولؐ کے تمام فیصلے اب اللہ کے فیصلے ہو گئے۔یعنی؛

8: بعد انتقالِ نبیؐ جس نے بھی رسولؐ اللہ کے فیصلوں کو منسوخ کیا یا تبدیل کیا، اُس نے اللہ کے فیصلوں کو منسوخ کرنے اور بدلنے کا جرم کیا۔اور جس نے نئی شریعت گھڑی وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔اور یہ بات تاریخ التشریع فی الاسلام اور فلسفۂ شریعت اسلام سے با قاعدہ ثابت کر دی گئی ہے۔اور یہ دکھایا جا چکا ہے کہ قرآن و حدیث کے واضح احکام یا نصوص کو رسم و رواج اور عادات کے بدلنے پر تبدیل کر دینا واجب ہے۔(اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون)

(9) وہ طریقہ جس سے شریعت ساز گروہ نبیؐ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کر دیتا ہے

(الف) اسلامی شریعت کی جگہ اپنی قومی و ملکی شریعت جاری کرنے والوں کو معلوم تھا کہ اُمت میں نبیؐ معصوم مشہور ہو چکا ہے۔قرآن میں اللہ نے رسولؐ کے اقوال واعمال وتصورات کو اپنے اقوال واعمال ومشیت قرار دیا ہے۔رسولؐ اللہ کے علم کو لامحدود ولا تحصٰی فرمایا ہے۔اور وہ جانتے تھے کہ وہ سب فرداً فرداً بھی اور اجتماعی صورت میں بھی معصوم نہیں خاطی وخطا کار ہیں۔علومِ کائنات اور علومِ قرآن کی تفصیلات اُنہیں معلوم نہیں۔اِسکے باوجود پوری امت پر تسلط حاصل کرنا قومی ضرورت کا تقاضہ ہے۔قرآن سے باغی مکہ کی باشندہ قوم (فرقان 25/30) کا دشمنانِ نبوت اور ماہرینِ سیاسیات (فرقان 25/31) پر یہ دباؤ پڑ رہا تھا کہ نبیؐ کے بعد نبوت کے نام پر بنی ہاشم کا تسلط ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ہم اپنے باپ، بھائی، بیٹوں اور رشتہ داروں کے قاتلوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سروں کو کاٹ کر پھینک دیں گے۔اُن کو اور اُن کے انصار کو تباہ کر دیں تب چین لیں گے۔لہٰذا سارے مسلمانوں پر تسلط حاصل کرنا ضروری ہے۔اُس منشور پر عمل کر کے دکھانا پڑے گا جس کی وجہ سے قوم نے تعاون کیا ہے (بقرہ 2/204-206)۔اُس منشور پر عمل کرنے کے لئے وہ تمام پابندیاں ختم کرنا ہوں گی جو قرآن نے حکومت نبوؐی کے لئے لازم قرار دی ہیں۔ نت نئے نئے احکام جاری کرنا ضروری ہوں گے تا کہ عہد نبوؐی کے تمام تصورات وشعائر وعبادات وعقائد بدلے جاسکیں۔اس مقصد کو حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک رسولؐ کے لامحدود اور کائناتی علم کی تاویل وتردید نہ کی جائے، جب تک نبوت کو اُس کے خدائی مقام سے نیچے اتار کر اپنی سطح پر نہ لایا جائے، اُنہیں کرسیٔ عصمت سے نیچے اتار کر مجتہدین کے ساتھ زمینِ اجتہاد پر نہ بٹھایا جائے، پھر اُن سے اجتہادی غلطیوں کی فہرست قرآن سے نہ پیش کی جائے اور اُن کے فضائل و مناقب کی احادیث کو نہ مٹایا جائے، لکھے ہوئے احادیث کے مجموعے نہ جلا دئے جائیں، قرآن کو جمع شدہ چھوڑنے کا انکار نہ کیا جائے اور نئے سرے سے نبوی تفسیر وتنزیل کے بغیر جمع نہ کیا جائے، اور بلا جمع قرآن انتقال کر جانے کو شہرت نہ دی جائے۔گھر گھر جا کر؛ ہر آیت پر گواہیاں لیکر لوگوں کو پُریقین نہ کیا جائے کہ اگر جمع شدہ قرآن چھوڑا ہوتا تو یہ پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تھی وہ قوم اور اُس قوم کی اسکیم جس نے قرآن کو مہجور کیا تھا اور اپنا حاکم طاغوت کو بنا لیا تھا۔لہٰذا طاغوتی ادارہ کو اُن تمام مقاصد کیلئے

کوئی آیت نہ مل سکتی تھی۔ اِسلئے اُس نے حیات رسولؐ ہی میں قرآن کی معنوی تحریف کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تمہیدات شروع کردی تھیں۔ یہ بات علامہ مودودی کے قلم سے اور حضرت حذیفہ کی زبان سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ حضرت حذیفہ نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اُن کے زمانہ یعنی عہد رسولؐ میں قرآن کو بدلنے والے دانشور یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلیں گے (مائدہ 47، 5/44،45)(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 476 حاشیہ نمبر 77) چنانچہ اُس گروہ کا عہدِ رسولؐ ہی میں قرآن سے پتہ چلتا ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ گروہ قرآن کو کس طرح اپنے مقاصد پر فِٹ کرتا ہے۔ قرآن کریم سے ملاحظہ فرمائیں بتایا گیا کہ:

(ب) قرآن فہمی کا طاغوتی طریقہ

’’وہ گروہ اپنے باطل مقاصد کو ذہن میں رکھ کر قرآن کریم کی ورق گردانی کرتا رہتا ہے۔ چاہتا یہ ہے کہ کسی آیت میں کوئی ایسا لفظ یا جملہ ملے جو اُس کے متعینہ مقصد سے مطابقت یا مشابہت رکھتا ہو۔ جہاں انہیں اپنا مطلوبہ لفظ یا جو جملہ ملتا ہے جو اُن کے قلبی مقصود (زیغ) سے مشابہت رکھتا ہے تو ایسی آیات کو الگ لکھ لیتے ہیں۔ پھر مشابہت کو حقیقی صورت دینے کے لئے اُس آیت میں معنوی لچک پیدا کرتے ہیں۔ الفاظ کے حقیقی معنی کی جگہ مجازی یا بعید ترین معنی لکھتے ہیں۔ مطلوب سے قریب تر کرنے لئے ترجمہ میں بریکٹ لگاتے ہیں۔ حاشیہ لکھتے ہیں تاکہ رہی سہی خامی بھی دور ہوجائے۔ اس تمام مجتہدانہ ٹیکنیک کے ساتھ جب وہ آیت یا آیات کو اپنے زیغ پر فٹ کر چکتے ہیں تو اب مسلمانوں میں اُن تصورات اور خودساختہ مطالب کو پھیلانے کے لئے اثر و رسوخ استعمال کرتے ہیں، قومی ذرائع اور تعصب کو برسرکار لاتے ہیں، کرائے کے اور تنخواہ دار مبلّغ تعینات کرتے ہیں، موقع ملے تو جبر و تلوار بھی استعمال کرتے ہیں، مخالفین کا بائیکاٹ کرتے ہیں، مخالفین کے خلاف غلط عمل و عقائد منسوب کرتے ہیں۔ کسی کو مشرک کسی کو منافق بناتے ہیں، آنحضرتؐ کے فداکاروں پر محمدؐ کی پرستش کا الزام لگاتے ہیں اور یُوں اپنے اسلام نما کفر کو پھیلا کر مسلمانوں میں فتنوں کا دروازہ چوپٹ کھول دیتے ہیں۔‘‘ (آل عمران 3/7 وغیرہ)

(ج) مجتہدین کا یہ طریقہ برابر جاری رہا۔ ہمارے زمانہ کی ایک مثال

ہمارے زمانہ میں شریعت کو تبدیل کرتے چلے جانے کا سب سے بڑا حامی اور مُبلّغ جناب غلام احمد پرویز ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے ایک خودساختہ نبی کے ہمنام اور ہموطن ہونے کی بناپر نبوت محمدؐ یہ کو یہاں تک ارزاں کر چکے ہیں کہ ہر اُس شخص کو مرکز ملت بنا کر تخت نبوت پر بٹھانا چاہتے ہیں جو کسی طرح بھی مسلمانوں پر مسلط ہوجائے۔ اور اُسے تمام وہ اختیارات سونپنا جائز سمجھتے ہیں جو قرآن میں اللہ اور رسولؐ کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ اس ابلیسی مقصد کو دلوں میں اُتارنے کے لئے انہوں نے چار بنیادی اور ضخیم کتابیں لکھیں اور ہم نے بائیس (22) مجلدات میں اُن کے مشن کو خاک میں ملا دیا۔ انہوں نے وہ سب کام کئے جو سابقہ پیرے

میں قرآن سے لکھے گئے ہیں۔ اُنہوں نے بھی طرح طرح آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) خاطی اور مجتہد لکھا ہے۔ آنحضرتؐ کی غلطیاں گنوا کر پبلک کو گمراہ کیا ہے۔ ہم یہاں اُن کا وہی عملی طرز عمل دکھاتے ہیں جو قرآن فہمی میں زیغ کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ محفل کو گرم کرنے کے لئے آپ معارف القرآن کی فہرست سے دو تین عنوان سن لیں۔ پھر اُن کی وہ بحث آپ کو دکھائیں گے جو رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) غلط کار مجتہد ثابت کرنے کے لئے قرآن کے نام پر کی گئی ہے۔ اور قرآن کو مجتہدین کے زیغ پر فٹ کیا گیا ہے۔

(د) حضرتِ عمر کو شاہکارِ رسالت کہنے کے لئے کن عقائد کی ضرورت رہی ہے؟

اوّل: ''آپؐ کے فیصلے احوال و ظروف اور واقعات و بیانات سے استنباطِ نتائج پر مبنی ہوتے تھے۔ لہٰذا اُن میں غلطی کا بھی امکان ہوتا تھا۔'' (معارف القرآن جلد 4 صفحہ 24 فہرست دوسرا کالم)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ دونوں جملے وہ نتیجہ ہیں جو قرآن اور حکومتوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ کی ورق گردانی اور اپنے زیغ سے مشابہ ہونے کی بنا پر نکالے گئے ہیں۔ ورنہ اُن کو پندرہ سال پہلے چیلنج کیا گیا تھا کہ قرآن سے اس مطلب پر آیات دکھائیں۔ اُس یتیم عقل سے ہماری کتاب پر تبصرہ بھی نہ ہوسکا اور رفتہ رفتہ ان کا نظام ربوبیت موت کی نیند سو گیا، اور ملاحظہ ہو۔

دوم: ''آپؐ کے ذاتی فیصلوں کے متعلق ہر ایک کو حقِ اختلاف حاصل تھا۔'' (ایضاً وہی حوالہ)

کسی خبیث کی مجال نہیں ہے کہ قرآن کریم سے کسی مردود کو رسولؐ اللہ سے اختلاف کرنے کا حق دکھادے۔ البتہ قرآن میں اللہ نے رسولؐ کو ہر ہر فیصلے میں اپنے برابر رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاo (احزاب 33/36) پاکستان کے مسلمانوں کی کثرت سُنے اور اگر پسند آئے تو عمل بھی کرے۔

ترجمہ علامہ مودودی: ''کسی مومن مرد (حضرت عمر بھی اگر مومن ہوں) اور کسی مومن عورت کو یہ حق (خیرۃ کے معنی حق نہیں اختیار ہیں۔ ابو عبداللہ) نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اُسکے رسولؐ کی نافرمانی کرے (خواہ پرویز ہو یا عمر ہوں) تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 98-97)

اس آیت اور سینکڑوں دوسری آیات کی رُو سے ہم تمام شریعت سازوں کو گمراہی میں اعلیٰ درجہ پر مانتے ہیں۔ اور اس ترجمہ کے بعد علامہ نے حضرت زید و زینبؓ کا قصہ لکھا ہے پھر اپنا فیصلہ سنایا ہے کہ:۔

''یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے، مگر جو حکم اُس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اِطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اِس کی رُو سے کسی مسلمان فرد، یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا

ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اُس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسولؐ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ (یہاں سے پرویز اور پرویزی راہنما خاص طور پر سنیں) کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لئے اِس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان اِن دونوں رَوَیوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اُس کو لازماً حکمِ خدا اور رسولؐ کے آگے جھک جانا ہوگا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا (یا کسی اور کے مسلمان ہونے کا) وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد 4، صفحہ 99-98، حاشیہ نمبر 66)

پرویز اینڈ کمپنی کا مذہب کیا ہے قارئین فیصلہ کریں اور پھر یہ طے فرمائیں کہ پرویز کا شاہکار اُس مذہب کا بھی شاہکار ہوگا یا نہیں؟

(10) پرویز اینڈ کمپنی رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی؟

اب ہم پرویز کے وسیلے سے شریعت ساز گروہ کی وہ دیانت پیش کرتے ہیں جس کے برتے پر یہ گروہ قرآن فہمی کا مدعی ہے اور ساری دنیا کو بے وقوف بنائے ہوئے ہے۔

قرآن پر ایک تہمت: پرویز صاحب ایک ایسی تہمت اور ایک اتنا بڑا جھوٹ گھڑ کر قرآن کے ذمہ لگاتے ہیں جس کے مقابلہ میں دشمنانِ اسلام کے سارے جھوٹ اور تہمتیں بھی شرما کر رہ جاتی ہیں۔ یہاں سے پرویز کا عنوان و بیان غور سے پڑھیں:

حضوؐر کا ذاتی اجتہاد: ''پھر قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا کہ جن معاملات میں حضوؐر اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اُن فیصلوں میں غلطی کا بھی امکان تھا۔'' (معارف القرآن جلد 4 صفحہ 669)

یعنی یہ مسٹر پرویز کے ذمہ ہے کہ وہ ایسی آیت یا آیات پیش کریں جن سے حضوؐر کا اجتہاد یا ذاتی اجتہاد کرنا ثابت ہوگا۔ اور وہ آیت دکھانا بھی اُن ہی کے ذمہ ہے کہ حضوؐر کے فیصلوں میں غلطی کا امکان تھا۔ اور یہ ثابت کرنا تو اُن کے راہنما ابلیس سے بھی ناممکن ہے۔ ہم تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن نے لفظ اجتہاد کو ایک ملعون و مردود لفظ ثابت کرنے کے لئے خود کو اُس سے پاک اور محفوظ رکھا ہے۔

(i) رسولؐ کے (معاذ اللہ) غلط کار ہونے کا تصور کیسے پیدا کیا گیا تھا؟

علامہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ: ''جنگ تبوک میں جن لوگوں کی درخواست پر حضوؐر نے اُنہیں عدم شمولیت کی اجازت دے دی تھی۔ اُن کے متعلق ارشاد ہوا کہ:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (توبہ 9/43)

پرویزی ترجمہ: ''(اَے پیغمبرِ اسلام!) اللہ تجھے معاف کرے! تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہ (انکی منافقانہ عذرداریوں پر) اُنہیں (پیچھے رہ جانے کی) رخصت دے دی،؟ اُس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا کون سچے ہیں؟اور تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں؟(ایضاً جلد 4 صفحہ 670)

(ii) **پرویزی ٹیکنیک اوراجتہاد پرایک مومنانہ نظر**

پہلی نظر: قارئین اس آیت میں کل تیرہ الفاظ آئے ہیں۔جن میں ایک لفظ عَفَا ایسا لفظ تھا جو شریعت ساز گروہ کی ذہنیت یا قلبی زیغ سے مشابہت رکھتا تھا۔اس سے یہ تصور نچوڑا گیا کہ آیت میں عَفَا اللّٰهُ عنك کہنے سے یقیناً رسول اللہ سے غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ معاف کرنے کے اور کوئی معنی نہیں ہوتے۔اور پرویز صاحب تو بہت ہی مطمئن ہو گئے۔اس لئے کہ اردو اور پنجابی زبانوں میں قصور کے بعد معافی ملا کرتی ہے۔لہٰذا لوگوں کو جنگ سے واپس چلے جانے کی اجازت دینا یقینی طور پر ایک غلطی تھی جسے اللہ نے اس آیت میں معاف کر دیا ہے۔اور چونکہ آیت کو نچوڑنے والا مجتہد تھا۔لہٰذا یہ خود اپنی طرف سے سمجھ لیا گیا کہ اجازت دینے میں حضوؐر نے اجتہاد کیا تھا۔اور اُس اجتہاد میں حضوؐر سے غلطی ہوگئی تھی۔لیکن اللہ نے اُس غلطی کو اجتہادی غلطی جائز ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا۔یوں اُدھر (معاذ اللہ) رسول اللہ ایک مجتہد ثابت ہو گئے اور اُن کے اجتہاد کا غلط ہو جانا بھی ثابت ہو گیا۔اب بتایئے کہ وہ شیعوں کا عصمت کا ڈھونگ کدھر گیا؟ یہ وہ طریقہ تھا کہ شریعت ساز گروہ خود بھی مطمئن ہو گیا اور قوم بھی چین سے ہو گئی۔شریعت سازی کی مشین نہایت اطمینان سے چلتی رہی۔نئی شریعت ہر سانچہ میں ڈھلتی رہی،جس ضرورتمند نے جو مال پسند کیا جو مسئلہ مَن کو بھایا جمع کر لیا۔مال چونکہ ایک ہی کمپنی کا تھا لہٰذا جس جس نے جو کچھ پسند کر لیا وہ اُن کا جائز حق تھا،سب حق پر تھے۔اُن کی پسند کا نام خواہ حنفی رکھ دو یا مالکی کہہ دو کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی۔شرط یہی ہے کہ اُن کے پاس ہر مال اور ہر مسئلہ اوّلین شریعت ساز کمپنی کا تیار کردہ یا پسندیدہ ہو اور بس۔لیکن ہم عرض کریں گے کہ:

(iii) **دوسری گہری نظر**: پرویز صاحب کے ترجمہ میں برابر کا بریکٹی اضافہ کون سی آیت یا ادارہ کی اجازت سے کیا گیا ہے؟ آیت میں کل تیرہ لفظ تھے۔یہاں ترجمہ تو بعد میں ہوتا رہے گا پہلے یہ تیرہ الفاظ الگ کر لیجئے۔پھر اذن کا ترجمہ اجازت کیجئے لفظ رخصت عربی کا لفظ ہے اُسے نکال دیجئے۔اور پھر پرویزی ترجمہ میں سے یعنی بریکٹ کے علاوہ آٹھ الفاظ کا یہ جملہ نکال دیجئے کہ ''اُس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ۔''اس کے بعد جو ترجمہ ہونا چاہئے وہ عام مترجمین کے نزدیک اتنا سا ہے کہ:

شاہ محمد احمد رضا خان مرحوم: ''اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں انہیں اِذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔'' (مترجمہ قرآن)

اس سادہ اور پورے ترجمہ میں کوئی بریکٹ نہیں اسلئے کہ قلب میں زیغ نہیں لیکن وہ ایک مستند اور مسلّمہ مقدس بزرگ اہل سنت

ہیں۔مگر پرویز اور شریعت ساز گروہ کا مذہب جو کچھ بھی رہا ہو وہ ہرگز سنتِ رسولؐ پر عمل کرنیوالے لوگ نہ تھے۔وہ سنتِ رسولؐ کے مٹانے والے دشمن، مجرم اور قرآن وشریعتِ اسلام کو بدلنے والے دانشور تھے۔(فرقان 31-25/30، یونس 10/15)

(iv) عَفَا اللّٰہ عَنکَ کے معنی اہلسنت بزرگ اور عالم کی نظر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور مقام بلند کے ماننے میں وہ اہلسنت مومنین کثرت میں ہیں جو حضرت مولانا مفتی شاہ محمد احمد رضا خان صاحبؒ کے شہر بریلی شریف کی وجہ سے بریلوی کہلاتے ہیں۔وہ حضرات خاص طور پر مندرجہ ذیل بیان سنیں۔شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

"ف105۔ عفا اللّٰہ عنك سے ابتدائے کلام وافتتاح خطاب مخاطب کی تعظیم وتوقیر میں مبالغہ کے لئے ہے۔ اور زبان عرب میں یہ عرف شائع ہے کہ مخاطب کی تعظیم کے موقع پر ایسے کلمے استعمال کئے جاتے ہیں۔قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے کتاب شفا میں فرمایا کہ جس کسی نے اس سوال کو عتاب قرار دیا اُس نے غلطی کی کیونکہ غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہونے اور گھر رہ جانے کی اجازت مانگنے والوں کو اجازت دینا نہ دینا دونوں حضرتؐ کے اختیار میں تھے اور آپؐ اس میں مختار تھے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ آپ اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دیجئے تو لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ عتاب کے لئے نہیں ہے۔بلکہ یہ اظہار ہے کہ اگر آپ انہیں اجازت نہ دیتے تو بھی وہ جہاد میں جانے والے نہ تھے۔اور عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔گناہ سے تو تمہیں واسطہ ہی نہیں۔" الخ (مترجم قرآن صفحہ 281)

یہ ہے اہلسنت کے علمائے صالحین کا عقیدہ وہ ہرگز آنحضرتؐ سے غلطی، لغزش اور خطا کو نہیں مانتے۔سوچنے کی بات ہے کہ وہ کس منہ سے خود کو مسلمان کہتے ہیں جو اللہ کے رسولؐ ہی کو غلطیوں میں مبتلا ہونے والا مانتے ہوں۔یعنی اللہ نے دین بھی غلطی سرزد ہونے والے کے ہاتھ سے پہنچایا تو دین کا اعتبار کس بنیاد پر کیا جائے گا جب نبیؐ ہی غلطی اور خطا سے محفوظ نہ ہو؟

(v) رسولؐ اللہ کو اختیار دینے کے بعد اللہ اعتراض نہیں کرسکتا تھا: بہرحال جناب شاہ صاحب نے اشارہ فرمادیا ہے کہ جنگ کے انتظامات میں رسولؐ اللہ کو خدا نے مختار بنایا تھا۔اور ظاہر ہے کہ اختیار سپرد کرکے اعتراض کرنا خلافِ عدل خداوندی ہے۔آپ خود وہ آیت ملاحظہ فرمالیں جو شاہ صاحب نے بطور اشارہ لکھ دی ہے۔ارشاد رب العزت ہے کہ:

......إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (نور 24/62)

''یقیناً جو لوگ بلا اجازت جہاد سے رُکنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کی اجازت سے رکنا چاہتے ہیں وہ تو یقیناً اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے جنگ میں نہ جانے کی آپؐ سے اجازت مانگا کریں تو آپؐ اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں۔ اور اللہ سے اُن کے محفوظ رہنے کی دعا بھی کیا کریں۔ یقیناً اللہ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔''

قارئین دیکھیں کہ رسولؐ اللہ کو اس آیت میں جنگ تبوک سے برسوں پہلے اختیار دے دیا تھا۔ اور اجازت مانگنے والوں کو اس بنا پر مومن قرار دیا تھا کہ انہیں اتنا خیال تو ہے کہ بلا اجازت رسولؐ جنگ سے رُکنا گناہ ہے۔

(vi) تیسری نظر: کیا واقعی کوئی غلط بات ہوئی یا وہم ہوا؟

یہاں تک پرویز اینڈ کمپنی کے خلاف خود قرآن نے بتا دیا کہ زیر بحث آیت میں رسولؐ اللہ نے اپنا اختیار استعمال کیا تھا۔ لہٰذا **عفا اللہ عنك** کا مطلب باز پُرس اور غلطی کی گرفت اور معافی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ غلطی کی ہی نہیں گئی ہے۔ مگر یہ سوال ہم اُٹھاتے ہیں کہ مان لیا کہ رسولؐ اللہ سے غلطی نہیں ہوئی تھی مگر کیا اس جائز اجازت دینے سے کوئی نقصان ہوا تھا؟ اگر نقصان ہوا تھا تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ یہ رسوؐل کی بصیرت اور علم کی کمی کی دلیل ہے۔ اور ہمارے عقائد میں یہ بھی بُری بات ہے جو ہم رسولؐ کے متعلق نہیں مانتے۔ چنانچہ آپ آیت زیر بحث سے آگے پڑھیں۔

(1) آپ کو آیت نمبر 9/46 بتاتی ہے کہ: اللہ نے بھی اُن لوگوں کا جنگ میں جانا نا پسند کیا تھا۔ اور اُن کے دلوں میں اللہ ہی نے سُستی بھر دی تھی۔ اور اُن کے دلوں میں جنگ سے باز رہنے کا ارادہ جما دیا تھا۔ مطلب واضح ہے کہ رسوؐل کا اُن کو اجازت دینا بلا وحی کے بھی مشیت و مرضی خداوندی کے عین مطابق تھا۔ یعنی رسوؐل کی خواہش، پسند و نا پسند وغیرہ بھی عین اللہ کی مشیت تھی۔

(2) آیت نمبر 9/47 بتاتی ہے کہ: اگر یہ لوگ جنگ تبوک میں ہمراہ ہوتے تو تمہیں نقصان ہی نقصان پہنچتا اور تمہارے مابین فتنہ وفساد کی کاروائیاں کرتے۔ اس لئے کہ تمہارے اندر ایسے مسلمان بھی ہیں جو ان لوگوں کے اقوال کا گہرا اثر قبول کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ کا اجازت دینا ہر طرح اور ہر حیثیت سے مفید ہوا۔ اور اللہ کو بہت پسند آیا۔ لہٰذا **عَفَا اللّٰہ** کے وہ معنی جو شریعت ساز گروہ کرتا ہے، غلط ہیں۔

(11) شریعت سازی کا ہر پہلو قرآن وحدیث سے باطل نکلا

قارئین نے دیکھ لیا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوچنا، اُنکے احکامات واقدامات اور نتائج عین خدائی اسکیم یا مشیت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اور کیوں نہ رہتے جبکہ آنخضرؐت خود مرکز وحی ہیں، خود ہی مشیت اللہ ہیں۔ جب کہ اللہ کا ہر ارادہ

قلب محمدیؐ کے ذریعہ سے کائنات کو متاثر کرتا ہے۔ ہر حکم پہلے قلب محمدؐ پر وارد ہوتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے۔ لہٰذا وہ مقام جسے باطل پرستوں نے اپنا سہارا بنایا تھا اُلٹا اُن کے لئے مصیبت بن گیا۔ یہ تو وہ مقام نکلا جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو جو وحی ملتی ہے وہ اللہ کا داخلی انتظام ہے۔ جبرائیلؑ خود نظام محمدؐ یہ کا ایک آلہ یا پرزہ ہے جو پوری کائنات میں رسائی رکھتا ہے اور کسی لمحہ آنحضرتؐ کی رسائی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور کسی لمحہ کے لئے اللہ کے ارادے اور مشیت سے حضورؐ لاعلم نہیں ہوتے۔

(i) شریعت سازوں کو چھٹی ملی تھی

اللہ نے آنحضرتؐ کے فیصلے کے فوائد بتاتے ہوئے اُس زمانہ کے شریعت ساز گروہ کو بھی بے نقاب کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَااَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ o لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ... الخ (توبہ 48-9/47)

یہ گروہ جن لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا چکا ہے وہ اس خطرناک حالت میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔ جس گروہ کو آپ نے چھٹی دی ہے اگر وہ جنگ کے لئے ہمراہ چلتا تو تمہارے اندر سازش پھیلانے کے سوا اور کوئی مفید اضافہ نہ کرتا۔ اور وہ یقیناً بالضرور تمہارے اندر خلل ڈالنے اور فتنہ پھیلانے کی ایجادات جاری رکھتے جیسا کہ اس سے پہلے ہی وہ شریعت ساز گروہ تمہارے دینی احکام و مسائل میں انقلاب پیدا کرتا چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ حقیقت حال واضح کرتے رہنے کا انتظام برسر کار لے آیا گیا۔

قرآن کریم کے اس قسم کے بیانات پر ہمارے علما نے نہ کبھی تقریریں کیں نہ اُن پر اپنی کتابوں میں تبصرہ کیا۔ اور انتقالِ رسولؐ کے بعد اُن لوگوں کے متعلق اُمت کو کبھی بھول کر بھی نہ بتایا کہ وہ کون لوگ تھے؟ انتقالِ رسولؐ کے بعد وہ کہاں غائب ہو گئے؟ وہ کیسے بتاتے جب کہ وہ خود ہی بتانے والے تھے؟ لیکن اُن لوگوں کا پروگرام اس جگہ آپکے سامنے آ گیا ہے کہ اُن کا کام اور مقصد آنحضرتؐ کے احکام میں تغیر و تبدل کر کے ایک شرعی انقلاب (قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ) تیرے خلاف برپا کرنا تھا۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ o (توبہ 9/50) تیری ہر بات اور خصوصاً ہر اچھا نتیجہ اُن کو ناپسند و ناگوار رہتا چلا آیا۔ اور تم پر آنے والی ہر مصیبت میں وہ خوش ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یقیناً ہم نے رسولؐ کے ذاتی احکام کے نتائج سے غیر متاثر دین پہلے ہی سے تیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ خوش خوش اُسی خود ساختہ نظام اجتہاد کے تَوَلّا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

(ii) شریعت سازوں کے وجود و مقاصد پر مودودی کی تصدیق

علامہ مودودی بھی ایک مجتہد ہیں، اس کے باوجود اُن کے ترجمہ کو دیکھئے:

''اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لئے

دوڑ دُھوپ کرتے ، اورتمہارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جواُن کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اللہ اِن ظالموں کوخوب جانتا ہے۔اس سے پہلے بھی اِن لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اورتمہیں ناکام کرنے کے لئے یہ ہرطرح کی تدبیروں کا اُلٹ پھیر کر چکے ہیں ......(اگلی آیت کے بعد) تمہارا بھلا ہوتا ہے توانہیں رنج ہوتا ہے۔اورتم پرکوئی مصیبت آتی ہے تو یہ منہ پھیر کرخوش خوش پلٹتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ اچھا ہوا ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ ٹھیک کرلیا تھا۔'' (توبہ 9/47-48،50) (تفہیم القرآن جلدنمبر 2 صفحہ نمبر 198-199)

نظام اجتہاد کی سُنت کے مطابق علامہ مودودی نے چار الفاظ (خَبَـا لًا ، اَوۡضَعُوۡا ، خِلَال ، قَلَّبُوۡا) کا حقیقی ترجمہ نہیں کیا تو نہ کریں۔ پھر بھی یہ تو ثابت ہے کہ مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ بظاہر مِل جُل کر رسولؐ اللہ کا قرآنی پروگرام چلا رہے تھے۔اُن میں ایک گروہ ایسا تھا جو صرف بقول علامہ خرابی ہی خرابی چاہتا تھا۔یعنی رسولؐ کے فرمان کے خلاف عمل درآمد کرنا اُس کا مقصد تھا۔وہ مسلمانوں کوفتنہ میں الجھانے کے لئے مسلمانوں کے اندر دوڑ دھوپ کرتے تھے۔یعنی اپنے مخالفانہ منصوبہ کومسلمانوں میں پھیلانے ،سمجھانے اور منوانے کے لئے ہر فرد تک جاتے آتے رہتے تھے۔دوسرا گروہ تھا جو اوّل الذکر کی دوڑ دھوپ اور کوشش و تبلیغ سے تیار ہوا تھا۔اور پہلے گروہ کا ہمنوا و ہم مسلک تھا۔ یہ دونوں گروہ ظالم اس لئے قرار پائے کہ وہ چاہتے تھے کہ ہر حکم قرآن کے الفاظ میں نافذ نہ کیا جائے بلکہ کثرت الناس کے مقاصد اور مصالح کے ماتحت قرآن کے الفاظ کی تعبیر کی جائے اور مفاد عامہ کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ایسے تصورات رکھنے والوں کوقرآن نے کافر وظالم وفاسق قرار دیا ہے۔ (5/44،45،47 قارئین یہ پورا رکوع ضرور پڑھ لیں)۔پھر علامہ نے یہ بھی مان لیا کہ اوّل الذکر گروہ رسوؐل کوناکام کرنے کے لئے پہلے ہی سے کوشاں ہے اور برابر فتنہ وانقلاب برپا کرنے کی پے درپے تدابیر کرتا چلا آرہا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو دوسرے گروہ میں ہیں وہ رسوؐل کی مرضی کے خلاف ہرخرابی اور ہرکوشش اور فتنہ کی ہرتدبیر میں پہلے گروہ کے ساتھ شامل ہیں۔

اورآخری بات یہ ہے کہ اُن دونوں گروہوں نے اُن نتائج سے محفوظ رہنے کیلئے جو رسولؐ اللہ کی ذاتی بصیرت سے برآمد ہونا ہیں اپنا الگ طرز عمل یا اسلامی تصور اپنا رکھا ہے اور ہم یہی کچھ ثابت کرتے آرہے ہیں کہ ایک گروہ اللہ ورسولؐ کے احکامات بلا چوں وچرا بجالانا صحیح اسلام سمجھتا ہے۔ایک گروہ دانشوروں اور مجتہدین کا ہے جو رسولؐ اور قرآن کے احکامات کو بلا اصلاح تسلیم نہیں کرتا وہ آنحضرؐت کے زمانہ ہی سے اپنا مسلک وشریعت الگ سے تیار کرتا اور عوام میں پھیلاتا چلا آرہا تھا۔ایک پوری قوم اُسکی ہمنوا ہو چکی تھی جو مندرجہ بالا آیات میں دوسرا گروہ ٹھہرتا ہے۔لہٰذا یہ دیکھا جا چکا ہے کہ حضرت عمر حیاتِ نبوؐی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی اپنی مجتہدانہ بصیرت اور تجربہ کے ماتحت شریعت سازی میں پیش پیش تھے۔ بلکہ بعد میں بننے والی شریعت کے بھی وہی پیشوا اور امام تھے یہ سب کچھ قارئین کے سامنے بار بار اور طرح طرح سے ثابت ہو چکا ہے۔اب ہم تیزی کیساتھ آگے

بڑھیں گے اور جلد جلد شریعت سازی کے پورے کاروبار اور سلسلہ کی کوششوں اور انتظام پر سے مختصراً گزریں گے۔

5۔ موجودہ شریعت کی تیاری وتنفیذ میں فاروقی حصّہ؟

سابقہ عنوانات میں یہ حقیقت بھی واضح ہوچکی ہے کہ عہد رسولؐ میں برابر شریعت سازی ہورہی تھی۔قرآن کریم مذہبی آزادی اوراتمامِ حُجت کے اصول پر متعلقہ لوگوں کے نام تونہیں بتا تا مگراُنکے اغراض ومقاصد اور تمام اقدامات کی تفصیلات بتانے میں کمی بھی نہیں کرتا۔ہم اس سلسلے میں جتنا لکھ آئے ہیں اُس سے یہ چیز واضح طور پر معلوم ہوسکتی ہے کہ زیرپردہ شریعت سازی کرنے والا گروہ بھی یہی چاہتا تھا اور یہی کہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے اور بصیرت سے مفادِ عامہ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔وہ آنحضرؐت کو انسانی جذبات ومیلانات کی بناپر(معاذ اللہ) ممکن الخطا کہتا تھا۔اور یہی عقیدہ تمام علمائے اہلسنت نے حضرت عمر کے سرچپکا کر اختیار کیا ہے۔وہ آج بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔یعنی موجودہ اہلسنت علما کے عقائد اُسی زیرپردہ شریعت ساز ادارہ سے ماخوذ ہیں۔وہ ادارہ بھی یہی کہتا اور چاہتا تھا۔اور یہ اہل سنت علما بھی یہی کہتے اور چاہتے ہیں کہ حضوؐر کی ذاتی رائے وبصیرت کے فیصلوں میں اجتہادی غلطی کا امکان تھا۔اور یہ کہ (معاذ اللہ) آنحضرؐت سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔وہ ادارہ بھی چاہتا تھا کہ حضوؐر کوئی حکم یا فیصلہ صادر کرنے سے پہلے دانشور صحابہ سے مشورہ کرلیا کریں (آل عمران 155-3/154) اور آخرکار اللہ نے اُن سے معافی اوراستغفار کی شرط پر مشورہ کرلینے کا مشورہ دے بھی دیا تھا۔(آل عمران 3/159) اوراُنکی سفارش کردی تھی۔بالکل یہی عقیدہ آج تمام علمائے مجتہدین کا ہے۔لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ عہد رسولؐ میں جو شریعت زیرپردہ تیار ہورہی تھی بعد میں کسی طرح وہی شریعت اُبھری اور بڑھتے بڑھتے ہمارے زمانہ تک آپہنچی۔ہم شریعت کے اِسی ارتقا کو علمائے اہلسنت کے ریکارڈ سے اس زیرنظر عنوان میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔تاکہ آج کے نام نہاد اہلسنت علما سے یہ دریافت کرسکیں کہ حضور ذرا ہمیں اپنے کلمہ،نماز اور دیگر عقائد وعبادات پر قرآن کریم اور رسوؐل کریم کی سندات دکھاؤ۔

(1) حیاتِ رسولؐ میں بعد انتقالِ رسولؐ شریعت سازی کی تمہید وتیاری

(الف) کہنے کو تو علمائے اہلسنت یہ کہتے ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کہتے ہیں کہ ''تمام صحابہ ستاروں کی طرح مستقل طور پر راہنما ہیں۔جس کی بھی سو فیصد پیروی کی جائے گی ہدایت ہی ہدایت ملے گی۔'' مگر عملاً اُنہوں نے اپنے عقائد اوراعمال وعبادات وشریعت میں حضرت عمر کو اپنا خاص نشانہ بنایا ہے اوراپنے اعمال وکردار کی ذمہ داری اُن کی گردن میں ڈالی ہے۔اُن کے ریکارڈ سے ثابت ہوچکا ہے کہ حضرت عمر عہد رسولؐ میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ یہود ونصاریٰ کے اجتہادات وتعلیمات حاصل کرنے کے لئے یہودیوں سے درس لینے جاتے تھے۔اور خود رسوؐل اللہ کو بھی توریت کی تعلیمات پر

راغب کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔اوراپنی دینی بصیرت میں اضافہ کے لئے سابقہ کتبہائے خداوندی اور دیگر انسانی علوم کا ماحصل اپنے پاس کتاب کی شکل میں مرتب کرتے جارہے تھے۔پھر یہ بھی ریکارڈ کیا گیا ہے کہ:

(ب) ''حضرت عمر نے مسائل فقہیہ میں جس قدر غور وخوض کیا تھا۔صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔اُنہوں نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ (عام فہم الفاظ میں شریعت) کو مطمح نظر (نشانہ) بنا لیا تھا۔قرآن مجید میں جو مسائل فقہ (شریعت) مذکور ہیں اُن میں جہاں ابہام یا ایہام (گنجلک یا وہم) ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔اور جب تک پوری تسلی نہ ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی۔کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص بھی رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سُننے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے اُنہوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ ''سورہ نساء کی آخری آیت تیرے لئے کافی ہوسکتی ہے (مسند امام احمد حنبل) جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُن کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کیا کرتے۔وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُس کو قلمبند اور زیادہ غور وفکر سے اُس میں بھی محو واثبات (ترمیم اور کاٹ چھانٹ) کیا کرتے تھے۔پھوپھی کی میراث کے متعلق جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُس کو محو (مٹا دیا) کر دیا اُس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے (صفحہ 216)۔قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالے سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے ایک سو (100) مختلف رائیں قائم کیں۔بعض بعض مسائل کے متعلق اُن کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق اُنہوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اُس کو منگوا کر مٹا دیا۔اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 110)

(2) عہدرسولؐ میں حضرت عمر نے عہدِخلافت کے لئے اپنی شریعت تیار کرلی تھی

اگر علمائے اہلسنت کے یہ دونوں بیانات صحیح ہیں تو قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ:۔

اوّل۔حضرت عمر سابقہ کتبہائے خداوندی کی تعلیمات اور تمام سابقہ علمائے یہود ونصاریٰ کے اجتہادات پر عبور رکھتے تھے اور اُن سابقہ علوم کا بذات خود ریکارڈ تیار کر چکے تھے۔

دوم۔حیاتِ رسولؐ میں آنحضرتؐ کے تمام فیصلوں کو مندرجہ بالا ریکارڈ اور معلومات کے معیار پر جانچتے تھے۔مشکل مسائل رسولؐ اللہ سے معلوم کرتے تھے اور جواب نوٹ کرلیا کرتے تھے۔

سوم۔جو جواب معیار پر پورا نہ اُترتا تھا اُسے بار بار دریافت کرتے تھے اسکی پرواہ نہ کرتے تھے کہ رسولؐ اللہ جواب دیتے دیتے

تنگ آ جائیں۔ چنانچہ کلالہ کے مسئلہ کا جواب رسولؐ اللہ سے آخر تک نہ دیا جا سکا۔ جو آیت زیر بحث تھی؛ جسے حضرت عمر اپنے علمی میعار پر سمجھنا چاہتے تھے۔ دق ہو کر اُسی آیت کو بلا سمجھے پڑھنے اور خود سمجھنے کیلئے کہہ دینا حضرت عمر کو پسند کیسے آتا.

چہارم۔ یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنا چاہئے کہ وہ تمام مسائل جن کا جواب آنحضرؐت کے سمجھانے کے بعد بھی سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اُن کو مزید تحقیق کے لئے الگ نوٹ کرتے تھے اور اپنے علمی ذخیرہ اور دیگر ذرائع سے مدد لے کر سمجھ کر چھوڑتے تھے۔ چنانچہ یہودی علما کے درس میں شامل ہونا اسی ریسرچ سے متعلق ہو سکتا ہے۔

پنجم۔ حضرت عمر کے پاس مرتے دم تک ایسے مشکل مسائل کا موجود ہونا بتاتا ہے کہ آنحضرؐت اور حضرت عمر دونوں مل کر بھی شریعت کے بہت سے مسائل کو سمجھ نہ سکے۔ بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرؐت بعض مسائل کو نہ خود سمجھتے تھے نہ حضرت عمر کے معیار پر سمجھا سکتے تھے۔

ششم۔ حضرت عمر کے لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام لانے کے بعد وفاتِ ابوبکر تک اپنا ہر لمحہ اسلامی قوانین کو سمجھنے میں صرف کیا۔ ہر مسئلہ کی فروعات وتفصیلات اپنے مجتہدانہ انداز میں مرتب کیں اور خلافت ملنے سے پہلے پہلے آپ اعلیٰ درجہ کے قانون ساز انسان بن چکے تھے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ:

(3) فہم وفراست میں عربوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد بازو ہوں

لَوْ لَا رِجَائِی اَنْ اَکُوْن خَیْرَ کم لکم اَقْوَاکم عَلَیْکُمْ وَاَشدّ کُمْ اصلاحًا ینوب مِن مھم امر کم مَاتَوَلَّیْتُ ذٰلکم منکم۔

''اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد، سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کے لئے سب سے زیادہ شدت پسند بازو ہوں تو میں تمہاری یہ ولایت وحکومت قبول نہ کرتا۔''

ہفتم۔ یہ نوٹ کریں کہ شریعت سازی کا سب سے زیادہ حق حضرت عمر ہی کو تھا۔ اِسی حق کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عمر احکاماتِ نبویؐ میں مداخلت اور ترمیم وتنسیخ کیا کرتے تھے۔

(4) شریعت سازی میں فاروقی مداخلت اللہ ورسولؐ کو پسند تھی؟

قارئین یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ وہ شریعت جو قرآن اور رسولؐ کے احکام کے ماتحت مسلمانوں کو دی جا رہی تھی وہ بھی خالص اللہ، رسولؐ اور قرآن کی شریعت نہ تھی بلکہ اُس میں بھی حضرت عمر کی قانونی بصیرت کا بڑا حصہ شامل بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو علمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ:۔

(الف) ''حضرت عمر کو اس امتیازِ مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرؐت کے متعدد احکام میں جب اُنہوں نے دخل دیا

تو آنحضرتؐ نے اُس پر ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار کیا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 113)

یہاں قارئین یہ فیصلہ کرلیں کہ حضرت عمر نہ نبی تھے نہ اُن پر وحی آتی تھی۔ اس کے باوجود حضرت عمر کی ذاتی رائے اور بصیرت آنحضرتؐ سے بہتر اور ہر دفعہ صحیح ثابت ہوتی چلی جارہی تھی۔ چنانچہ ایک دوسرا بیان سنئے:

(ب) ''کتب سیَر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازہ پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں؟ قیدیان بدر کے معاملے میں اُنکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں اُنہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے؟ (اگلے صفحہ پر لکھا کہ) قیدیان بدر، حجابِ ازواج مطہرات، نماز جنازہٗ منافق۔ ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی۔ اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ (قانون شریعت) کے مسائل پر بہت بڑا اثر پڑا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 113-112)

مومنین غور فرمائیں کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں جو مسلمان یہ دیکھ رہے تھے کہ شرعی احکام اور قانون نافذ کرنے میں حضرت عمر کا فیصلہ وحی کے عین مطابق ہوتا ہے اور رسولؐ اللہ کے فیصلے (معاذ اللہ) غلط نکل جاتے ہیں۔ اُن کی نظر میں حضرت عمر کا کس قدر احترام و اعتبار ہوگا؟ اور وہ آنحضرتؐ کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے؟ اگر یہ تمام بیانات صحیح ہیں؟ تو ہمیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کی وہ رائے بھی غلط تھی جس میں آپ نے ایسی تحریر لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا جس سے پوری اُمت تاقیامت گمراہ نہ ہوتی۔ اور حضرت عمر کا ایسی تحریر لکھنے سے روک دینا بھی صحیح تھا۔ اور وحی ختم نہ ہوگئی ہوتی تو حضرت عمر کی تائید میں اُترتی۔ بہرحال علمائے حدیث نے حضرت عمر کی تائید فرمادی ہے۔ اور چونکہ قرآن کے بعد صحیح بخاری شریف کا درجہ ہے۔ لہٰذا بخاری سے تصدیق دیکھ کر اطمینان کرلیں کہ حضرت عمر انتقالِ پیغمبرؐ تک اپنے ہر فیصلے میں حق پر تھے۔ اور غالباً حضرت عمر کی اس پوزیشن ہی کا تقاضہ تھا جو رسوؐل کی زبانی یہ لکھا گیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ ایسی صورت میں مذکورہ بالا قرآن سے ہجرت کرنے والی قوم (سورہ فرقان 25/30) کا تعاون و اعتماد یقیناً حضرت عمر کو حاصل ہونا چاہئے تھا۔ اور رسوؐل اللہ کی ہر اُس بات سے انکار ضروری تھا جو حضرت عمر کی رائے کے خلاف جاتی تھی۔

(5) حضرت عمر کی نافرمانیاں بھی اللہ کی ہدایت وشریعت بنادی گئیں

حضرت عبداللہ ابن عباس اُس زمانہ میں اور اُن کے بعد آج تک جو لوگ حضرت عمر کی بعض باتوں پر ناک بھوں

چڑھاتے رہے ہیں وہ ہماری اس کتاب کے بعد اپنی رائے میں ضرور تبدیلی پائیں گے۔ آیئے اور دیکھئے کہ حدیثِ قرطاس کے ساتھ کیا گزری؟ اور علمائے اہلِ سنت نے کیا سمجھا؟

عن ابن عباس قال لَمَّا اشتدّ بالنّبیؐ وَجَعُه قَال ائتونی بکتابٍ اَکْتُب لکم کتابًا لَا تَضِلُّوا بعدہٗ قال عمران النبیؐ غَلَبه الوجع وعند نا کتاب اللّٰه حَسْبُنَا فاختلفوا و کثر اللغَطُ ۔قال قومُوا عَنِّی وَلَا ینبغی عندی التنازُعُ ۔فخرج ابن عباس یقول انّ الرزیة کل الرزیّة ماحال بین رسولؐ اللّٰه و بین کتابهٖ ۔(بخاری کتاب العلم جزاوّل صفحہ 22 نور محمد چھاپ)

''ابن عباس نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرؐت کی بیماری کی شدت بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک کتاب لا دو تاکہ میں تمہارے لئے کتاب میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ نبیؐ پر بیماری نے غلبہ پالیا ہے۔ اور ہمارے پاس پہلے ہی اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمارے حسب حال ہے (لہٰذا اُس تحریر کی چنداں ضرورت نہیں ہے)۔ ایسا کہنے پر اختلاف پیدا ہوگیا اور شور وغوغا مچ گیا۔ اس اختلاف اور چیخ وپکار پر آنحضرؐت نے فرمایا کہ میرے پاس سے دُور ہوجاؤ۔ میرے پاس جھگڑا کرنا موزوں نہیں۔ چنانچہ ابن عباس بھی باہر نکل آئے اور کہتے جاتے تھے۔ یقیناً یہ نہایت نقصان پہنچانے والی مصیبت تھی بلکہ ساری مصیبتوں کی ایک مصیبت تھی یہ جو آنحضرؐت کی تحریر لکھنے سے مانع ہوئی۔''

قارئین نے دیکھ لیا کہ رسوؐل کی ایسی بات بھی جس میں ساری اُمت کا اور خود حضرت عمر کا اپنا بھی بھلا تھا اس لئے نہیں مانی گئی کہ حضرت عمر کی رائے اس کے خلاف تھی۔ یہاں یہ یقین کر لینا پڑے گا کہ قرآن سے مہاجر قوم کی نظر میں حضرت عمر آنحضرؐت سے بہتر سوچتے ہیں۔ اور اُن کے مقابلہ میں (معاذ اللہ) آنحضرؐت کی نافرمانی بھی مفید ہوتی ہے۔

(6) حضرت عمر کی نافرمانیٔ رسولؐ بھی اللہ کی فرمانبرداری تھی؟

(الف) بخاری شریف میں اور حدیث کی باقی کتابوں میں جو کچھ بھرا پڑا ہے اگر وہ سب کچھ شیعہ وسنی عوام تک پہنچنے دیا گیا ہوتا تو آج یہ شیعہ سنی کا جھگڑا ہی نہ ہوتا۔ لیکن دونوں طرف کے مجتہدین و مدبرین نے جھگڑوں اور تنازعات کو قائم رکھ کر ہی تو اپنی حکومت چلانا تھی اس لئے اِدھر امت کو جاہل رہنے میں پوری مدد دی۔ تقلید کا جال پھیلا کر تحقیق کا راستہ بند کیا۔ اُدھر اُن تمام احادیث پر معنوی اور تاویلی غلاف چڑھا دیئے جو کسی طرح دلوں سے نکل کر کتابوں تک پہنچ گئی تھیں۔ آیئے مندرجہ بالا حدیث کو پردوں اور غلافوں سے باہر نکالیں۔ ایک شارح لکھتا ہے:

قوله فخرج ابن عباس ظاهره یدل عَلٰی اِنّ ابن عباس کان معهم فی تلك الحالة فخرج قائلًا بِهٰذِہ المقالة ولَیْسَ کَذٰلك فی الواقع بل قول ابن عباس انّما کان عند الروایة بهذا الحدیث ای خَرَجَ من المکان

الذی کان فیہ عند التحدیث بِھٰذا الحدیث و اظھر التکلف حین تحدیثہ لما رای من وقوع الفتن ۔ (خیر جاری وکذا فی فتح الباری) (ایضاً صفحہ 22 بخاری حاشیہ نمبر 6)

’’بخاری کا یہ قول کہ ابن عباس باہر نکلے بظاہر یہ ثابت کرتا ہے کہ ابن عباس رسولؐ اور عمر کے مابین گزرنے والے حالات میں باقی لوگوں کے ساتھ وہیں موجود تھے اور گویا واقعہ کے وقت حاضر تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ وہاں نہیں تھے بلکہ ابن عباس نے جو کچھ کہا تھا وہ اُس وقت کی بات ہے جب اُنہوں نے یہ حدیث بیان کی تھی۔ اور جس مکان میں بیان کی تھی وہاں سے نکلتے ہوئے وہ جملہ کہا تھا۔ اور یہ جو انہوں نے حدیث میں تکلف برتا ہے یہ فتنوں سے متاثر ہو کر کہا تھا۔‘‘

قارئین نوٹ کریں کہ لکھی ہوئی حدیث کو اور وہ بھی بخاری میں لکھی ہوئی حدیث کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے لیکن؛

(ب) ایسے عالم بھی تھے جنہوں نے صحیح مانا اور صحیح مان کر حضرت عمر کی تائید کی ہے

’’قولہ ایتونی بکتاب‘‘ لَعَلَ المراد بہ ما یکتب فیہ و بقولہ اکتب لکم کتابًا ما یکتب ولذلك اتی بالمظھر قیل انما کان ھذا الا مر من النبیؐ اختبارًا لِاَ صحابہ ۔فھدی اللّٰہ عمر لمرادہ و مَنَعَ من احضار الکتاب وخَفِیَ ذلك علیٰ ابن عباس۔‘‘ (حاشیہ السندی ایضاً بخاری صفحہ 57 پر)

’’آنحضرتؐ کا یہ کہنا کہ مجھے کتاب لا کر دو۔ اُس سے شاید یہ مقصد تھا کہ مجھے وہ چیز دو جس پر تمہیں تحریر لکھ دوں۔ اسکے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ نبیؐ کی طرف سے یہ حکم اپنے صحابہ کو کوئی خبر دینے سے متعلق تھا۔ چنانچہ اللہ نے حضرت عمر کو نبیؐ کی مراد کی ہدایت کر دی اور انہوں نے اللہ کی ہدایت کے مطابق مذکورہ کتاب حاضر کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن عبداللہ ابن عباس سے یہ حقیقت پوشیدہ رہ گئی۔‘‘

علامۂ السندی نے مسلسل یہ حاشیہ لکھا ہے، بڑی شان سے لکھا ہے۔ مگر ہم پہلے ہی کافی طول دے چکے ہیں بہر حال یہ علامہ نہایت مردانگی اور حریت پسندی کے ساتھ واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس کی طرح سوچنے والوں کا سامنا کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے انکشافِ حقیقت سب سے پہلے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی پہلے ہوا کرتا تھا۔

(7) وہ محدود وحی جو رسولؐ پر نازل ہوتی تھی حضرت عمر کی وسعت نظر میں حارج تھی

قارئین یہ بھی سمجھتے چلیں کہ آنحضرتؐ قرآن کریم سے جو شریعت یا قانون پیش فرماتے تھے۔ وہ اُن ضروریات کے سامنے نہایت محدود اور تنگ دامن ہوتے تھے جو حضرت عمر کے عالمی تجربے اور علم میں ہر لمحہ سامنے کھڑی رہتی تھیں۔ حضرت عمر کے ذہن میں وہ ساری شریعتیں تھیں جو از آدمؑ تا عیسیٰؑ، اللہ نے سابقہ کتابوں میں نازل کی تھیں۔ اُن کے سامنے مشرق و مغرب کی تمام قدیم وجدید حکومتوں کے قوانین اور تعزیرات مستحضر تھیں۔ وہ اقوامِ عالم اور اقوامِ عرب کی ارتقائی وانقلابی ترقی اور قدیم و

جدید تقاضائے حیات کو سامنے رکھتے تھے۔ اُن کے سامنے آنے والی تاریخ اور زیر قدم انقلابات ناچتے، چیختے اور اُلمڈ دکھتے ہوئے گزرتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلامی تعلیمات کے بعد اب مسلمانوں میں جرگہ سسٹم (System) یا یہ پنچائتی اور خاندانی یا سرداری حکومت ہرگز نہ چلے گی۔ دنیا کی دوسری حکومتوں کے مستحکم انتظامات کے سامنے مسلمانوں کی یہ حکومت، یہ محدود قوانین، یہ اللہ واسطے کے مجاہد اور فوج، یہ فی سبیل اللہ چندوں سے سامان جنگ کی خریداری و تیاری اُن مملکتوں کے مقابلہ میں کتنے دن ٹھہر سکے گی جہاں مسلح افواج، آزمودہ اور ہر موسم اور ہر میدان میں لڑنے والے جوان اور تنخواہ اور اعزاز یافتہ افسران موجود ہوں؟ محکمہ ڈاک، فوجی قوانین اور محکمہ جات برسرکار ہوں۔ جہاں افراد کی چھٹیاں اور بیماری و دیگر مصروفیات حکومت کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتی ہوں۔ وہ اسلامی حکومت کو بچگانہ رجعت پسندی سے نکال کر ساری دنیا اور پوری نسل انسانی پر چھا جانے والی پوزیشن دینے کا اعلان کرتے رہے تھے (بقرہ 2/204-206)۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کے عالمی تصورات ذاتی وانفرادی و محدود مفادات رکھنے والوں کی نظر میں فساد فی الارض ہے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ عالمگیر تعمیری پروگرام میں کسی خاص قوم یا افراد کے تصورات کو اہمیت دینا تخریب ہے۔ اور کوئی انسانی تعمیر، تخریب کے بغیر ہو بھی نہیں سکتی۔ لہٰذا چند فصلیں اور کوئی بستی یا قبیلہ عالمی امن قائم کرنے والی افواج کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا جا سکتا۔ وہ فصلیں، وہ بستی یا وہ قبیلہ اگر عالمی و آفاقی امن وامان اور انسانی فلاح و بہبود پر خود کو قربان نہیں کرتے تو اللہ کی راہ میں انہیں جبراً قربان کر دیا جائے گا اور اب شاید وہ ثواب سے بھی محروم رہیں۔ ٹھیک ہے آنحضرتؐ کے زمانہ کا وہی تقاضہ تھا جو مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے۔ اور اُن حالات میں اس عالمی پروگرام پر عمل کرنا واقعی فساد فی الارض ہوتا۔ مگر اُس عالمی پروگرام کو مدنظر رکھ کر اقدامات کرنے کی تو قرآن میں کہیں ممانعت نہیں ہے؟ نہ حضرت عمر نے یہ کہا کہ فوراً اور ابھی اِسی وقت اُس پر عمل کریں۔ مگر جو کچھ ذہن میں ہے اُس کا بیان کرنا اس لئے ضروری تھا کہ رسولؐ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ اُنؐ میں اور حضرت عمر میں کیا فرق ہے؟ تاکہ آئندہ دونوں میں تصوراتی تصادم نہ ہو۔ اور اُن کی وسعت نظر سے احکام و شریعت سازی میں حسب ضرورت مدد لی جا سکے۔ رسولؐ اللہ کی نبوتی مجبوریاں حضرت عمر کو معلوم تھیں۔ اور اکثر حضرت عمر کو نبوت کے پُر شکوہ اور سخت الفاظ و احکام برداشت کرنا پڑتے تھے۔ لیکن برداشت کرنا اور طرح دے جانا اور بات ہے مگر وسعتِ نظر اور عالمی پروگرام کو انہوں نے کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ یہی سب کچھ کہنا چاہا تھا شبلی نعمانی نے مگر افسوس کہ وہ شمس العلما ہوتے ہوئے بھی کھل کر بات نہ کر سکے اور اتنا لکھ کر رہ گئے کہ:

''جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے ہوتے تھے۔ اُن میں اس بات کا موقع نہ رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اس کے امام

شافعی کو یہاں تک کدّ ہے کہ ترتیب فوج،تعین شعار، تشخیصِ محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں۔اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت کہتے ہیں کہ ''رسول اللہؐ کے سامنے کسی کے قول وفعل کی کچھ اصل نہیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 113)

قارئین نوٹ کریں کہ جناب شبلی اسی لئے نعمانی ہیں کہ جناب امام اعظم ابوحنیفہ یعنی نعمان بن ثابت نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت عمر کے جاری کردہ قوانین اور قواعد کو جمع کیا اور شریعت سازی میں وہ وُسعتِ خیال پیدا کی کہ خود عمر حیران رہ جاتے۔ اُنہوں نے انسان کی مختلف حالتیں فرض کر کر کے ہر حال وضرورت پر پیشگی قوانین تیار کردیئے۔مثلاً سردی کے زمانہ میں بڑا استنجا کرتے ہوئے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے لانا چاہئے اس لئے کہ سردی کی وجہ سے راستہ میں پیش آنے والی رکاوٹ سکڑ کر اُوپر اُٹھ جاتی ہے۔مگر گرمی میں یہ راستہ میں اڑی رہتی ہے اس لئے ہر دفعہ ڈھیلا آگے سے پیچھے کی طرف جانا چاہئے۔

یہاں ایک تشریحی جملہ سُنانا آپ کی بوریت کو اور دُور کرے گا۔ یہ مسئلہ لکھ چکنے کے بعد ہمیں خیال آیا کہ خبر نہیں ہمارے قارئین ہمارے الفاظ کی کمزوری سے بلند ہو کر اس مسئلہ کو سمجھیں گے یا نہیں؟ ہم نے بیٹی سے نہیں بلکہ ایک اور قریبی فرد کو مسئلہ سُنایا۔ہم نے دیکھا کہ سامع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگیا۔ہم نے ہنسی کو ضبط کئے رکھا اور پوچھا کہ تمہارے ہنسنے سے یقین ہوتا ہے کہ عام قاری مسئلہ کو سمجھ جائے گا۔جواب ملا ٹھیک تو ہے خود بخود سمجھ میں آئے گا۔اُس راستے میں کوئی ٹریفک تھوڑی ہوتی ہے۔یقین کیجئے کہ اب ہم بھی بفضلِ امام اعظم بچوں کی طرح ہنس رہے تھے۔

(8) شبلی کے زمانہ تک ہندوستانی مسلمان علما ذرا جھجکتے رہے

شبلی صاحب اُنیسویں صدی کے تربیت یافتہ عالم تھے اسلئے اُنہوں نے تمام تلخ حقائق کو غلاف (Capsules) میں لپیٹ لپیٹ کر نگلوانے کی کوشش کی ہے۔انہیں کیا معلوم تھا کہ بیسویں صدی میں اُنکے بھائی بند مجتہدین برہنہ ہو کر اپنے حقیقی مذہب اور حقیقی راہنماؤں کو نام بنام پیش کریں گے۔اور جن لوگوں پر وہ خود اور پوری اُمت نام بنام لعنت کرتی تھی اُن ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھیں گے۔شبلی کے زمانہ میں کسی بُرے سے بُرے آدمی کو یزید وشمر کہنا بُرا سمجھا جاتا تھا۔اور ابھی کل تک ایسے لوگ موجود تھے کہ جب انتہائی مجبوری کے عالم میں کسی کو یزید کہتے تھے تو پہلے سے کشت وخون کی امید دل میں رکھتے تھے،آستینیں چڑھ جاتی تھیں اور ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا۔آج بھی دوسرے ممالک میں ہندو اور یہود تک یزید کو گالی سمجھتے ہیں۔لیکن ماشاء اللہ اس پاک سرزمین کی زرخیزی کہ یہاں معصوم وبے گناہ بچوں کو نہایت پیار سے یزید ومعاویہ کے ناموں سے پکارا جارہا ہے۔ چاروں طرف بیت اُلیزید اور کاشانۂ یزید کی تعمیر ہورہی ہے۔ہم بہت خوش ہیں کہ آخر تیرہ سوسال کی محنت اپنا رنگ دکھا کر رہی۔

یہ ہے وہ مذہب جو صدیوں غلافوں ،تاویلوں اور توجیہات کے پردوں میں چھپایا جاتا رہا۔ بہرحال شبلی صاحب کا چڑھایا ہوا غلاف اتار لینے کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے وہ قارئین نے دیکھ لی ہے۔ وہ دیکھ چکے کہ رسولؐ اللہ، اللہ کے حکم سے مجبور تھے اور حضرت عمر منصب رسالت کے سامنے کافی حزم واحتیاط برت رہے تھے۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمیشہ رسولؐ اللہ کے فیصلوں کو ناپسند کیا۔اور جہاں بات حد سے بڑھتی دیکھی رسولؐ اللہ کو برسرِ عام ٹوک کر، روک کر اپنا حکم جاری کرایا اور جہاں رسولؐ اللہ نے اختلاف کیا کھٹ سے ایک عدد وحی نازل کرا کے آنحضرؐت کو (معاذاللہ) خاطی ثابت کر دیا۔ یہاں یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر کا فیصلہ مندرجہ ذیل احکام و مسائل میں رسولؐ اللہ کے فیصلے کے خلاف اور اللہ کی منشا کے مطابق نکلا:

اوّل۔ منافقین کے جنازہ پر نماز پڑھنا غلط نکلا۔

دوم۔ صلح حدیبیہ دب کر کر لینا قابل اعتراض تھا۔

سوم۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق فیصلہ غلط نکلا۔

چہارم۔ازواجِ رسوؐل کو پردہ کا حکم حضرت عمر نے دلوایا تھا۔

بقول جناب شبلی ان تمام مسائل میں اللہ نے وحی نازل کر کے حضرت عمر کا برسرِحق ہونا اور اپنے بھیجے ہوئے رسوؐل کا (معاذاللہ) خاطی ہونا ثابت کیا۔اور آخری بات ابھی ابھی ثابت ہوئی کہ آنحضرؐت کا اُمت کے لئے گمراہی پروف (Proof) تحریر لکھنا بھی اللہ کی مرضی کے خلاف تھا۔اور چونکہ رسولؐ پر وحی بند ہو چکی تھی اس لئے بقول امام السندی، اللہ نے حضرت عمر کو کسی دوسرے خدائی ذریعہ سے ہدایت کی کہ ہرگز کاغذ وقلم دوات نہ لانے دینا۔ چنانچہ حضرت عمر نے منع فرمادیا اور بات ختم ہوگئی۔ پھر رسولؐ اللہ کا ایسے خدارسیدہ لوگوں کو قُومُوْا عَنِّی یعنی میرے پاس سے دُور ہو جاؤ، کہنا بھی کچھ اچھی اور صحیح بات معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تھی شریعت سازی کے معاملہ میں جناب عمر کی بے داغ پوزیشن۔اور کیوں نہ بے داغ ہوتی جب کہ وہ دن رات اسی فکر میں غلطاں رہتے تھے کہ رسولؐ اللہ ہر مسئلہ اور ہر حکم ایسے انداز سے دیں جو بعد میں پیش آنے والی قومی ضرورتوں میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اُنہیں جس قدر مستقبل میں مسلمانوں کی فکر تھی۔ جناب شبلی سے سنئے فرماتے ہیں کہ:

(9) شریعت کی تیاری وتنفیذ میں حضرت عمر کی کدّ وکاوش

''مسائل فقہیہ (شریعت کے مسائل) کے متعلق اُن کو جو کدوکاوش رہتی تھی۔اُس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو لفظ کلالة (نساء4/12،اور4/177) سے تعبیر کیا ہے۔لیکن چونکہ کلام مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں۔ اسلئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالة میں کون کون ورثا داخل ہیں۔حضرت عمر نے خود آنحضرؐت سے چند بار دریافت کیا اُس پر تسلی نہ ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسولؐ اللہ سے

دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔لیکن اُن تمام باتوں پر اُن کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔اور فرمایا کرتے تھے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیھا سے زیادہ عزیز ہوتی۔1: خلافت 2: کلالہ 3: ربا (سُود)۔'' چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث علاؤ الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 111 -110)

(10) انتقالِ رسولؐ کے بعد بھی حضرت عمر رسولؐ اللہ کی خامیاں بیان کرتے رہے

قارئین اس عنوان میں مسلسل دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ اللہ نے جو کام رسوؐل کو سونپا تھا، وہ ہرگز اُن سے انجام نہ دیا جا سکتا تھا اگر حضرت عمر ایسا فطری اور پیدائشی مقنّن مدد کے لئے نہ دیا ہوتا۔ چنانچہ یہ کتنی بڑی خامی (معاذ اللہ) قرآن اور قرآن لانے والے میں رہ گئی کہ مسئلہ کلالہ کی تعریف اور تعین نہ قرآن نے کیا نہ اللہ نے آنحضرتؐ کو بتایا۔نہ حضوؐر ہی اُمت کے مُقنّن حضرت عمر کو سمجھا سکے۔ حالانکہ حضرت عمر نے زبانی اور تحریری دونوں طرح اس قانون کو سمجھنے کا انتظام کیا اور آنحضرتؐ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔یعنی رسولؐ اللہ بھی قرآن کی بات کو نہ سمجھتے تھے تو اگر بعد کے حاکم اور خلفا بھی کوئی آیت یا حدیث نہ سمجھیں یا غلط سمجھ جائیں تو رسولؐ اللہ کے برابر ہی تو خاطی ہوئے۔لہٰذا جس طرح رسوؐل کی اطاعت خاطی ہونے کے باوجود واجب ہے۔اُسی طرح خلفا سے غلطیاں اور غلط فہمیاں معاف کرنا پڑیں گی۔اور اسی قاعدے سے جانشین رسوؐل کا خاطی وخطا کار ہونا جائز ٹھہرتا ہے۔اسی جگہ یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر اور رسولؐ کے تمام صحابہ میراث کے مسائل کو کماحقہ نہ جانتے تھے۔ لہٰذا میراث میں مجتہدین سے جتنی غلطیاں یا اختلاف سرزد ہوا اُس کی ذمہ داری خدا اور رسولؐ پر آتی ہے۔اور مجتہدین کی خطائے اجتہادی اسی جگہ سے ہمیشہ کے لئے معاف ہو جاتی ہے۔اور شریعت سازی کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ وممانعت باقی نہیں رہتی۔ ہر خلیفہ بننے والا شخص سو فیصد مختار ہے کہ اپنی اور رعایا کی مصلحتوں کے ماتحت جو حکم دے، جو قانون بنائے وہ سب اسلامی شریعت کے قانون ہوں گے۔اُن قوانین اور قانون سازوں کی اطاعت اللہ و رسوؐل کی اطاعت ہوگی۔اُن کی مخالفت خدا و رسوؐل کی مخالفت ہوگی۔

جب یہ مان لیا گیا کہ اُن کے بعد جو خلافت قائم ہوئی تھی وہ رسولؐ اللہ کے کسی حکم یا مشورے یا رضامندی سے نہیں ہوئی تھی تو پھر وہ حکومت یقیناً حضرت عمر کے قدیم پلان (بقرہ 205-2/204) کے مطابق وجود میں آئی تھی۔ بہرحال وہ اللہ و رسولؐ و قرآن سے ثابت نہیں ہے۔چونکہ حضرت عمر کا اس میں ہاتھ ہے اس لئے وہ بھی شرعی قانون کی طرح حضرت عمر کی رہین منت ہے اور قانون سازی کے لئے ضروری ہے۔تاکہ جہاں جہاں تک اسلامی اقتدار جائے وہاں ہر جگہ حضرت عمر کے تیار کردہ قوانین وشریعت نافذ ہوتی اور فلاح اُمت کی ضامن بنتی چلی جائے۔تیسرا مسئلہ جو حضرت عمر کو رسولؐ اللہ نہ بتا سکے سود کا مسئلہ ہے۔لہٰذا

مالی لین دین میں بھی قانون سازی حضرت عمر کے ہاتھوں سے لازم ہے۔

یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اس بیان میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ''کلالۃ'' کا مسئلہ رسولؐ اللہ نے اور تمام صحابہ نے حضرت عمر کو سمجھایا لیکن رسولؐ اللہ اور تمام صحابہ نے اس مسئلہ کو عالمی معیار پر نہ خود سمجھا تھا نہ حضرت عمر کی اُنکے سمجھانے سے تشفی و تسلی ہوئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ منوالیا گیا کہ تمام صحابہ اور آنحضرت کی بصیرت مجموعی حیثیت سے بھی حضرت عمر کے مقابلہ میں کم تھی۔

(11) قرآن فہمی اور شریعت سازی کو عقلی معیار پر کس نے بلند کیا؟

قارئین اب جو بیان آنے والا ہے اس میں چند اہم چیزیں نوٹ کئے بغیر حضرت عمر کی حقیقی پوزیشن اجاگر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ پہلی بات تو یہ دیکھنا ہوگی کہ 1: حضرت آدمؑ سے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کون شخص دین اور احکام خداوندی کو عقلی کسوٹی پر جانچنے میں اوّلیت رکھتا ہے؟ اور دیگر صحابہ رسولؐ اور خود رسوؐل کا کیا مقام ثابت ہوتا ہے۔ 2: دوسری چیز یہ سمجھنے کی ہوگی کہ جو لوگ احکام خداوندی میں چون و چرا اور اپنی عقل کو دخل دیئے بغیر مانتے چلے جاتے ہیں وہ حضرت عمر کی نظر میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ آخری بات یہ ہوگی کہ 3: ہر وہ حکم یا قرآن و رسوؐل کا فیصلہ قابلِ ردو بدل ہوگا جو حضرت عمر کے عقلی معیار پر پورا نہ اُترے۔ بس اب علامہ شبلی سے تمام مجتہدین کا مسلّمہ بیان سنئے:

''مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو (2) خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ اُن میں عقل کو دخل نہیں دوسرا یہ کہ اُس کے تمام اصول عقل پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علمِ اَسرارِ دین (دین کے رازوں) کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ خاص اسی فن میں ہے تاہم ہر زمانہ میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور رائے کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔ لیکن حضرت عمر اُسی دوسرے اصول کے قائل تھے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اَسرارِ دین (دین کے رازوں) کی گویا بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ نے اس علم سے بحث کی ہے اور اس کے وجوہ ظاہر کئے ہیں'' (صفحہ 6) شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا اُن میں عبداللہ بن عباس کی عمر آنحضرؐت کی وفات کے وقت 13 برس کی تھی۔ حضرت علیؑ کا سن جناب رسولؐ اللہ کی بعثت کے وقت دس برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت کا سن آنحضرؐت کی ہجرت کے وقت 11 برس کا تھا۔ حضرت عائشہ آنحضرؐت کی وفات کے وقت کل 18 برس کی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگ اس علم کی ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اَوّلیّت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہوگا۔ حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ اور اُن کے

خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۔(نساء 4/101)

چنانچہ اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں دوران نماز فتنہ میں مبتلا کر دیں گے تو نماز میں کمی کر دینے سے تم پر کوئی خرابی عائد نہیں ہوتی ہے۔ (علامہ نے فَلَیۡسَ لکھنا عقل و مصلحت کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ ابوعبداللہ)

لیکن جب راستے مامون ہو گئے (اور کافروں کا خوف ختم ہو گیا۔ تمام کافر مسلمان ہو گئے) تب بھی قصر کا حکم باقی رہا (جو عقل و مصلحت کے خلاف تھا) حضرت عمر کو اُس پر (یعنی خدا کے خلافِ عقل و مصلحت حکم پر) تعجب ہوا۔ اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا: ''کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟'' آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے (صحیح مسلم احادیث سفر)۔ حج کے ارکان میں رمل ایک رُکن ہے۔ یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سُن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم) اس کے بعد یہ (دوڑ) معمول ہو گیا۔ چنانچہ آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد حنبل) اُس (دوڑ) کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر نے صاف کہا کہ ''مَالَنَا وَلِلرَّمَلِ اِنَّمَا کُنَّا رَأَیۡنَا بِہٖ المشرکین وَقَدۡ اَھلَکَھُمُ اللّٰہ۔ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض؟ اِس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔'' حضرت عمر نے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ رمل کے ترک کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو حضرت عمر کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں تو کہا کہ غلط سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے فقہ (شریعت) کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ اُن تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں۔ اِس سے بداھتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم اَسرار الدین (دین کے رازوں) کے بہت بڑے اُستاد اور ماہر تھے۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 99-98)

(12) حضرت عمر کی عقل قرآن و رسولؐ کی صحت کا معیار تھی

(الف) قارئین نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ہم نے بطور تمہید بتایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ چند اور حقائق بھی ثابت ہوتے

چلے گئے ہیں۔ علامہ شبلی یہ پسند نہیں کرتے کہ شریعت سازی میں کوئی دوسرا فرد حضرت عمر کے برابر کے درجہ میں مانا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے شاہ ولی اللہ کے تجویز کردہ ناموں کو خارج کر دیا۔ اور کم سِنی کی بنا پر حضرت علیؑ و حضرت عائشہ تک کو حضرت عمر کے ساتھ شمار کرنا غلط بتایا۔ اُدھر سابقہ عنوانات میں رسولؐ کو بڑی تفصیل سے آؤٹ (out) کر ہی چکے تھے۔ اور اس تازہ بیان میں یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرؐت نے قرآن کے واضح الفاظ کے باوجود نمازِ قصر کو برقرار رکھا۔ حالانکہ اب کوئی کافر نہ بچا تھا۔ اور یہی نہیں کہ نماز قصر کو قرآن اور عقل اور ضرورت دین کے خلاف باقی رکھا بلکہ بلا کسی قرآنی آیت کے برقرار رکھنے کو خدا کا انعام بھی سمجھا۔ پھر حضرت عمر نے حج کے رکن یعنی رمل کرنے سے لاتعلقی ظاہر کی۔ حج میں سے اس رکن کو خارج کرنے کا ارادہ کیا مگر کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر یہ کہہ کر اپنا ارادہ بدل دیا کہ یہ رسولؐ اللہ کی یادگار ہے۔ حالانکہ وہ آنحضرؐت کی یادگاروں کو مٹانے میں کوشاں رہے ہیں تاکہ رسوؐل کی پوجا شروع نہ ہو جائے۔

(ب) یہ اصول سو فیصد صحیح ہے کہ قرآن و رسولؐ کے یا اُن دونوں کی شریعت کے احکام عقل کے معیار پر صحیح ہیں۔ لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ کس شخص کی عقل کو قرآن اور سنت کے احکام پر آخری فیصلہ کرنے والا مانا جائے گا؟ اس لئے کہ عقل ایک ترقی پذیر قوت ہے۔ اور ہر شخص کی عقل کا فیصلہ مختلف ہوتا ہے۔ اور کسی بھی انسان کی عقل کا کوئی بھی فیصلہ آخری نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کی عقل اپنی ترقی کی انتہا پر نہیں ہوتی۔ اس میں ابھی ترقی کی گنجائش ماننا لازم ہے۔ یعنی جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں شخص کی عقل مکمل ہو چکی ہے اُس وقت تک کسی کا عقلی فیصلہ قرآن و سنت کے فیصلوں میں سے کسی حکم یا فیصلے کو عقل کے خلاف کہہ کر تبدیل یا باطل نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہاں تک بار بار اور کئی طرح سے یہ مانا گیا ہے کہ حضرت عمر نے اکثر رسولؐ اللہ کے قرآنی فیصلوں کو غلط ثابت کیا اور حضرت عمر کے عقلی فیصلوں کی قرآن اور وحی نے تائید کی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر کی عقل بالکل مکمل تھی اور وہ یہ حق رکھتے تھے کہ قرآن اور سنت کے احکام اور فیصلوں میں اپنی عقل اور مصلحت کے مطابق جو تبدیلی چاہیں کریں۔ جس حکم کو چاہیں عارضی اور وقتی کہہ کر معطل یا فقہا کی زبان میں منسوخ کر دیں اور اگر ضروری ہو تو نئے قوانین و احکام بنائیں۔ اور تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت عمر کے بلا وحی ذاتی فیصلے کو اللہ کا فیصلہ سمجھ کر اس پر عمل کریں۔ یہ ہے وہ مقام جو مجتہدین نے حضرت عمر کے لئے اُمت میں مشہور کیا۔ اور یہی ہیں وہ اختیارات جن کی رُو سے آج کی پوری شریعت وعقائد وعبادات حضرت عمر کی مہربانیوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا صحیح ہے کہ آج جو شریعت مسلمانوں کے پاس اُن کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے، وہ وہ شریعت نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد رسالت میں تیار کر کے مسلمانوں کو دی تھی بلکہ یہ وہ شریعت ہے جو حضرت عمر نے اپنی عقل و بصیرت کے معیار پر نقد و نظر کے بعد امت پر نافذ کی تھی۔ اور اب آئندہ عنوانات میں اسی پہلو کو سامنے لایا جائے گا۔ لیکن پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ حضرت عمر کی شریعت ساز نگاہ میں رسولؐ اللہ کی

یادگاریں قائم کرنا کیسا تھا؟ اس کی ایک دو مثالیں دیکھ کر عنوان بدل دیجئے۔

(13) رسول اللہؐ کی یادگاروں سے بُت پرستی کا اندیشہ تھا

(الف) قارئین جانتے ہیں کہ بزرگانِ دین کی قبروں پر فاتحہ خوانی، قصیدہ اور قوالی کی محفلیں قائم ہوتی ہیں، لنگر جاری رہتے ہیں، عُرس قائم ہوتے ہیں، منتیں اور مُرادیں بر آتی ہیں۔ بادشاہانِ عالم کے درباروں اور تاجپوشی کے جلوسوں سے زیادہ رونق اُن مزاروں پر رہتی ہے۔ اُمت میں بزرگوں کے مختلف ایام بڑی شان سے منائے جاتے ہیں۔ مگر شیعہ اور اہلسنت کی اُس عظیم کثرت کو جو یہ سب کچھ مانتی اور مناتی چلی آئی ہے، مجتہد حضرات شرک و بدعت کہتے ہیں۔ اِن کاموں کو بت پرستی قرار دیتے ہیں اور جہاں جہاں اُن کو موقع ملتا ہے ایسی تمام قبروں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں جن پر اُمت کا ہجوم ہوتا ہے، جن سے مومنین کی مرادیں اور تمنائیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اُن کا ایمان اس قدر مضبوط ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کو (معاذ اللہ) دنیا کا سب سے بڑا اصنم (بُت) کہتے اور لکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اُمت کے عوام کو اُن علما کے قلبی و کتابی عقائد معلوم نہیں ہیں ورنہ وہ اُن سب پر تین حرف کہہ کر اُن سے اپنا دینی رشتہ منقطع کرنے میں ذرہ برابر تکلف نہ کریں۔ ہم اُمت کو ساری عمر سے یہی بتاتے ہوئے آرہے ہیں اور اس کتاب میں بھی اُن کی نقاب کشائی کی جارہی ہے۔

(ب) علامہ شبلی نے بڑے مزے سے اُمت کو شرک و بدعت سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک مقدس سہارا لیا ہے۔ ذرا غور سے اور محبت رسوؐل کو اُبھار کر سُنیں:

''اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے۔ لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اِسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ہے۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہوکر علانیہ کہا کہ: ''اِنِّی اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ وَ اَنَّکَ لَا تَضُرُّ وَ لَا تَنْفَعُ۔ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔'' حضرت عمر کا یہ فعل مذاقِ عام سے جس قدر الگ تھا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اُسی وقت حضرت علیؑ نے اُنکو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی شہادت دیگا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔ چنانچہ ناقدین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ (چند سطروں کے بعد لکھا) ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس مسجد کی طرف دوڑے۔ حضرت عمر نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب اِن ہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ اُنہوں

نے اپنے پیغمبروںؑ کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 98-97)

یہاں قارئین دو باتیں نوٹ کرلیں اوّل یہ کہ اُمت کے عوام کا وہی طریقہ اُس زمانہ میں بھی تھا جو اَب ہے۔ اور حضرت علیؑ اس معاملہ میں اُمت کے ہم خیال ہیں۔ اور چونکہ حضرت عمر آنحضرؐت کی یادگاروں کو باقی نہ رکھنا چاہتے تھے اور حجر اسود کے لئے وہ احتیاطی بات فرمائی تھی جو رسولؐ اللہ کو بھی نہ سوجھی تھی۔ اس لئے تمام محدثین کو کاذب کہنا زیادہ بہتر ہے۔ بہرحال دوسری بات وہی ہے کہ حضرت عمر ہرگز رمل کے معاملہ میں یادگار سمجھ کر خاموش نہ ہوئے تھے۔ بلکہ کوئی زیادہ وزن دار بات تھی۔

6۔ آنحضرؐت کے بعد جو دین وشریعت حکومت کی طاقت سے دُنیا میں پھیلے؟

پچھلے عنوانات میں محققینِ اہلسنت کی تحقیق قارئین کے سامنے سے بار بار گزرتی اور ثابت کرتی رہی کہ قرآن اور صاحب قرآن صَلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسَلَّم کی پیش کردہ شریعت اور دین حضرت عمر کی دینی بصیرت کے اکثر خلاف ہوتا تھا۔ اور حضرت عمر احکامِ خدا ورسوؐل کو اکثر خلافِ عقل دیکھ کر آنحضرؐت سے سوالات کیا کرتے تھے اور رسولؐ اللہ کے جوابات سے حضرت عمر مطمئن نہ ہوتے تھے۔ مگر بعض اوقات مصلحتاً اپنے اختلاف پر اصرار نہ کرکے وقتی طور پر رسوؐل کا حکم برداشت کرلیتے تھے۔ اور اُس وقت کا انتظار کرتے تھے جب وحی کے الفاظ کی جگہ وحی کی عقلی ومعنوی اسپرٹ (SPIRIT) کو آزادی سے استعمال کیا جانا ممکن کرلیا جائے گا۔ چنانچہ حیاتِ رسولؐ ہی میں حضرت عمر نے مستقبل کے لئے پروگرام بنالیا تھا اور وہ تمام پیش بندیاں کردی تھیں جو قومی حکومت کے لئے ضروری تھیں۔ چونکہ انتقالِ رسولؐ کے بعد حضرت عمر اور اُن کی زیرِ تربیت دانشوارنِ قوم اور اُن کی ہمنوا قوم یہ نہ چاہتی تھی کہ آنحضرؐت کی قائم کردہ حکومت خاندانِ نبوت میں رہے (الفاروق) اور پوری قوم اور سارا ملک شخصی حکومت کی غلامی میں پھنس جائے۔ اس لئے ضروری تھا کہ انتقالِ رسولؐ سے قبل ہی اُن تمام سربرآوردہ لوگوں پر خاص نظر رکھی جائے اور اُن کی روک تھام کی جائے جو نبوتؐ کی طرح حکومت کو بھی خاندان نبوت میں رکھنا پسند کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ دنیا کو آزادیٔ رائے اور حکومت سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا جائے۔ قرآن کریم نے یہ پوری اسکیم بیان کردی ہے جو کہ قوم کی کثرت کا مطمحِ نظر رہتی چلی آرہی تھی۔ اُس قوم نے قرآن کریم اور رسول کریمؐ کے وہ تمام احکام ذاتی اور وقتی مصلحت کہہ کر ماضی اور حال سے مخصوص کردیئے تھے جن سے خاندانِ نبوت میں امامت وخلافت وحکومت کا قائم رہنا ثابت ہوتا تھا۔ اور طے کرلیا تھا کہ مستقبل میں قومی حکومت قائم کی جائے گی اور قرآن ورسولؐ کے تمام احکام مفادِ عامہ اور مصلحت قومی اور دانشورانِ قوم کی بصیرت کے ماتحت نافذ ہوا کریں گے۔ اسی مقصد کی تمہید تھے وہ مسائل جن میں حضرت عمر نے عہدِ رسالت میں کھل کر نہایت شدت کے ساتھ اختلافات کیئے اور اپنی بصیرت سے احکامِ رسوؐل کی اصلاح کی حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت عمر کی تائید میں اور آنحضرؐت کی

مخالفت میں وحی تک نازل کرنا پڑتی رہی ۔اور حضرت عمر نے اپنی مذکورہ قوم سے اپنا لوہا منوالیا تھا۔ یہ ہی وہ قوم تھی جو ہرگز رسولؐ کی خاندانی حکومت نہ چاہتی تھی۔

(1) فری اسٹائل(Free Style)حکومت اور شریعت خاندانِ نبوت سے ممکن نہ تھی

زیرِ گفتگو قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے جناب علامہ شبلی تمام مجتہدانہ بحثوں اور خاندانِ نبوت سے حکومت نکال لینے کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سرنہیں جھکا سکتے تھے۔علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔اُن کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اُس سے حضرت عمر کے خیالات کا ''سربستہ راز'' معلوم ہوگا۔مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے ساتھ ہوا تھا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر: کیوں عبداللہ بن عباس علیؑ ہمارے ساتھ کیوں شریک نہیں ہوئے؟

عبداللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔ (قارئین نوٹ کریں)

حضرت عمر: تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی پھر قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ بن عباس: میں نہیں جانتا۔ (حضرت عمر سے اعلان کرانے کی ترکیب)

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں۔تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس: کیوں؟ (پھر تفصیل اُگلوائی)

حضرت عمر: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔اگر وہ تم کو خلافت دیتا بھی تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔(یہاں ذراسی خیانت ہوگئی۔یہ بھی کہا تھا کہ)''مبادا تم اپنی قوم سے (حکومت ملنے کے بعد) بدسلوکی کرو۔اس لئے قریش نے حکومت کو اپنے لئے پسند کیا۔اُن کی رائے درست تھی اور اس میں وہ کامیاب رہے۔'' (طبری حصہ سوم خلافت راشدہ صفحہ 281)

یہاں آکر علامہ فرماتے ہیں کہ: ''دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے۔کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمر: کیوں عبداللہ ابن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا۔لیکن میں نے اس خیال سے اُس کی

تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر: میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے خلافت ہمارے خاندان سے حسداً اور ظُلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس: ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے۔لیکن حسداً؟ تو اس کا تعجب کیا ہے؟ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا۔اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر: افسوس! بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس: ایسی بات نہ کہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔؟؟؟

حضرت عمر: اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس: بہت مناسب ہے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 104-103)

علامہ شبلی غالباً یہ سمجھتے تھے کہ کون طبری کو دیکھتا پھرے گا؟ جو ہم نے لکھ دیا ہے اُس پر لوگ کیوں شک کریں گے؟ لیکن ہم قارئین کو یہ ضرور بتائیں گے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا مقابلہ جب بھی صحابہ سے کیا جائے گا۔اہلسنت مجتہدین پر خیانت واجب ہو جاتی ہے۔ وقت اگر ملا تو ہم ''مجتہدین کی دینی خیانتیں'' نام کی ضخیم کتاب پیش کریں گے۔ یہاں تو اُس دوسرے مکالمہ کی نئ باتوں میں شمس العلما کی خیانت دیکھ لیں تو آگے چلیں۔

عبداللہ ابن عباس: اے امیر المومنین وہ کیا باتیں ہیں؟ اگر وہ صحیح ہیں؟ تو آپ کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ میرا مرتبہ گھٹائیں اور اگر وہ جھوٹی ہیں؟ تو میرے جیسا انسان اُسے دور کر سکتا ہے۔'' (اور)

عبداللہ ابن عباس: اے امیر المومنین ٹھہریے۔آپ ایسے لوگوں کے دلوں پر الزام نہ لگایئے جن کی آلائش کو اللہ نے دُور کر دیا ہے۔اور اُن کے دلوں کو حسد اور فریب اور مکر کی آلائش سے بالکل پاک وصاف کر دیا ہے۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کا قلبِ مبارک بھی بنو ہاشم کے قلوب کا ایک حصہ ہے۔(آپ نے فرمایا۔)

حضرت عمر: اے ابن عباس تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا) بہت بہتر۔(جب میں جانے کے لئے کھڑا ہوا تو آپ کو شرمندگی محسوس ہوئی۔آپ نے فرمایا۔)

حضرت عمر: اے ابن عباس تم بیٹھے رہو۔ مجھے تمہارے حقوق کا خیال ہے اور مجھے تمہاری خوشی پسند ہے۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا کہ) اَے امیر المومنین میرے آپ پر اور ہر مسلمان پر کچھ حقوق ہیں جو کوئی اُن حقوق کی

حفاظت کرے گا تو وہ خوش نصیب ہے۔ اور جس نے حق تلفی کی تو وہ بدنصیب ہے۔'' اس کے بعد آپ (عبداللہ ابن عباس) اُٹھ کر چلے گئے۔ (طبری حصہ سوم خلافت راشدہ صفحہ 281 تا 283)

علامہ شبلی صاحب نے دوسرے مکالمہ میں ہی نہیں بلکہ پہلے مکالمہ میں بھی ایک خاص پہلو کو چھپا لیا ہے۔ وہ بھی نوٹ کرلیں:۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا کہ) اَے امیر المومنین اگر آپ مجھے گفتگو کرنے کی اجازت دیں۔ اور مجھ پر ناراض نہ ہوں تو کچھ عرض کروں؟

حضرت عمر: اے ابن عباس تمہیں بولنے کی اجازت ہے۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا کہ) آپ نے فرمایا ہے کہ قریش نے اپنے لئے خلافت کو انتخاب کیا اور اس معاملہ میں وہ درست تھے اور کامیاب ہوئے۔ اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اگر قریش اپنے لئے خلافت کا انتخاب اُس وقت کر لیتے جب اللہ بزرگ و برتر نے اُنہیں اختیار دیا تھا تو اُس وقت یہ صحیح معاملہ نا قابل رَدّ اور نا قابل حسد ہوتا۔ وہ لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و خلافت دونوں چیزیں ہمارے اندر جمع ہو جائیں۔ تو خدائے بزرگ و برتر نے بھی ایک جماعت کی ناپسندیدگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔ (محمدؐ 9-47/7)

''یہ اس وجہ سے ہوا کہ اُنہوں نے اس (وحی کو) جو اللہ نے نازل فرمائی تھی۔ پسند نہیں کیا اِس لئے اُس نے اُن کے اعمال اکارت کردیئے۔'' (تاریخ طبری جلد سوم صفحہ 282-281)

(2) قارئین حضرتِ عمر اور شبلی کا سَر بَمُہر اور سر بند قدیم منصوبہ آپ کے سامنے ہے

اِن مکالموں سے جو حقائق بلا شک وشبہ ثابت ہوتے ہیں۔ وہ ہم قرآن کریم سے براہ راست لکھ چکے ہیں۔ لیکن وہاں ایک قاری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ہمارے ترجمہ اور تفہیم کو یک طرفہ تصور قرار دے کر رد کردے۔ مگر اب حضرتِ عمر نے یہ ''سربستہ راز'' کھول دیا اور صاف الفاظ میں اقرار کرلیا کہ:

اوّل: قریش مکہ نے اپنی قومی مصلحت کی بنا پر، اللہ و رسولؐ کی منشا کے خلاف یہ سر بند منصوبہ بنا رکھا تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد خاندان نبوت میں حکومت کو ہرگز نہ جانے دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اِس طرح اس مقدس قوم کو نقصان کا یقین تھا۔

دوم: حضرتِ عمر اور حضرتِ ابوبکر قوم کے اس منصوبے اور فیصلے کے قائد یا راہنما لیڈر رہتے تھے۔ اِن دونوں بزرگوں کا ہم خیال و ہم آہنگ ہونا اور دونوں میں محبت اور دوستی اِدھر تمام مسلمانوں میں مُسلّمہ ہے۔ اُدھر قرآن کریم اس دوستی کا نچوڑ یہ بتاتا ہے کہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ (منصب رسالت کے خلاف سمجھ کر) چھوڑ کر دوسری، خود فہمیدہ راہ اختیار کرلی تھی۔ اور جب یہ منصوبہ برسر کار آیا تھا، اُسی وقت رسولؐ نے اللہ سے شکایت کی تھی کہ میری قوم نے

قرآن کے ماتحت رہنے کے بجائے دوسری قیادت اختیار کرلی ہے۔اللہ نے اُس قوم کو سابقہ انبیاءِ کرام کی مخالف جرائم پیشہ اقوام میں شامل کر کے رسولؐ اللہ کو تسلی دی تھی۔(الفرقان 31-25/27)

سوم: حضرت عمر کا یہ کہنا کہ ''خلافت وحکومت حاصل کرنے میں قوم کی رائے صحیح تھی اور اُس میں وہ قوم کامیاب ہوئی'' ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر و حضرت ابوبکر اور قوم قریش نے اپنے اس مقصد کے لئے حیاتِ رسولؐ ہی میں اسکیم بنائی اور حصولِ حکومت کی تمام ممکنہ کوششیں کیں اور رسوؐل کی آنکھ بند ہوتے ہی اپنی قومی حکومت قائم کرنے اور اپنا تصوراتی اسلام وشریعت جاری کرنے میں کامیاب ہوگئی۔اور رسولؐ اللہ کے خاندانی حکومت کے تصور کو ناکام و پسپا کر دیا۔ اور آخر آج اس قابل ہے کہ خاندانِ رسوؐل کا مُنہ چڑا سکے۔

چہارم: اسی مکالمہ میں یہ ثابت ہوگیا کہ 1: خاندانِ نبوت پر ظلم وستم کیا جارہا تھا اور مدینہ کا ہر ذی ہوش شخص اُس ظلم سے مطلع تھا۔2: اور یہ بھی کہ حسد کیا گیا 3: اور حسد کرنے والوں کو عبداللہ ابن عباس نے ابلیس کے ساتھ شمار کیا 4: حضرت عمر دونوں حقیقتوں کے اظہار پر بوکھلا جاتے ہیں 5: اور اعلان کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کے ساتھ اُن کی اور اُن کی قوم کی بہت پرانی چشمک اور کینہ وبغض وحسد چلا آرہا ہے۔ 6: عبداللہ ابن عباس حضرت عمر کو یاد دلاتے ہیں کہ حضور آپ جن پر اتہام لگا رہے ہیں اُن کی شان میں آیت تطہیر (احزاب 33/33) نازل ہوئی تھی۔وہ اور رسوؐل خدا، اللہ کی ذمہ داری کی بنا پر بُغض وحسد اور کینہ وفریب سازی وغیرہ کی ناپاک آلائشوں سے پاک ہیں 7: اور یہ کہ یہ سب کچھ یاد آنے پر حضرت عمر شرمندہ ہوئے۔اعتراف حقوق کیا اور ازراہِ شفقت بزرگانہ اپنے پاس بٹھالیا۔اور عبداللہ کی رضا جوئی کی۔

پنجم: آخری حقیقت یہ کہ عبداللہ ابن عباس نے حضرت عمر کو دعوت ذوالعشیرہ یاد دلائی۔ جب آنحضرؐت نے تمام اہل خاندان کو اور قریش کے تمام بزرگوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے اپنی نبوت ورسالت اور زیر بحث حکومت میں تعاون طلب کیا تھا۔اور اپنے لئے ایک ایسا شخص مانگا تھا جو حکومت وخلافت ونبوت ورسالت کی ذمہ داریوں میں رسولؐ اللہ کا بھائی، وزیر اور خلیفہ بن جائے اور تمام آنے والی مشکلوں اور جان لیوا مخالفتوں میں سینہ سپر رہتا اور کامیاب ہوتا چلا جائے۔عبداللہ ابن عباس نے یہ کہا کہ اگر اُس روز تم یا ابوبکر یا کوئی اور قریشی آگے بڑھتا اور دنیا کے مقابلہ میں خلافت وجانشینیٔ رسوؐل کو انتخاب کرتا تو اُس پر حسد کا الزام نہ لگتا اور میں تم کو یُوں ردّ نہ کرتا۔تمام قریش اُس وقت مذاق کرتے ہوئے اُٹھ گئے۔چند روز بعد خطرہ محسوس کیا تو محمدؐ وآل محمدؐ کو فنا کرنے پر متفق ہوگئے، تباہ کن جنگیں لڑیں، اپنے مخصوص لوگوں کو اسلام لانے اور داخلی محاذ بنانے پر مامور کیا، قومی اور جمہوری قسم کی حکومت قائم کرنے اور نبوت کی خاندانی حکومت کے خلاف مہم چلانے پر لگایا، ہر خطرہ سے بچ کر رہنے کی تاکید کی، رسولؐ کے بشری جذبات کو آڑ بنایا، ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں دخل دیا، قوم نے تائید کی آخر ساری قوم کلمہ پڑھ کر ساتھ ہوگئی۔اُدھر رسولؐ کے حکم

کے بغیر جائز فکر بھی منع تھا، حفظ ماتقدم بھی رسولؐ کے ہاتھ میں تھا۔متبعین رسولؐ کے ہاتھ بندھے ہوئے اور وحی کے پابند تھے۔تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے، ہر ترکیب جائز، ہر بات قوم کی نظر میں وحی تھی۔وہ فرائض کی ادائیگی میں مجبورتم ہر حال میں جس طرح بھی ہو سکے حکومت حاصل کرنے پر مامور، یوں تم کامیاب ہوگئے۔ہم نے اپنا دین محفوظ رکھا تم نے حکومت حاصل کرلی۔

(3) جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں قومی حکومت لے لی گئی

جس طرح حضرت عمر کو خدا نے ایک دن اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ اپنا قومی منصوبہ بیان کرنے میں کوئی خطرہ محسوس نہ کر سکے۔اُسی طرح جناب شبلی صاحب اپنے زمانہ میں اپنے اور اپنے تمام بزرگوں کے مذہب کو مسمار کردینے والی باتیں لکھنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے۔اور چند تنکوں کے سہارے اپنا سفینۂ مذہب ڈبوتے ہوئے بلاتکلف لکھتے ہیں کہ:

''یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرؐت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی۔اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے۔کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسولؐ اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو اُنؐ کے عشق ومحبت کا دعویٰ ہو وہ اُن کو بے گور وکفن چھوڑ کر چلے جائیں۔اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ جائے۔تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں (حضرت ابوبکر وعمرؓ) سے سرزد ہوا جو (شبلی کے نزدیک) آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرؐت سے فطری تعلق تھا۔یعنی حضرت علیؑ اور خاندانِ بنی ہاشم، اُن پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرؐت کے درد وغم اور تجہیز و تکفین سے (حصول حکومت اور قریش کی) اِن باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔'' (اور یاروں نے تخت وتاج سنبھال لیا) (الفاروق حصہ اول صفحہ 32-31)

قارئین کرام ہمیں اس بیان پر بھی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ ہم تو اس کتاب میں مومنانہ انداز سے علمائے اہلسنت کی تقریباً ہر بات مانتے چلے جانے کے مُوڈ میں ہیں۔اور ہر بات اور ہر فیصلہ اپنے قارئین پر چھوڑتے چلے جارہے ہیں۔البتہ کہیں ضرورت ہوتی ہے تو ذرا ورا سی وضاحت، وہ بھی خود علمائے اہلسنت کے قلم سے پیش کردیتے ہیں۔چنانچہ یہاں بھی ہمیں دو باتیں یاد دلانا ہیں۔

پہلی بات یہ کہنا ہے کہ علامہ شبلی اگر اتنا اور لکھ دیتے کہ وفاتِ رسولؐ پر حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کا ردعمل اور بھی بدترین صورت اختیار کرلیتا ہے جب تاریخ کا یہ بیان سامنے آتا ہے کہ اُن پر اپنے مشفق ومہربان رسوؐل کی وفات کا صدمہ تو کیا اثر انداز ہوتا بلکہ انہوں نے رسولؐ اللہ پر رنج وغم میں مبتلا لوگوں کو مشرک قرار دیا۔اور رسوؐل اللہ کو بھول جانے اور اللہ کو یاد کرنے کا مشورہ

بھی دیا تھا۔ چنانچہ بخاری میں یہ الم انگیز واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان رسوّل اللّٰہ مات و ابوبکر بالسُّخ قال اسماعیل یعنی بالعالیة فقام عمر یقول واللّٰہ مامات رسولؐ اللّٰہ۔قالت وقال عمر واللّٰہ ما کان یقعُ فی نفسی اِلّا ذاك ولَیَبْعَثَنَّهُ اللّٰہ فلیقطعَنَّ ایدیَ رِجَالٍ وارجُلَهم۔فجاء ابوبکر فکشف عن رسولؐ اللّٰہ فقبّله فقال بابی انت و اُمِّی طِبْتَ حَیًّا وَ مَیِّتًا والذی نفسی بیدہٖ لا یُذِیقكَ اللّٰہُ الموتَتَین ابدًا ثُمَّ خَرَج فقال اَیُّهَا الْحَالِفُ عَلٰی رسلك فَلَمَّا تکلّم ابو بکر جَلَسَ عمر فَحَمِد اللّٰہَ ابوبکر واثنٰی علیه وقال اَلا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ محمدًاؐ فانَّ محمدًا صلی اللّٰہ علیه و سلم قدماتَ وَ مَنْ کانَ یَعبُدُاللّٰہَ فانَّ اللّٰہ حیٌّ لا یموت ..الخ (بخاری پارہ نمبر 14 فضائل اصحاب النبی صفحہ 517 چھاپ نور محمد)

''حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ جب رسولؐ اللہ مرے تو ابوبکر اُس وقت (اپنے گھر محلّہ) سُخ میں تھے۔ اُس وقت حضرت عمر یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے کہ خدا کی قسم رسولؐ اللہ مرے نہیں ہیں۔ عائشہ نے یہ بھی کہا کہ عمر کا کہنا یہ تھا کہ خدا کی قسم اُس وقت میرے دل میں اس کے سوائے دوسری کوئی اور بات ہی نہ آئی اور میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ یقیناً اللہ آنحضرؐت کو دوبارہ مبعوث کرے گا۔ پھر وہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔ اتنے میں ابوبکر آ گئے۔ رسولؐ اللہ کا چہرہ کھولا، بوسہ دیا اور کہا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں۔ آپ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی پاک ہیں۔ قسم بخدا اللہ آپ کو دوموتوں کا مزہ نہ چکھائے گا۔ پھر ابوبکر باہر نکلے اور عمر سے کہا کہ اے بے تحاشہ حلفیہ بیان دینے والے۔ ابوبکر اتنا ہی بولنے پائے تھے کہ عمر بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے اللہ کی حمد وثنا کے بعد کہا۔ خبردار ہو جاؤ کہ جو لوگ محمد کو پوجتے تھے وہ مایوس ہو جائیں اس لئے کہ محمد یقیناً مر گیا۔ جو خدا کی عبادت کرتے تھے وہ اطمینان رکھیں کہ خدا زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔''

اگر علامہ یہ لکھ دیتے تو ہمیں شکایت نہ ہوتی۔ اور عوام الناس کو پتہ لگ جاتا کہ وفاتِ رسولؐ، اہلبیت علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لئے کوئی غم انگیز حادثہ نہ تھا۔ اور یہ کہ اُن کے اسلامی تصور میں کچھ لوگ رسوؐل کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مگر یہ حضرات خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کرتے تھے۔

دوسری شکایت یہ ہے کہ جناب علامہ شبلی نے اپنے عنوان ''سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف'' کے بعد بارہ سطروں میں وفاتِ رسوؐل اور حضرت عمر اور حضرت ابوبکر اور بنی ہاشم کا تذکرہ کیا ہے۔ ان سطور میں چھ جگہ ''آنحضرؐت'' اور ''رسولؐ اللہ'' وغیرہ لکھا مگر احترام کی علامت (ؐ) نہیں لکھی اسی طرح ''علی'' بلا احترام (ؑ) کے لکھا۔ مگر حضرت عمر کا نام ایک ہی جگہ لکھا تو ان پر (رضؓ) احترام کی علامت کو واجب سمجھا۔ قارئین اس قسم کی توہین رسولؐ اس علامہ سے اور اُن کے ہم مذہب علما سے برابر دیکھتے چلے جائیں گے۔ یعنی مجتہدین کے دلوں میں جو بغضِ رسولؐ و آل رسولؐ پوشیدہ ہے وہ اکثر و بیشتر اسی

صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال ابھی وفاتِ رسولؐ پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اقدامات کے متعلق علامہ شبلی سے چند جملے اور سن لیں تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ خاندانِ رسولؐ میں حکومت کا چلا جانا حضرت عمر کو ہرگز منظور نہ تھا۔ اور یہ کہ انتقالِ رسولؐ کے بعد جناب عمر اور اُن کی زیرِ قیادت قوم نے جو اقدامات کئے وہ اچانک نہ تھے۔ بلکہ سوچ سمجھے اور قصداً وعمداً کئے گئے تھے۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ:

(4) حضرت عمر نے زبردستی خاندانِ نبوت میں حکومت نہ جانے دی

(الف)۔ ''یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ وابوبکر وغیرہ آنحضرؐت کی تجہیز وتکفین چھوڑ کر (اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے) سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 32)

(ب)۔ ''یہ بھی سچ ہے کہ انہوں (ابوبکر وعمر) نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار سے بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُن کی خلافت تسلیم نہیں کی۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 32)

(ج)۔ ''اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب کے بہت سے صاحب اِدعا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ ''خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے۔'' اور عمر (ان دونوں خاندانوں میں سے) کسی میں نہیں ہیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 82)

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ جن لوگوں کو شبلی صاحب نے مؤلفۃ القلوب کہا ہے وہ یقیناً بنی امیہ ہی کے لوگ تھے۔ ورنہ خاندان رسولؐ کے ساتھ حکومت کے حق دار بنی امیہ کو نہ کہتے۔ یعنی حضرت عمر جس قوم کے تعاون سے حکومت پر قابض ہوئے تھے ان میں بنو امیہ شامل تھے۔ لیکن جب حکومت حضرت ابوبکر اور اُن کے بعد حضرت عمر تک جا پہنچی تو بنو امیہ کو احساس ہوا کہ یہ دونوں حضرات نہ بنی ہاشم میں سے ہیں اور نہ بنو امیہ میں سے ہیں۔ اور اب عمر نہ معلوم اپنے بعد حکومت کس کو سونپ جائیں۔ یہی ادعا اور دباؤ تھا کہ حضرت عمر نے اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں کیا۔ بلکہ نہایت تدبر سے حکومت کو بنو امیہ کی طرف جھکا دیا اور حضرت عثمان خلیفہ بن سکے۔

(د) ''بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنکو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں اسلیئے باوجود دولتمندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمر کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں (اور حضرت عمر یہ حق نہ دینا چاہتے تھے) اُنھوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ ابن عباس کو اس کی جگہ مقرر کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ اُن کی طرف سے مطمئن نہ

تھے۔اس لئے بلا کر اُن سے کہا کہ: فِيْ نَفْسِيْ مِنْكَ شَيْءٌ۔ یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔اُنہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا: ''اِنّی خَشِيتُ عليكَ اَنْ تاتی علی الفئی الذی هو آت۔یعنی مجھ کوڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔'' (حصہ 2 صفحہ 91-90)

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ عبداللہ بن عباس سے نہ کوئی محبت تھی نہ حقیقی طور پر اُنہیں قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا۔نہ عبداللہ نے سر تسلیم خم کر کے عہدہ لیا تھا۔

(ہ) ''حضرت عمر نے باوجود حضرت علیؑ کے طلب وتقاضے کے آل نبیؐ کو فدک اور خمس سے محروم رکھا۔''
(الفاروق حصہ دوم صفحہ 121)اور

(و) ''جب حضرت عباس اور حضرت علیؑ عمر کے پاس فدک کے دعویدار ہوکر آئے تھے تو عمر نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہوسکتا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 124)

قارئین نوٹ کرلیں کہ حضرت عمر نے حکومت کو جبراً خاندان نبوت سے نکالکر ملکی وقومی مصالح کو پورا کیا اور بنی ہاشم اور علیؑ کو اُس قومی حکومت میں کوئی عہدہ تک نہ دیا۔اور خاندان نبوت سے وہ تمام حقوق چھین لئے جو انہیں اللہ ورسولؐ نے دیئے تھے۔اور یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا کہ حضرت عمر کے نزدیک رسولؐ کے فیصلے ہمیشہ (معاذ اللہ) غلط ہوا کرتے تھے اور اصلاح ضروری تھی۔

قارئین کرام یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ ہم اس کتاب میں استحقاق خلافت کی گفتگو سے بچ کر نکل رہے ہیں۔اور صرف یہ دکھارہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جس قسم کی حکومت اور قانون بن رہا تھا وہ ضروریاتِ قومی ومصلحتِ عامہ کو پورا نہ کرتا تھا۔اس میں وحی کی لفظی پابندیاں تھیں اور معنوی وسعت نظر کا ہر جگہ فقدان تھا۔حضرت عمر کے سامنے ایک عالمگیر حکومت کا تصور تھا۔جس کو اگر برسر کار نہ لا جائے تو گویا مقصدِ رسالتِ خاتم الانبیاً تباہ ہو جائے گا۔اسلئے حضرت عمر روز اوّل سے حضورؐ کے سامنے اصلاحات پیش کرنے میں اصرار وتکرار لازم سمجھتے تھے، وہ ہر قدم پر وسعت نظر کی اپیل کرتے تھے۔اس کے باوجود بعض احکام واقدامات میں اُن کا مشورہ نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔بار بار تجربے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر آنحضرتؐ کو من مانی کرنے دی گئی تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کچھ لوگ رسولؐ اللہ کے نام پر جدید قوانین بنانے میں حارج ہوں گے بلکہ یہ حکومت الٰہیہ خاندانی اور موروثی حکومت بن کر رہ جائے گی۔اور مقصدِ خداوندی فوت ہو جائے گا۔اُنہوں نے مقاصدِ دینی اور منشائے خداوندی کو بحال رکھنے کے لئے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز سمجھا جو اسلام اور اسلامی حکومت کو رجعت پسندی اور تنگ دامنی سے محفوظ رکھے۔خواہ بعض کوتاہ اندیش اُن کے اقدامات کو ناجائز، خلاف منشا وخلاف احکام رسولؐ ہی کیوں نہ قرار دیں۔وہ انسانی طبائع پر کامل اطلاع ونظر رکھتے تھے۔وہ قبل از وقت جانتے تھے کہ جب حکومت اُن کے منصوبے کے مطابق اپنی گرفت اور

نظام قائم کرلے گی تو تمام معترضین اور تمام ناک بھوں چڑھانے والے حقیقت کو سمجھ جائیں گے۔ جب اُن پر چاروں طرف سے نعمتوں اور دولت کی موسلا دھار بارش ہوگی تو اعتراضات کے لئے قرآن کی آیات شمار کرنے کے بجائے اپنا سرمایہ اور دولت گننے میں لگ جائیں گے۔ چاروں طرف سے جب ''عمر زندہ باد'' کے نعرے گونجتے ہوئے سنیں گے تو بھیگی بلیوں کی طرح سمٹ سمٹ کر اپنا پہلا سائز اور دینی قد و قامت بھی کھو بیٹھیں گے۔ پبلک اُن کی رجعت پسندی کو نفرت کی نظر سے دیکھا کرے گی۔ اور اگر میری قائم کردہ خلافت الٰہیہ چوتھائی صدی بھی چل گئی تو مخالفین پر لعنت و ملامت کرنا دینی فرائض میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر مخالفت پر اصرار جاری رہا تو مومنین و صالحین اُمت مخالفوں کی نسل کو بھی تباہ کر دیں گے۔ اور وہ وقت بھی آئے گا جب محققین اور دانشورانِ اُمت حقیقت حال کو سمجھ کر میری ظاہری بے اعتدالیوں کو اُمت پر احسان عظیم سمجھیں گے۔ قارئین نوٹ کریں کہ یہ سب کچھ اُسی طرح وقوع میں آیا جیسا کہ سوچا گیا تھا۔ اور یہ آخری بات بھی آخر علامہ شبلی نے لکھ دی، وہ فرماتے ہیں:

> ''ابن ابی شیبہ نے کتاب مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ ''یا بنتِ رسولؐ اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپکے یہاں اسی طرح لوگ مجمع کرتے رہے تو میں اُن لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔'' اگرچہ ہم سند کے اعتبار سے اس روایت پر اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس روایت کے روّات کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی و سرگرمی کیساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اُن ہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہوتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور معاویہ میں واقع ہوئیں۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 35-34)

محبانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ غصہ کے بجائے ہماری بات سنیں ہم دو منٹ بعد غصہ کریں گے۔

(5) حضرت علیؑ کی حکومت فتنہ سازی اور سازشوں کا پیش خیمہ ہوتی

پہلے آپ ''حق چار یار'' کا نعرہ ماریں اور سوچیں کہ یہ چار یار کون کون حضرات ہیں؟ اس یارانہ میں حضرت علیؑ تو اس لئے شامل نہیں مانے جا سکتے کہ وہؑ اور اُنؑ کا گھر ابوبکر و عمر کے خلاف دشمنی اور سازش کرنے والوں کا اڈہ اور قابل سوختنی تھا۔ پھر آپ غصہ کو اس لئے تھوک دیجئے کہ ہم اپنی نرم روی سے اور ہر بات ماننے کی پالیسی پر چل کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مخالف مجتہد محاذ نہ ہماری سخت گوئی سے قبول حق کے لئے آمادہ ہوتا ہے، نہ وہ ہماری نرم روی سے اقرارِ حق کرتا ہے۔ وہ بے

لاگ زبان سنتا ہے اور حقائق کی بھرمار دیکھتا ہے تو ہم پر سخت کلامی کا الزام لگا کر ہمیں کنڈم کرنے اور ہمارا بیان کردہ حق قبول کرنے کے بجائے ہماری آڑ میں حق کو کنڈم کر دیتا ہے تو ہمارے احباب ہم پر خفا ہوتے ہیں کہ اگر آپ سخت کلامی نہ کرتے یا آئندہ نرم رویہ اختیار کرلیں تو مخالفین ضرور حق کو قبول کرلیں گے۔ لہٰذا ہم اپنے تقیہ زدہ، مرنجاں مرنج اور صلح کل ٹائپ کے احباب کو دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ مغالطّوں اور فریبوں کی تیار کردہ تہذیب واخلاق کی عینک میں سے غلط دیکھتے ہیں اور غلط نتیجہ نکالتے ہیں۔ بہرحال آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر ہرگز نہیں چاہتے کہ انتقالِ رسولؐ کے بعد اُنکے علاوہ کوئی اور جانشینِ رسولؐ بن کر رسوؐل کی قائم کردہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ یہی ہمارا عنوان ہے۔ اور یہ ہمارے ہر جملہ سے ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے۔ جو چیزیں درمیان میں آپڑتی ہیں اُن میں اُلجھنے سے بات پھیلتی چلی جاتی ہے اور مخالف مجتہد کو راہ فرار تلاش کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ ہم یہاں رک کر علامہ شبلی اینڈ کمپنی سے یہ معلوم کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ جناب آپ کا حدود اربع کیا ہے؟ آپ نہ محدث ہیں نہ آپ اصولِ حدیث واصول فقہ واصول تفسیر کی سند ہیں۔ آپ کو اگر کسی حدیث کے رُوَّاۃ کا علم نہ ہو تو وہ حدیث کیوں قابل اعتبار نہ ہوگی؟ اس قسم کا دعویٰ تو آپ کے بڑے راہنما نے بھی نہیں کیا۔ پھر آپ تو دو صفحات پہلے (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 32) تمام کتب حدیث وسیئر کا انکار کر چکے ہیں۔ قارئین ہمیں آگے بڑھنا ہے ورنہ ہم حضرت فاطمہؑ کے مکان پر حملہ آور ہونے، مکان میں سچ مچ آگ لگانے، حضرت فاطمہؑ پر مکان کا دروازہ گرانے کے ثبوت میں احادیث کا ڈھیر لگا دیتے۔ اور جن حضرات کو یہ ڈھیر دیکھنا ہو وہ کتاب الفرق، التحریف وغیرہ پڑھیں۔ ہم تو اپنے قارئین کے سامنے اسلام کے دو راہنماؤں کو مخالفین کے ریکارڈ سے اُن ہی کی زبان میں پیش کر رہے ہیں۔ جس کا دل جس کو چاہے اپنا راہنما سمجھ لے۔ رسوؐل کی پوزیشن بھی اُن کے قلم سے سامنے ہے۔ اور جناب عمر بھی ایک کامیاب خندہ فرما رہے ہیں۔ ہمیں غصہ اور خلافت کی بحث کی کیا ضرورت ہے؟ جو لوگ نبوت وقرآن سے زیادہ علم وبصیرت کے حامل مانے گئے۔ اُن کو راہنما بنانا اگر کفر نہیں ہے تو اُس کا نام یقیناً اہلسنت والجماعت ہی ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ جماعت جس نے رسولؐ اللہ کے زمانہ میں بنو ہاشم کو دوبارہ شکست دے کر حضرت عمر کے نقش قدم پر حکومت قائم کی، اپنی پالیسی کے مطابق احادیث وتواریخ وتفاسیر لکھوا کر اسلام کا نیا ریکارڈ تیار کر کے، ایک نئی نبوت ونئی خلافت ونیا اسلام وشریعت دی۔ اور ثابت کر دکھایا کہ علیؑ کو چار یاروں میں چوتھے نمبر پر بھی جگہ نہیں ملتی۔ بلکہ وہ چوتھا یار حقیقی معنوں میں ''خلیفہ جی'' تھا۔ وہ وہی بزرگ ہستی ہے جس سے ساری دنیا میں خلافت اور خلیفہ جی پھیل گئے۔ اور اُن چاروں یاروں کا پورا کارنامہ قرآن کریم اور نہج البلاغہ میں مفصل لکھا ہوا رکھا ہے۔ ہم مولویوں کو نہیں، مجتہدین کو نہیں، بلکہ اُمت کے اُن عوام کو مخاطب کر رہے ہیں جو اُن حضرات کے فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ تاکہ وہ حق وباطل کا فرق نوٹ کرتے اور صحیح نتیجے پر پہنچتے چلے جائیں۔

(6) حضرت ابوبکر کو بھی زبردستی سے اپنا آلۂ کار خلیفہ بنایا گیا تھا

(الف) ہم نے اپنی تصنیفات میں قرآن کریم سے بار بار دکھایا ہے کہ قیامت میں ایک یار اپنے یار کی زبردستی اور ہیرا پھیری کا اقرار کررہا ہے، سروسینہ پیٹ پیٹ کر اپنے اُن ہاتھوں کو چبا چبا کر بیان دے رہا ہے جن ہاتھوں کو زبردستی پکڑ کر معاہدہ کرایا گیا تھا.

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا o يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا o لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَ نِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا o وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا o وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا o (فرقان 31-25/27)

اُس روز ایک بے محل کام کرنیوالا ظالم اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا کہ اَے کاش میں نے رسولؐ والا راستہ یا طریقہ اختیار کرلیا ہوتا۔ ہائے میری خرابی۔ اے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا ''یار'' نہ بنایا ہوتا۔ یقیناً اُس یار نے مجھے ایسی حالت میں بھی گمراہ کر دیا کہ مجھے میرے پاس آ کر یاد دہانی کرائی جا چکی تھی اور بات سمجھ میں آ چکی تھی۔ اور وہ یار شیطان کی طرح مخصوص انسانوں کو رُسوا کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اور رسولؐ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ کر اپنے لئے قوانین کا دوسرا ماخذ اختیار کرلیا ہے۔ اور اسکے جواب میں اللہ نے اُس عملدرآمد کو جرائم پیشہ لوگوں کا کاروبار بتایا جس طرح ہر نبیؑ کے مدمقابل جرائم پیشہ لوگوں کو ان کا دشمن بنائے رکھا تھا اور رسوؐل کو اپنی ہدایات اور نصرت کے وعدہ پر قناعت کرنے کا حکم دیا تھا۔

قارئین کرام پھر ''حق چار یار'' کا نعرہ ماریں اور حضرت ابوبکر صدیق کی ایک اور صدق بیانی سنیں تا کہ یہ عنوان مکمل ہو جائے کہ قومی حکومت اللہ ورسوؐل کی تنگی نظر کی بنا پر قوت وطاقت وجبر کیساتھ قائم کی گئی تھی اور قومی حکومت نے خاندانِ رسالت کو سازشوں کی وجہ سے تمام ملکی عہدوں اور سرمایہ سے محروم رکھا اور آخر کار اُس خاندان کو تباہ کر دیا تا کہ قومی حکومت بے روک ٹوک چلے۔

(ب) حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر کی جانشینی کی تحریر لکھ دی ہے، زبانی بھی اعلان کر دیا ہے۔ قرآن سے ہجرت کر جانے والی مہاجر قوم کے سربرآوردہ اور بقول شبلی صاحبانِ ادعا لیڈر موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہے ہیں، موت کی جھلکیاں دنیا کو رخصت کرنے کا پیغام دے رہی ہیں۔ آپ اپنے اعمال کا جائزہ لے رہے ہیں، جن حضرات کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھی وہ سامنے بیٹھے ہیں مگر تیوریاں چڑھی ہوئی ہیں۔ حضرت ابوبکر نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ: (راوی عبدالرحمٰن بن عوف ہے)

''ابوبکر نے کہا کہ میں نے تمہاری حکومت ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو میرے نزدیک تم سب سے بہتر ہے۔ مگر اس سے تم سب کی ناکیں پھول گئیں۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب خود اُس کو مل جائے۔ اب تم لوگوں نے دنیا (دولت) کو

آتے دیکھ لیا ہے۔ دنیا جب آئے گی (یعنی حضرت عمر کے زمانہ میں) تو اُس وقت تم ریشم کے پردے اور دیبا کے گدے استعمال کرو گے۔ (اور وہ تمہیں ایسا نازک مزاج بنادے گا کہ) اذری اُون پر لیٹتے ہوئے تمہیں ایسی تکلیف ہوا کرے گی کہ جیسے کسی کو کانٹوں پر لیٹنے سے ہوتی ہے (حق چار یار زندہ باد)۔ دنیا داری میں گرفتار ہونے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ حد شرعی کے بغیر تمہاری گردنیں اڑا دی جاتیں۔ تم ہی لوگوں کو سب سے پہلے گمراہ کرنے اور راہِ راست سے ہٹانے والے ہو (25/27-31 کو یاد رکھیں) اے اللہ اے راہِ مستقیم دکھانے والے بلا شبہ وہ (نہ معلوم یہ کس کا ذکر ہے؟) یا تو صبح کی روشنی کی مانند ہے۔ (یقین حاصل نہیں ہوا ہے) یا پھر ڈبو دینے والے سمندر کی مانند ہے۔''

حضرت ابوبکر چونکہ مہاجر قوم کی گمراہی اور گمراہ کن پالیسی کا اعلان کر رہے تھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ابوبکر صدیق کو سچ بولنے سے روکا جائے۔ لہٰذا جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے بات کا رخ بدلا اور کہا:

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان: ''اے امیر المومنین اس قدر جوش میں نہ آئیے اس سے آپ نڈھال ہوئے جاتے ہیں۔ لوگوں میں ہر شخص دو حال سے خالی نہیں ہے۔ 1: یا تو اُسکی رائے بھی وہی ہے جو آپکی رائے ہے۔ تو وہ آپ سے متفق ہے۔ 2: یا آپکی رائے کے خلاف کہنے والا ہے۔ تو وہ آپ کو مشورہ دے رہا ہے۔ مگر آپکی پسند اور منشا کے ساتھ متفق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صرف خیر خواہی چاہتے ہیں۔ آپ ہمیشہ صالح اور مصلح رہے ہیں۔ اور آپکے دل میں دنیا کی کسی چیز کی حسرت نہیں ہے۔''

قارئین نوٹ کرلیں کہ اس محفل میں اُس وقت خالص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قوم کے لوگ تھے۔ یعنی دل سے مخالف کوئی بھی وہاں پر موجود نہ تھا۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ عبدالرحمٰن نے اُنہیں صالح اور مصلح کہہ کر اورامت کا یا قوم کا خیر خواہ بتا کر تسلی دینا چاہی تھی مگر حضرت ابوبکر کے روبرو اُنکی ساری زندگی کی تصویر آکر کھڑی ہوگئی اور آخرانہوں نے فرمایا کہ:۔

حضرت ابوبکر کا دوسرا بیان: حضرت ابوبکر نے کہا۔''ہاں میرے دل میں دنیا کی کوئی حسرت نہیں ہے۔ مگر تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کی ہیں۔ مگر کاش میں نہ کرتا۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے چھوڑ دی ہیں۔ مگر کاش اُنکو کرتا۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں کہ کاش میں رسولؐ اللہ سے اُن کے متعلق دریافت کر لیتا۔ وہ تین چیزیں جن کو میں چھوڑ دیتا تو اچھا ہوتا۔ یہ ہیں کہ:

1: کاش میں نے فاطمہؑ کا گھر نہ کھولا ہوتا۔ اگر چہ وہ لوگ جنگ کے لئے اُس کا دروازہ بند کرتے۔

2: اور کاش میں الفجاءۃ سلمٰی کو زندہ نہ جلاتا۔ بلکہ یا تو اُس کو باندھ کر قتل کر دیتا۔ یا آزاد چھوڑ دیتا۔

3: اور کاش سقیفہ کے روز میں اُس خلافت کو دو میں سے کسی ایک شخص کے گلے میں ڈال دیتا۔ ابوبکر کا اشارہ عمر اور ابوعبیدہ جراح کی طرف تھا۔ دونوں میں سے کوئی ایک امیر ہوتا۔ اور میں وزیر ہوتا۔''

(ہم تین باتوں کو ''کاش اُن کو کرتا'' عنوان سے غیر متعلق سمجھ کر چھوڑتے ہیں)

وہ تین چیزیں جن کے متعلق رسولؐ اللہ سے دریافت کرلیتا

1: اور کاش میں رسولؐ اللہ سے دریافت کرلیتا کہ یہ حکومت کس کوملنی چاہیئے۔تاکہ پھرکسی کونزاع کا موقعہ نہ رہتا۔

2: اور کاش میں رسولؐ اللہ سے یہ بھی پوچھ لیتا کہ اس حکومت میں انصار کابھی کچھ حصہ ہے یانہیں؟

3: اور کاش میں آپؐ سے بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے متعلق دریافت کرلیتا۔کیونکہ میرے دل میں اس کے متعلق کچھ بےاطمینانی ہے۔'' (یہ تمام بیانات تاریخ طبری خلافت راشدہ ابوبکر کی وفات جلد2 صفحہ 277-276)

(7) اے کاش یٰلَیۡتَنِیۡ، یٰوَیۡلَتٰی نو دفعہ؛ کیا ظاہر کرتا ہے

اوّل: قارئین سب سے پہلے تو یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت عمر نے اپنی قومی حکومت بلا رضامندی خدااور رسولؐ اپنی اور اپنی قومی مصلحت کے ماتحت قائم کی تھی۔

دوم: پھر یہ مان لیں کہ قومی حکومت قائم کرنے میں اُنہوں نے بنی ہاشم اور انصار کے ساتھ ہر ظلم وزیادتی اور بقول شبلی ہر بے اعتدالی بلادریغ استعمال کی تھی،اور:

سوم: یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے خود حضرت ابوبکر کو ترکیب سے مجبور کیا اور حکومت میں اُن کواپنا آلہ کار بنایا پھر یہ مانیں کہ:۔

چہارم: سورۂ فرقان میں حضرت ابوبکر کا وہی بیان مذکور ہے جوانہوں نے مرنے سے پہلے نو(9) مرتبہ اے کاش (یٰلَیۡتَنِیۡ) کہہ کردیا تھا (فرقان 31-25/27)۔ پھر یہ قبول فرمائیں کہ:

پنجم: حضرت ابوبکر کے پاس جولوگ جمع تھے،وہی وہ لوگ تھے جنہوں نے امت کوگمراہ کیا تھا۔اور یہ کہ وہ سب بلاتکلف اور جُرم عائد کئے بغیر بھی گردن زدنی تھے۔اور یہ کہ حضرت عمر کی قومی حکومت دولت کی فراوانی کے وعدوں پر قائم ہوئی تھی۔

(8) حضرت عمر نے عہد رسولؐ کے تمام سربرآوردہ صحابہ کو باندھ کر رکھ دیا تھا

قارئین کرام یہ بھی نوٹ کریں کہ حضرت عمر نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے تمام بڑے بڑے اور صاحبانِ علم صحابہ کو اپنی حکومت میں نظر بند رکھا۔اور جولوگ عہد رسولؐ میں باغیانہ خیالات رکھتے تھے یا جنہیں افرادی قوت حاصل تھی انہیں اپنا پشت پناہ بنایا۔اورانہیں پبلک پر مسلط کرکے ایک مطلق العنان حکومت کورواج دیا۔اس سلسلے کے چند چوکنا اور محتاط جملے علامہ شبلی کی دماغی زنبیل سے ٹپک گئے ہیں۔

(الف) جبراً قابو میں رکھنے کی تدابیر ملاحظہ فرمائیں: ''خاص عرب میں اُن (عمر) کومختلف پولیٹکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ 1: یہودیوں اورعیسائیوں کوجزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔2: بڑے بڑے ملکی افسروں کواکثر بدلتے رہتے

تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے علاوہ کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ 3: ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ 4: جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے اکثر اُن کو دارالخلافہ (مدینہ) سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اُن لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا آپ لوگ یہ دولت (جہاد کا ثواب) بہت جمع کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا لَا تخرجوا فَتَسَلَّلُوْا مینًا۔ (تم لوگ مدینہ سے باہر نہ نکلو ورنہ تم لوگ بیمار پڑ جاؤ گے۔ یا یہ کہ تم لوگ چپکے سے نکل بھاگو گے۔ یا یہ کہ تم لوگ جھوٹ پر تیغ بکف ہو جاؤ گے۔ اس پُر پیچ صورت کی وجہ سے شبلی نے ترجمہ نہیں کیا۔ بہر حال نظر بندی سے آزاد ہو کر یہ لوگ حضرت عمر کے لئے عظیم خطرات کا سبب بن سکتے تھے۔ اور اسی مطلب کو حضرت عمر نے ایسے الفاظ میں کہا جو مخاطب سمجھ سکتے تھے) 5: ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں؟ فرمایا کہ اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے .... 6: بنی ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں بھی زیادہ تر یہی (نظر بند رکھنے کی) مصلحت ملحوظ تھی۔'' (الفارق حصہ دوم صفحہ 86)

قارئین نوٹ کر رہے ہوں گے کہ بڑے بڑے اہل علم صحابہ کو اور تمام صاحبان اثر و اقتدار کو کیوں باہر نہ نکلنے دیتے تھے؟ ہم تو اس کی صرف ایک وجہ سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کے مدینہ سے باہر نکلنے پر اُن کا منہ بند رکھنا مشکل تھا۔ یہ لوگ اسلام کی صحیح صورت اور قرآن کے صحیح مفاہیم بیان کر دیتے۔ فضائل محمدؐ و آل محمدؐ لوگوں تک پہنچ جاتے۔ خلافت و حکومت کے متعلق رسولؐ اللہ کی قرآنی پالیسی واضح ہو جاتی۔ حضرت عمر کے تمام اقدامات خدا اور رسولؐ کی منشا کے خلاف ثابت ہو جاتے اور دو ماہ بھی یہ قومی حکومت پاؤں نہ چلتی۔ مدینہ سے باہر اور عرب کے اندر اندر جو لوگ اسلامی اسپرٹ اور احادیث و قرآن سے واقفیت رکھتے تھے وہ ابتدا ہی میں تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے۔ قیدی اور غلام بنا کر مدینہ میں اور باہر بھیجے جانے والوں میں بھی وہی صاحبان علم تھے۔ مگر ہم تو نہایت خاموشی سے نظام اجتہاد اور حکمرانوں کے پاسبانوں کے بیانات آپ کے سامنے رکھتے چلے جا رہے ہیں اور ہمارے عنوانات صرف اُن کے پُرکارانہ اور مکارانہ بیانات سے بھی ثابت ہوتے جا رہے ہیں۔ جو کمی رہ جاتی ہے دوسرے بیان سے پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آیئے ایک ایسے شخص کا بیان سنئے جو ماشاءاللہ خارجیوں اور ناصبیوں سے بھی کہیں بڑھ کر شیعوں کا اور اہل بیتؑ اور علیؑ کا دشمن گزرا ہے۔ جس نے پرویز ایسے منکرِ حدیث و فضائل اہلبیتؑ تیار کئے وہ لکھتے ہیں:

(ب) ''حضرت عمر نے اپنے عہد (حکومت) میں اعیان قریش (قریشی سرداروں) کو مدینہ میں روک رکھا تھا۔ اُن کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔ کبھی اُن میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو ایک مدت معینہ کی اجازت لے کر جاتا (یہ رعایت ہر ایک کے لئے نہ تھی۔ حضرت علی کو کبھی اجازت نہ ملی) اور پھر واپس آ جاتا۔ اگر کوئی کسی جنگ میں

بھی شریک ہونا چاہتا تھا تو اُس کو اجازت نہ دیتے تھے۔اور فرماتے کہ رسولؐ اللہ کے عہد میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہواُن کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے۔ ہر چند کہ یہ لوگ اس (نظر بندی) کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو تنگ کرتے تھے۔لیکن وہ اُن کو مدینہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری اُمت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔'' (مسلسل لکھا ہے کہ)

''حضرت عثمان نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ کو اُٹھا دیا اور رؤسائے قریش جا بجا دیار وامصار میں پھیل گئے۔قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان سمجھے جاتے تھے۔اس وجہ سے جہاں جہاں گئے اُن کی عزت و حرمت ہوئی۔اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مختلف شہروں میں اُن کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائیدادیں ہو گئیں۔لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے۔اور چونکہ استحقاق خلافت کے شرائط اُن میں مجتمع تھے اس لئے اُن کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں۔یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں اور اُن کی وجہ سے خیالات اور آرا میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔اس موقع پر حضرت عمر کی دوراندیشی کی تعریف کرنا پڑتی ہے کہ انہوں نے اِن ہی نتائج کو پیشِ نظر رکھ کر اُن رؤسا کو اپنے پاس روک (نظر بند) کر رکھا تھا اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے۔''

(تاریخ امت جلد 2 خلافت راشدہ صفحہ 162-161)

(9) نظر بند صحابہ سے مشاورت کی عقلی حیثیت

قارئین یہ بھی سمجھ لیں کہ اس حکومت کی سب سے بڑی مدح وثنا اور بہتری وبرتری دکھانے اور شریعت سازی کا جواز اور حقانیت ثابت کرنے کے لئے یہ دھوم اور دُند مچائی جاتی ہے کہ یہ حکومت اپنی قانون سازی اور احکام کو تمام اہلِ علم صحابہ کی صوابدید اور مشورے کے بعد نافذ کرتی تھی۔لیکن یہ بیانات اس بات کو پروپیگنڈے کا ایک گھناؤنا حربہ بنا دیتے ہیں۔جو لوگ بیس پچیس (20-25) کی تعداد میں ہر وقت نظر بندی اور مجرموں ایسی زندگی بسر کرنے پر مجبور رکھے جا رہے ہوں،اُن سے مشورہ کرنا اور اُن کا صحیح مشورہ دینا اور ایسے مشورہ کو متفقہ یا اجماعی فیصلہ کہنے کو سوائے مجتہدین کے کوئی صاحب عقل تو کوئی اہمیت نہ دے گا۔ساتھ ہی یہ کہنا کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں صحابہ اور اُمت میں اختلاف نہ تھا،ایسی ہی بات ہے جیسے کسی گھر کے افراد کو تلوار و نیزہ کی چھاؤں میں خاموشی پر مجبور کر کے یہ کہا جائے کہ اُن لوگوں نے اپنا تمام سامان وسرمایہ اتفاق رائے اور خوشی خوشی سے دیا ہے اور کسی نے ذرہ برابر اختلاف نہیں کیا ہے۔خاص بات یہ ہے کہ ہر صحابی میں خلافت کے مستحق ہونے کے شرائط کی موجودگی بھی تسلیم کی گئی ہے۔اگر یہ دریافت کر لیا جائے کہ جناب خلیفہ بن سکنے کی کیا شرائط ہیں؟ اور یہ کہ وہ شرائط قرآن وحدیث میں

ہیں؟ تو سوائے اس کے کہ حضرت ابوبکر وعمر اپنی کوششوں سے خلیفہ بن گئے تھے۔اس لئے اُن سے بہتر لوگ ضرور خلیفہ بن جانے کا حق رکھتے ہیں۔اور کوئی دلیل مجتہدین کے پاس نہیں ہوتی۔رہ گیا قرآن وحدیث؟اس کی نفی تو پہلے دونوں خلفا نے خود ہی یہ کہہ کر کر دی کہ اُنہیں خلافت کے استحقاق کے متعلق آنحضرتؐ سے دریافت کرنا چاہئے تھا۔

7۔ تمام تعلیماتِ رسولؐ کا بلیک آؤٹ اور احادیثِ رسولؐ پر پابندی وسزا

بے روک شریعت سازی کے لئے اہلِ علم صحابہ اور مخالف مہاجرین اور انصار کے پورے قبیلے کو عمر قید یا نظر بند کرنا ہی کافی نہ سمجھا گیا۔ بلکہ اِن قیدیوں کو بھی اور تمام اُن لوگوں کو بھی احادیثِ رسولؐ بیان کرنے کی ممانعت کردی گئی جو مدینہ سے باہر جنگی،انتظامی یا دیگر خدمات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔اور وہی عذر وحیلہ کیا گیا کہ تم میں اختلاف ہے۔لہٰذا عرب اور دیگر ممالک کی رعایا میں بھی اختلاف پھیل جائے گا۔گویا یہ مستحکم انتظام کر دیا گیا کہ حکومت کی پالیسی کے خلاف کسی کی زبان سے کوئی بات نہ نکلنے پائے۔ظاہر ہے کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے والے حضرات چند عُذر و حیلے کئے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔لہٰذا ہم عذرات اور فریب کارانہ جملوں کو چھوڑ کر اصل مقصد آپ کے روبرو لاتے ہیں۔

(1) مدینہ میں حدیث بیان کرنے کی عام ممانعت کردی گئی

انتقالِ رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکر نے مدینہ کے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور کہا کہ:۔

''تم لوگ رسولؐ اللہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے۔اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے اُن میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا۔لہٰذا تم رسولؐ اللہ کی کوئی حدیث بیان ہی مت کرو۔جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے۔اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 161)

(2) حَسْبُنَا کِتَاب اللّٰه کی پالیسی سمجھ کر آگے بڑھیں

اس بیان میں پولیٹکل انتظام کو یوں سمجھیں کہ حاکم وقت یہ نہیں چاہتا کہ مسئلہ خلافت کی بحث شروع ہو۔اور لوگ رسولؐ اللہ کی وہ احادیث بیان کریں جن میں حضرت ابوبکر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ وہاں حضرت علیؑ دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر تیئیس (23)سال سے برابر خلیفۂ رسولؐ اور وزیر ہیں۔تمام مومنین کے مولیٰ اور ولی و حاکم ہیں۔ہزاروں صحابہ مع شیخین کے اُن احادیث پر گواہ ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ احادیث اِس حکومت کی بنیاد غلط قرار دیتی ہیں۔لہٰذا حکومت کی طرف سے جو عذرات کئے جاتے ہیں وہ آج بھی مجتہدین کی زبان پر ہیں۔چنانچہ حکومت کے طرفدار لوگ اُن احادیث کی منشا و مراد پر اختلاف کرتے تھے۔

چونکہ یہ بحث رفتہ رفتہ حضرت علیؑ کے حق کی طرف لے جاتی ہے اس لئے کہا گیا کہ تم میں اختلاف ہوتا ہے، لہٰذا حدیث کا بیان کرنا بند کردو تاکہ حاکم اور حکومت زیرِ بحث نہ آنے پائیں اور حق واضح نہ ہو سکے۔ اب چونکہ حدیث کی روایت کو منع کر دیا گیا تو قرآن خود بخود کافی ہو گیا۔ یعنی اس میں خلیفہ کا نام نہیں اور اگر نام ہے تو ولدیت مذکور نہیں۔ لہٰذا جو بھی خلیفہ بن گیا سو بن گیا۔ اُس کی اطاعت کرو، زندگی کی تمام سہولتیں اس سے مانگو، خوشحالی و فارغ البالی سے زندگی بسر کرو، خواہ مخواہ کی بحثوں اور احادیث کے الجھاؤ اور آپس میں بدمزگی اور شکررنجی سے اب کیا فائدہ ہوگا؟ حکومت قائم ہوگئی اب اس کا توڑنا مفید نہ ہوگا۔ آخر خلیفہ جو بھی ہوگا وہ آدمی ہی ہوگا، رسولؐ اللہ بھی آدمی تھے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ تمہارا خلیفہ تمہیں دنیا کے تمام رنج و آلام اور دشواریوں سے محفوظ کرتا ہے یا نہیں، تمہیں مستغنی و دولتمند بنا دیتا ہے، ساری دنیا پر تمہاری اپنی حکومت اور برتری قائم کرتا ہے اور تمہیں کیا درکار ہے؟ پھر حکومت کے انتظام کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے اور تمام علما متفق ہیں کہ ہر حدیثِ رسولؐ ہر ہر مسلمان کو معلوم نہ تھی۔ لہٰذا جنہیں معلوم نہ تھی وہ اختلاف کرتے تھے۔ خود حضرت ابوبکر وعمر کو بقول اُن کے تمام احادیث معلوم نہ تھیں۔ حدیث سن کر وہ خود اختلاف کرتے رہتے تھے اور گواہیاں مانگتے تھے۔ لہٰذا یہ صحیح ہے کہ حدیث پر اختلاف تھا۔ دوسرے الفاظ میں قومی وخود ساختہ حکومت سے اختلاف تھا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ کوئی حاکم اپنی رعایا میں ایسا اختلاف برداشت نہیں کرسکتا جو حکومت ہی کا ڈِبّہ گول کر دے۔ لہٰذا احادیثِ رسوؐل کا بیان کرنا حکومتِ وقت کی سطح سے بند ہو گیا تھا۔

یہ جو فرمایا گیا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں کتاب اللہ ہے۔ اس سے بھی اُنکا یہ منشا نہ تھا کہ تم قرآن کریم سے آنحضرتؐ کی حکومت اور جانشین کا فیصلہ کرلو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے سابقہ انبیاؑ کی جانشینی اور حکومت کا فیصلہ بھی ایسا کیا ہے جو حضرت علیؑ کے حق میں جاتا ہے۔ اُنکا منشا قرآن سے یہ تھا کہ تم صرف مسائل حلال وحرام تک محدود رہو اور بس۔ لیکن اگر کوئی یہ سوال کرلے کہ جناب ہم صرف اتنی ہی نماز پڑھیں گے اور اُسی طرح پڑھیں گے جتنی اور جس طرح قرآن میں ہے تو حکومت کیلئے قرآن کافی نہ تھا۔ اسلئے یہ قرار پایا کہ مسلمانوں کی کثرت جو کچھ کررہی ہو اُسے سنت رسوؐل سمجھ کر اختیار کرلیں۔

اس تفصیل اور وضاحت کے بعد اب رواں دواں چند احکام میں تعلیمات واحادیث کا بلیک آؤٹ دیکھ لیں۔ کتاب مذکور میں اُسی صفحہ (161) پر حضرت عمر کا فرمان لکھا ہے جو عراق جانیوالوں کو دیا تھا اس سے مدینہ چھوڑ کر جانیوالوں کا حال معلوم ہوگا۔

(3) احادیث بیان کر کر کے تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہ بن جانا۔ تم لوگ صرف قرآن مجید پر بس کرو۔ (صفحہ 161) چنانچہ:

(4) جب قرظہ عراق پہنچے اور لوگوں نے حدیث رسولؐ سنانے کو کہا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمیں حضرت عمر (خلیفہ وقت) نے منع کر دیا ہے۔ (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 162-161)

(5) ابو ہریرہ سے ابی سلمہ نے دریافت کیا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح احادیث بیان کرتے تھے۔ جواب

دیا کہ اگر میں عمر کے زمانہ میں حدیث بیان کرتا تو عمر مجھے کوڑوں سے مارتے۔'' (ایضاً صفحہ 162)

(6) امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں حدیثِ رسولؐ کے متعلق کہا کہ تم لوگ حدیث کے ساتھ وہی سلوک کرو جو حضرت عمر کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کی حدیث بیان کرنے والوں کو عمر دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ (صفحہ 162)

(7) حضرت ابوبکر نے اپنا خود لکھا ہوا پانچ سو (500) احادیث کا مجموعہ جلا دیا۔ اور حدیث بیان کرنے سے ممانعت کی۔

حضرت عمر نے اپنے عہد میں اور بھی سخت رویہ اختیار کیا اور لوگوں کو حدیث میں پڑنے سے روک دیا۔

(مقام حدیث جلد اوّل صفحہ 205-204)

(8) احادیث بیان کرنے والے بزرگ صحابہ کو قید اور سزائیں

''حضرت عمر نے تین اشخاص یعنی ابن مسعود، ابوالدرداء اور ابومسعود انصاری کو اس لئے قید کر دیا کہ اُنہوں نے رسوؐل اللہ کی بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے کا جرم کیا تھا۔ (تاریخ فقہ صفحہ 162)

(9) حدیث بیان کرنے والوں کو اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا

حکومت کی گرفت اور تعزیری نظام کا خوف اس قدر ہمہ گیر تھا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کے متعلق حضرت عمر کے عہد حکومت میں زبان کھولنے میں اپنی جان کا خطرہ مول نہ لیا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ان کا قول یہ لکھا ہے کہ:۔

قَالَ حَفِظت مِن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وِعَائِین فامّا احد ھما فبثثتہٗ وَاَمّا الاٰخر فَلَوْ بثثتہٗ قُطِعَ ھٰذَا البُلعُوم قال ابو عبداللّٰہ اَلْبُلْعُوْم مجری الطعام۔

میں نے آنحضرتؐ سے علم کے دو ظرف یعنی برتن بھر کر محفوظ کر لئے تھے۔ اُن میں سے ایک برتن کا علم تو میں پھیلاتا رہا۔ لیکن دوسرے ظرف والے علم کو اگر عام کرتا تو میرا گلا کاٹ دیا جاتا۔ ابو عبداللہ نے بلعوم کے معنی نرخرا بتائے ہیں جس میں سے کھانا پانی وغیرہ گزرتا ہے۔ (بخاری کتاب العلم جلد اوّل صفحہ 23 چھاپ نور محمد)

اس تشدد کا نتیجہ پرویز سے سنئے جو حضرت عمر کے بڑے مداح ہیں۔

(10) صحابہ احادیث بھول گئے تھے یا ڈر کی وجہ سے بہانہ کرتے تھے

''یہی وجہ تھی کہ اکثر صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم نے حدیثیں بیان کرنی چھوڑ دی تھیں۔ حضرت زید بن ارقم سے ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ کوئی حدیثِ رسولؐ سنایئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بوڑھے ہو گئے اور بھول گئے۔ حضرتِ زبیر سے اُنکے بیٹے عبداللہ نے فرمائش کی کہ آنحضرتؐ کی کوئی حدیث بیان کیجئے۔ اُنہوں نے بھی اسی طرح کا جواب دیا۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں حضرت سعد بن مالک کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک گیا مگر ایک روایت بھی نہ سُنی۔ امام شعبی کا

بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں ایک سال تک رہا لیکن اُنھوں نے کوئی حدیث بیان نہ کی۔‘‘(مقام حدیث جلد اوّل صفحہ 206)

(11) کون سی احادیث ممنوع قرار دی گئی تھیں؟

اب صاف الفاظ میں یہ پڑھ لیجئے کہ جن احادیث کا بیان کرنا جُرم تھا وہ تمام احادیث ایسی تھیں جن سے کسی نہ کسی طرح خلفا کی ذات پر یا اُن کی حکومت پر ضرب پڑتی تھی۔ مثلاً اگر پبلک کو یہ بتایا جاتا کہ آنحضرتؐ نوری انسان تھے، اللہ نے اس کائنات کو اُن کے لئے پیدا کیا، وہ معصومؑ تھے، ساری کائنات اور انبیاؑ کے بھی نبیؐ تھے۔ اور کائنات کی ہر شے اور ہر شے کی تفصیل کا علم رکھتے تھے تو لامحالہ ایسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین خاطی و جاہل نہیں ہوسکتا تھا۔ اور یہ تمام بحثیں جن احادیث سے نکلتی تھیں وہی ممنوع تھیں۔

(الف) کیا علامہ شبلی اور حضرت عمر آنحضرتؐ کے عقیدت کیش نہیں؟

جناب شبلی نے آنحضرتؐ کے عقیدت مندوں میں سے حضرت عمر کو الگ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:۔

’’سب سے پہلے حضرت عمر نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل توجہ کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسولؐ اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینۂ مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اَلْاَ ھَمُّ فَـالْاَ ھَمّ (اہمیت تو اہم تر ہی کو دی جایا کرتی ہے) اس پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔ اور جو حدیثیں اِن تین مضامین سے الگ تھیں اُن کی روایت اور اشاعت پر چنداں اعتنا نہیں کی۔ اِس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منصبِ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے نہیں بلکہ بشری (ممکن الخطا) حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں باہم مُختَلِط (گڈمڈ) نہ ہونے پائیں۔‘‘(الفاروق حصہ 2 صفحہ 103)

(ب) جو احادیث عبادات، معاملات اور اخلاق کے علاوہ تھیں کیوں نا قابل توجہ تھیں؟

اس بیان کو ذرا سنبھل سنبھل کر اور سمجھ سمجھ کر مطالعہ فرمائیں۔ اور سوچیں کہ حضرتِ مولانا شبلی نعمانی کس کھلے دل سے اور واضح الفاظ میں اُس بنیاد کو مسمار فرما رہے ہیں جس پر نبوت و رسالت کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض باتیں اور اُن کے بعض کام نا قابلِ توجہ اور غیر اہم ہوتے ہیں۔ جن کے کرنے کے وقت وہ نبیؐ نہیں رہتے بلکہ عام بشری اور غیر معصوم حالت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اُس بشری حالت میں کی ہوئی باتیں اور کام اللہ سے کوئی تعلق نہیں

رکھتے اور عام انسانوں کی طرح غلطیاں اور خطا اُن سے ممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر وہ مقصد تخلیق کائنات بتائیں اور اُس مقصد میں انسان کے کردار اور گفتار پر روشنی ڈالیں اور وہ طرزِ حیات بتائیں جس سے کائناتی تسخیر وتعاون حاصل ہو جائے تو شبلی اینڈ کمپنی کے نزدیک وہ تمام اقوال یعنی احادیثِ رسولؐ ناقابل اعتنا ہیں۔ اگر رسولؐ اللہ مقصدِ عبادات کی ذیل میں یہ بتائیں کہ انسانوں کی عبادت سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور سارے انسان اگر عبادت نہ کریں تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اللہ نہ انسانوں کی اطاعت کا محتاج ہے نہ سرکشی سے انسان اُس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ عبادت اور اطاعت سے انسانوں کو فائدہ پہنچانا مطلوب ہے۔ اور فلاں عبادت سے فلاں فائدہ ہوگا جو کسی دوسری عبادت یا کسی اور طریقے سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور اس طرح ہر ہر عبادت، روزہ، نماز، حج وتسبیحات وغیرہ کے الگ الگ مقاصد اور مفاد کا تعین فرمائیں تو ایسی احادیث ناقابل اعتبار اور ناقابلِ اعتنا ہیں؟ اگر رسولؐ اللہ ایسی دعائیں اور التجائیں بیان فرمائیں جن سے کائنات کے اعلیٰ قوانین میں تحریک پیدا ہو جائے اور ماتحت قوانین اور مادی رکاوٹ ترقی کی انقلابی راہ سے ہٹ جائیں۔ جیسے ہوا اور طوفانی آندھیوں کو بادبانوں وغیرہ کے ذریعہ مائل ومنتشر وملتفت (Converge-Diverge) کر کے کشتیوں اور جہازوں کو ہواؤں اور جھکڑوں کے خلاف بے روک اور سریع ترین رفتار سے چلایا جاتا ہے۔ اور عام قانونی رکاوٹ اور تصادم کو مسخر کر لیا جاتا ہے۔ ایسی احادیث مادہ پرستوں کے لئے ناقابل اعتنا ہوتی ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نوع انسانی کو فرش سے عرش تک بلند کرنے کے سلسلے میں اپنا آسمانی، فضائی، خلائی اور کائناتی سفرنامہ سُنائیں تو زمین پر رینگنے والے لوگ اُسے خواب نہ سمجھیں تو اور کیا کریں اور مدعیان ترقی اُسے دیو مالائی فسانہ اور ناقابل توجہ غپ نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج مجتہدین کی اندھی تقلید نے اُمت مرحومہ کو یہود ونصاریٰ کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلانے پر مجبور کر دیا ہے۔ غیر مسلموں کی تخلیقات کی پرستش کرا کے چھوڑی ہے۔ کم وبیش بھیک ملنے پر آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ ہمیں محمدؐ کے پجاری ہونے کا طعنہ دینے والے؛ ہمیں اللہ، رسولؐ، قرآن، قبلہ، قیامت، ختم نبوت اور تمام اسلامی و قرآنی عقائد واعمال بجالاتا دیکھنے کے باوجود، صدیوں سے مسلمان مانتے اور لکھتے چلے آنے کے باوجود کافر قرار دینے کے لئے حکومتِ پاکستان پر مقدمات دائر کئے جارہے ہیں۔ یعنی یہ لوگ کفن بدوش اپنی قبریں خود اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں۔ اُن پر اپنی کثرت کا بھُوت ہمیشہ سوار رہا ہے۔ لیکن اُنہیں بتادو کہ اب وہ وقت آچکا ہے جب یہ بھوت تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں موت کی نیند سلا دینے پر آمادہ ہو چکا ہے۔

(ج) آنحضرتؐ کی ساخت وصفات وعادات والی احادیث مسترد کر دی گئیں

علامہ شبلی نے اپنے موقف کو قوت دینے کے لئے جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مندرجہ ذیل عبارت لکھی مگر مصلحتاً اُس فارسی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا، ہم مع ترجمہ لکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ:۔

''با استقرارتام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق درتفریق میانِ احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افرادِ بشر تعلق دارداز غیر آن مصروف می ساخت ۔لہٰذا احادیثِ شمائل آنحضرت صلعم واحادیثِ سنَنِ زوائد درلباس وعادات کمتر روایت میکر دید۔ووجہ یکے آنکہ اِینہا ازعلوم تکلیفیہ وتشریعیہ نیست ۔ تحتمل کہ چُون اھتمام تام بروایت آن بکار برند بعض اشیاءازسُننِ زوائد بہ سُننِ ھدٰی ھدٰی مشتبہ گردد۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 103)

''بار بار اور مکمل تحقیق وتفتیش سے یہ حقیقت پایہ ثبوت تک جاپہنچی ہے کہ فاروق اعظم نے بڑی دقیقہ رَسی اور بصیرت سے اُن احادیث میں تفریق پیدا کردی تھی جو احادیث 1: شریعت کی تبلیغ کے لئے اور افرادانسانی کی تکمیل کے لئے لازم تھیں۔ 2: اور جو احادیث اِن دونوں مقاصد سے ہٹ کر تھیں ۔لہٰذا دوسری قسم کی احادیث کو یک سَر نظر انداز کردیا۔ چنانچہ آنحضرؐت کے شمائل یعنی اُنؐ کی اپنی ساخت وپرداخت وصفات وعادات واطوار والی تمام احادیث اور مختلف قسم کے لباس اور یونیفارم اور متعلقہ اقوام وموسم وحالات اور قوانین فاضلہ سے متعلق تمام احادیث سے کم ازکم تعلق رکھا۔اور ایسا کرنے کی ایک وجہ وہ احتمال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ تمام احادیث کو مجموعی حیثیت سے روایت واشاعت کرنے سے ہدایت کرنے والی سنت اور ہدایت نہ کرنے والی فالتو سنت مشکوک اور مشتبہ نہ ہوجائیں۔''

یہاں قارئین اس لطیفہ پرغور فرمائیں کہ شاہ جی تکمیل افرادانسانی تو چاہتے ہیں اور اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے جملہ تکمیل افراد بشر بھی لکھتے ہیں ۔لیکن تکمیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمائل کی نفی کے بعد کرنا چاہتے ہیں ۔یعنی جس ہستی کو اللہ تعالٰی نے اپنی تمام صفات اور قدرتوں کا مظہر بنا کر بھیجا تھا، جس کا بولنا اللہ کا بولنا اور جس کے کام اللہ کے کام تھے، جس سے محبت اللہ سے محبت تھی، جس کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا اور عبادت تھا، جس کے لئے یہ ساری کائنات ومخلوقات پیدا کئی گئی تھی (لولاک لما خلقت الافلاک) جسکو ظہور خداوندی کے لئے پیدا کیا گیا تھا، اُس کی پوزیشن سے جاہل رکھ کر جو تکمیل انسانی ہوسکتی تھی، وہ یہی تو تھی کہ آنحضرؐت کی زندگی ہی میں آنحضرؐت کے خلاف گھر سے لے کر عرب کے آخری کناروں تک ایک مستحکم مخالف محاذ بنا ہوا تھا (تحریم 66/4، مائدہ 5/67)۔اور کہیں اللہ اپنی اور ملائکہ کی پشت پناہی کے وعدہ کررہا ہے۔کہیں تکمیل شدہ انسانوں کے جان لیوا خطرات سے محفوظ رکھنے کا اعلان کررہا ہے۔کہیں یہ مکمل افرادِ بشر، رسولؐ اللہ کو موت کے منہ میں دھکیل کر مسلمانوں کے لاشوں کے اوپر سے روندتے پھلانگتے بدحواسی میں بھاگتے چلے جارہے ہیں ۔رسولؐ اللہ مدد کے لئے پکاررہے ہیں کوئی پلٹ کر نہیں دیکھتا (عمران 3/153)۔اس لئے کہ اب مزید تکمیل کی ضرورت نہیں ہے۔امن وامان کے زمانہ میں رسوؐل کو نماز میں تنہا چھوڑ کر تکمیل کی تلاش میں چل دیتے ہیں (جمعہ 62/11)۔قرآن کو اسی لئے جمع نہ کرنا سنت رسولؐ بتایا گیا تھا کہ اگر قرآن پبلک کی دسترس میں پہنچ گیا تو پھر قومی حکومت واقعاتِ تاریخی میں اُسے اُلٹ پلٹ کرنے کے باوجود تاریخ عہد رسوؐل لوگوں تک جا پہنچے

گی۔اور قرآن پر ذرا سی آزادانہ توجہ سے سارا ملمع اُتر جائے گا۔بہرحال جن احادیث کو بقول شاہ جی تکمیل افرادِ بشر کے لئے اختیار کیا گیا اور جو مجتہدانہ شکل اُن احادیث کو دی گئی اور جو تکمیل یافتہ قوم تیار کی گئی، اُس قوم کے اعلیٰ تکمیل یافتہ حضرات میں سے جناب امیر معاویہ اور اُن کے چشم و چراغ خلیفۃ المسلمین اور اُن کے امیر المومنین یزید و شمر و ابن زیاد تھے۔اور جو شریعت تیار کی گئی اُس کی رُو سے حضرت علیؑ اور خاندان رسول علیہم السلام پر ہر نماز کے بعد ہر مسجد میں ہر جمعہ و جماعت میں تبرّا بھیجنا واجب ہو گیا تھا۔حضرت امام حسین علیہ السلام اُسی شریعت کی رُو سے باغی اور مع اہل و عیال واجب القتل ہو گئے تھے۔اور اُسی شریعت کی رو سے آج شیعہ اثناعشریہ کو کافر قرار دینے کا سامان برآمد کیا جا رہا ہے۔

(د) حضرت عمر آنحضرؐت کے زمانہ کی جنگوں اور جہاد کے حالات پر صحابہ کا منہ بند رکھنا چاہتے تھے

قارئین غور فرمائیں کہ رسولؐ اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی قومی حکومت کے مخالفین کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا گیا۔دن رات فوج کشیاں اور جنگ و جدل جاری رہا۔ایک سال میں جب عربی مخالفت سے فراغت ملی تو مسلسل بیرونی ممالک سے جنگ و قتال جاری رہا۔یعنی حضرت عمر کے مسلسل بارہ تیرہ سال جنگ اور جنگی انتظامات میں گزرے۔عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ حضرت عمر کو آنحضرؐت کے طریقہ جہاد پر تمام احادیث جمع کرانا چاہئیں تھیں۔یہ کیا بات ہے؟ کہ بقول شبلی حضرت عمر صحابہ کو وہ احادیث بیان کرنے سے جبراً روکتے ہیں جن میں آنحضرؐت کے غزوات و جہاد اور نظامِ جنگ و صلح اور مال غنیمت و فتح اور ہزیمت کے قواعد و ضوابط محفوظ تھے؟ سنئے:

> ''مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جاوے۔اس سے فرائض اور سُنن (سُنتیں) مقصود نہیں۔شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک آنحضرؐت کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔کیونکہ اُن احادیث سے کوئی شرعی غرض متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ و ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔(اب شبلی صاحب اپنا خیال لکھتے ہیں کہ) ہمارے نزدیک اِن تاویلات کی ضرورت نہیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 106-105)

ہمارے قارئین پہلے تو یہ دیکھیں کہ قومی حکومت کے سرپرست علما طرح طرح کی تاویلیں یعنی اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے میں کوشاں اور ایک دوسرے سے نمبر لے جانا چاہتے رہے۔حدیث میں یا آیت و روایت میں صریح اور واضح الفاظ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ ''میرے نزدیک''۔''ہمارے نزدیک''۔''میں کہتا ہوں کہ'' کی قسم کے جملے لکھ کر عیب کو صواب اور کفر کو ایمان بنانے میں تکلف نہیں کرتے۔حالانکہ جس واقعہ پر حکم لگایا جا رہا ہے اُس کے 12 سو سال بعد اُن کو جنم ملا اور اُن کی دینی بصیرت اپنے پیشرو علما کے سامنے ایک چپراسی کی بھی نہیں۔مگر مقلدین پر رعب ڈالنے اور ریسرچ کی دھوم مچانے کے لئے بخاری و مسلم ہی

نہیں بلکہ قرآن کی آیات کے معنی بھی بدل ڈالتے ہیں۔ لیکن غزوات سے متعلق احادیث کو کھلے عام بیان کرنے سے اُن تمام لوگوں کی دائمی شرمندگی کا بندوبست ہو جاتا جو بار بار میدان جنگ سے فرار کر جاتے تھے۔ پھر اُن کے بزرگوں کے مظالم اور میدان جنگ میں ذلیل ورُسوا ہونے کے واقعات عرب وعجم میں مشہور ہو جاتے۔ اُن ہی احادیث میں مرحب وعمرو ابن عبدود کے قتل کا ذکر ہوتا۔ لوگوں کو معلوم ہوتا کہ انہیں قتل کرنے کے بعد لُوٹا نہیں گیا تھا۔ یہ بات قومی حکومت کے جنگی مجاہدوں کو مالِ غنیمت کے لالچ سے روکتی۔ اُن ہی احادیث میں ایک ضرب دونوں جہانوں کی عبادت سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی۔ الغرض غزوات کی احادیث تمام جنگی پالیسی کا ستیاناس کر دیتیں۔ حضرت عمر تو کہاں کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی ایسی خطرناک احادیث کو ہرگز عام نہ ہونے دیتا۔ رہ گئے رسولؐ اللہ کے وہ صحابہ جو ایسی خطرناک احادیث سے واقف تھے، اُن کی طرف سے اُنہیں مدینہ میں نظر بند ومقید کر کے اطمینان کر لیا گیا تھا۔ لیکن یہ قید و بند کہاں تک باقی رہتا؟ یہ دبایا ہوا طوفان ایک دن پھٹ پڑنا تھا۔

(دیکھو فتنۃ الکبریٰ اور بخاری ومسلم وصحاح ستہ)

8۔ حضرت عمر نے اپنی تیار کردہ اور پسندیدہ شریعت اور مذہب کو کس طرح نافذ کیا؟

ہم قارئین کرام کیلئے اس سے زیادہ تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اب ایک دم حضرت عمر کے اُس انتظام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اُنہوں نے عہد رسولؐ سے لے کر اپنی خلافت تک زبردست ولاجواب تیاری کی تھی۔ اور جس کے بل بوتہ پر وہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہر مسئلہ اور ہر حکم میں رسولؐ اللہ کو اصلاح دیا کرتے تھے۔ اُنکی علمی قابلیت کی انتہا یہ کہہ کر واضح کی گئی ہے کہ اُن کی تائید اور رسولؐ اللہ کی تردید اللہ کی طرف سے بار بار بذریعہ وحی ہوا کرتی تھی۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ اور سابقہ ادیان واجتہاد کا پورا ریکارڈ تحریری صورت میں مدوّن کر چکے تھے۔ وہ تمام اسلامی شریعت کے مسائل کو بھی لکھتے جاتے تھے۔ اب اس بے حد وحساب بصیرت کے بعد اُنہوں نے جب حکومت قائم کر لی تو ہر وہ راہ بند کر دی جس سے اُن کی منشا کے خلاف کوئی اختلاف یا تصادم داخل ہو سکتا تھا، اپنے ہم عصر صحابہ کو مدینہ میں محصور کر دیا، عہد رسولؐ کے قوانین وقواعد اور دستور العمل پر مکمل پابندیاں عائد کر دیں، قرآن کریم کی اُس تفسیر کو ممنوع قرار دے دیا جو رسولؐ اللہ نے بطور حدیث بیان کی تھی۔ چند ایسی احادیث بیان کرنا جائز رکھا جن سے اُن کی جدید قانون اور شریعت سازی میں مدد مل سکے۔ اور چونکہ اُن احادیث کو صرف بنیاد میں دفن کر کے اُن پر قومی شریعت سازی کی عمارت بلند کرنا تھی۔ اس لئے اُن احادیث کو بیان کرنے کی اجازت بھی تمام صحابہ کو نہیں دی گئی۔ صرف چند صحابہ کو متعین کیا گیا تا کہ احکام کے سلسلے کی بھی وہ احادیث بیان نہ کی جائیں جن سے جدید شریعت سازی پر حرف آتا ہو اور قومی حکومت یا حاکم کے خلاف بحث کی گنجائش نکلتی ہو۔ بس اب آپ قومی حکومت کے انتظام پر نظر ڈال لیں۔

(1) ہر صحابیِ رسولؐ احادیث بیان کرنے کا مجاز نہیں تھا

''حضرت عمر نے اگرچہ حدیث کی (مشروط) ترویج میں بہت کوشش کی۔لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا۔اور یہ اُن کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں (یعنی صحابہ) کو احادیث بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

چنانچہ فاروق اعظم،عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابوالدرداء را بشام و بہ معاویہ بن ابوسفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نہ کنند۔''

(شبلی کی جگہ ہم ترجمہ لکھے دیتے ہیں) چنانچہ فاروق اعظم نے عبداللہ ابن مسعود کو چند اور صحابہ کے ساتھ کوفہ میں درس حدیث کیلئے بھیجا اور معقل بن یسار کو معقل کے بیٹے عبداللہ کو اور عمران بن حصین کو بصرہ میں تعینات کیا۔اور عبادہ بن صامت اور ابوالدرداء کو شام میں متعین کیا۔اور معاویہ بن ابوسفیان کو جو ملک شام کا حاکم تھا ایک فرمان میں سخت پابندی کا حکم لکھا اور لکھا کہ دیکھنا کوئی اُنکی بیان کردہ حدیث سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے۔''(اسکے بعد شبلی لکھتے ہیں کہ) حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ اُن کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔''(الفاروق حصہ دوم صفحہ 60)

(2) مرکزی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے مخصوص قاضی ومفتی اور باقی صحابہ کا منہ بند رکھا

''حضرت عمر کے عہد میں (دس سال) جس پابندی کے ساتھ (زبان بندی پر) عمل رہا۔اُنکے بعد کے زمانہ میں بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی نہیں ہوا تھا۔(زبان بندی کے) اس طریقہ کیلئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ اِفتا (فتویٰ دینے) کیلئے نامزد کر دئے جائیں تاکہ ہر کس وناکس (یعنی صحابہ کی پوری جماعت آزاد نہ رکھی جائے) غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔''(اناللہ وانا الیہ راجعون۔الفاروق حصہ دوم صفحہ 31)

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جو صورتحال مسلمانوں پر مسلط تھی اُس میں رسولؐ اللہ کے ساتھ زندگی گزارنے والے اور دن رات قربانیاں دینے والے صحابہ کو یہ آزادی نہ تھی کہ جو کچھ رسولؐ اللہ سے سُنا یا آنحضرتؐ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اُسے بیان کر سکیں۔یا کسی غلط گو یا غلط کار شخص کو یہ کہہ سکیں کہ تمہارا قول یا فعل رسولؐ اللہ کے احکام وعمل کے خلاف ہے اِس کی یوں اصلاح کرلو۔علامہ،حضرتِ عمر کی پیدا کردہ اس زبان بندی کی مدح وثنا فرما رہے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے دورِ حکومت میں کوئی بھی صحابی اِس کا اختیار نہ رکھتا تھا کہ وہ کوئی آیت یا حدیث یا تفسیر ایسی بیان کر سکے جو حضرت عمر کی قومی حکومت کے مزاج کے خلاف ہو۔مطلب یہ ہے کہ بات خواہ حق ہو یا ناحق ہواُسے مزاج فاروقی اور قومی حکومت کی پالیسی کے

خلاف نہ ہونا چاہئے۔ سوچنا یہ ہے کہ کیا اس صورت حال کو مان لینے کے بعد کوئی عدالتِ انصاف ہم سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوسکتی ہے کہ تم اپنی اذان ونماز وکلمہ کا ثبوت عہد فاروقی میں یا اُس عہد کے بعد کے ادوار میں پیش کرو؟ کیا ایسے ادوار میں یہ ممکن ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص مسجد نبویؐ یا کسی اور مسجد میں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰهِ، وصی رسولؐ الله و خلیفة بلا فصل پکار کر زندہ رہ جائے؟ جہاں تک ہم جانتے ہیں ہم سے ایسا مطالبہ کسی مجتہد کے علاوہ کوئی صاحبِ عقل و ہوش نہ کرے گا۔ اور یہ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کا معجزہ ہے کہ ہم اپنا ثبوت عدالت کے معیار پر پیش کرنا آسان سمجھتے ہیں۔ ایسا ثبوت ہمارے زمانہ تک پہنچانے ہی کے لئے تو محمدؐ وآل محمدؐ نے قربانیاں دی تھیں۔ واقعہ کربلا اسی ثبوت کو برقرار رکھنے کے لئے پیش کیا گیا۔ ہمارے لاکھوں بے گناہ افراد اِسی لئے بے دریغ تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے کہ کسی طرح اسلام کی حقیقی صورت دنیا میں نہ پھیل سکے۔ اللہ کا فضل اور محمدؐ وآل محمدؐ کا یہ انتظام مٹایا نہ جاسکا۔ اور آج تو ہم اس مقام پر ہیں کہ اگر تمام محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ کو قتل کر دیا جائے تب بھی اسلام کی حقانیت کو چھپایا نہ جاسکے گا۔ غیر مسلم اقوام کی ہر لائبریری یہ ریکارڈ پیش کرے گی۔ اور یہ ہر تیسرے دن ''اسلامی قانون بناؤ'' ''اسلامی طرزِ حیات نافذ کرو'' کے نعروں کی آڑ میں سابقہ بے دینیاں چھپا دینے کی کوششیں حسب سابق ناکام ہوتی جائیں گی، حق غالب آتا جائے گا۔ مصنوعی لبادہ اُتار کر پھینک دیا جائے گا، حقیقی اسلام کے عروج کا زمانہ آئے گا۔ اسی لئے مجتہدین جُنون کا شکار ہوئے ہیں۔

(3) ہر فتویٰ، ہر وعظ ولیکچر قومی حکومت کی تائید میں ہوگا؛ مفتیوں پر نگرانی ہوگی

شاہ ولی اللہ کے بیانات سے شبلی صاحب رعب تو ڈالتے ہیں مگر اُردو میں ترجمہ کرتے ہوئے عوام کی ملامت سے بھی ڈرتے ہیں۔ ہم عوام کے لئے لکھ رہے ہیں، اس لئے کسی حوالہ کی عبارت کو بلاترجمہ چھوڑنا حماقت سمجھتے ہیں۔ سُنئے:

> سابق وعظ وفتویٰ موقوف بود بر رَائے خلیفہ۔ بدونِ امرِ خلیفہ وعظ نمی گفتند وفتویٰ نمی دادند واخیر بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ می گفتند وفتویٰ می دادند۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 31)

''پہلے اَدوار میں وعظ کہنا اور فتویٰ دینا خلیفۂ وقت کی رائے پر موقوف تھا۔ لہٰذا خلیفہ کے حکم کے بغیر نہ کوئی وعظ کہہ سکتا تھا نہ فتویٰ ہی دے سکتا تھا۔ لیکن بعد کے ادوار میں خلیفہ کی رائے کا لحاظ کئے بغیر بلا توقف وعظ بھی کرنے لگے اور فتوے بھی دینے لگے۔''

یہ نوٹ کرلیا جانا چاہئے کہ حقیقی دیندار جماعت نے رفتہ رفتہ قومی حکومت اور قومی حکمرانوں کی جابرانہ گرفت کو ڈھیلا کر دیا تو نظر بند صحابہ نے آزادی کا سانس لیا اور اُن کی زبانوں پر حق جاری ہونے لگا۔ مگر چاروں طرف سے قوم اور لیڈران و بزرگانِ قوم کے نام پر اپیلیں بھی شروع ہوگئیں۔ وہ ہمارے ہمدرد تھے، جو کچھ کیا قومی ہمدردی کے لئے کیا، قوم کے لئے نشانہ

ملامت بن کر قوم کو معراجِ ترقی پر پہنچایا، تمہیں شخصی و خاندانی حکومت سے چھٹکارہ دلایا، اگر کچھ بے اعتدالیاں اور دین کی خلاف ورزیاں تمہیں یہ اقتدار دلانے کی ضامن تھیں؟ تو اب تم اُن کا تدارک کر لو، غلط چیزوں کو صحیح رُخ پر لے آؤ، اُن کو کوستے رہنے سے کیا ہوگا؟ اس طرح پھر قومی محبت اور قبیلوں کے دباؤ نے کھل کر حق کو سامنے نہ آنے دیا۔ حق بیان کیا گیا۔ مگر اگر مگر اور چونکہ اور چنانچہ کے پردوں میں لپیٹ لپیٹ کر، محتاط اور ذومعنی الفاظ کی آڑ میں۔ چنانچہ علامہ شبلی نے مندرجہ بالا بیان سے مسلسل اُسی سانس میں بطور تائید لکھا تھا کہ:

''تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں (صحابہ) کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ اُنہوں نے جب فتوے دیئے تو حضرت عمر نے اُن کو (سزائے قید دے کر) منع کر دیا۔ چنانچہ (سرکاری ملازمت سے پہلے) ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ بلکہ حضرت عمر کو یہاں تک احتیاط ملحوظ تھی کہ مقرّ رشدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے...... دوسرا امر جو (زبان بندی کے) اس طریقہ کے لئے ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے۔ اُس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے۔ لیکن مجالس علمیہ (یعنی حج و جمعہ وغیرہ کے دوران) میں حضرت عمر نے بارہا اعلان کیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 32-31)

(4) فاروقی شریعت کی خلاف ورزی پر سنگین سزا کے نوٹس

حضرت عمر کی باز پرس اور سزا دینے کا پروگرام اُن کے بڑے صاحبزادے سے سن لیں۔ عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ:۔

''حضرت عمر جب لوگوں کو کسی چیز سے روکنے کا ارادہ کرتے تھے تو صحابہ کے مکانوں پر جایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں ممانعت کروں اور وہ پھر بھی کی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس پر سخت سزا دی جائے۔'' (تاریخ الخلفاء صفحہ 145)

(5) فاروقی شریعت، فرمانِ شاہی اور خزانۂ شاہی کی قوت سے مسلط کی گئی تھی

جناب شبلی صاحب بڑے محتاط انداز اور بڑے چالاک الفاظ میں ایک بیان دیتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے قاری یہ محسوس کریں کہ جو شریعت حضرت عمر پبلک پر مسلط کر رہے تھے وہ تنہا اُس شریعت کو نہ بناتے تھے بلکہ صحابہ کے مشورہ سے یعنی مل جُل کر بناتے تھے۔ یعنی صحابہ کے متفقہ فیصلے اسلام کی شریعت بنائے گئے تھے۔ اوّل تو یہ اتفاقی و اجماعی فیصلوں کی بات ہی غلط ہے۔ مدینہ میں مقید و محصور و مجبور صحابہ اگر حضرت عمر سے متفق بھی ہو جائیں تو اس اتفاق و اجماع کی عدالت میں کوئی قیمت نہیں۔ جب تک جبر و تشدد و سزا کا شائبہ بھی باقی ہو۔ اور حضرت عمر کا عہد جبر و استبداد و وظائف و جاگیروں اور عطیات و

انعامات کا مسلّمہ دور ہے۔عمر کا دُرّہ اور عمر کا خزانہ مشہور ہیں۔ پھر عدالتِ انصاف اُن تمام صحابہ کو الگ کردے گی جو فاروقی پالیسی میں مدد و معاون اور اُسی مسلک کے افراد تھے۔اور اگر کسی طرح یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عمر اور وہ سب حضرات جن کے متفقہ فیصلوں یا اجماع کو شریعت قرار دیا جارہا ہے، اللہ و رسولؐ کے پسندیدہ لوگ تھے،تب بھی اُن کا متفقہ یا اجماعی فیصلہ شریعت اسلامی کیسے بنے گا؟ جب کہ اللہ کا تہرا (Tripple Order) حکم یہ ہے کہ:۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَo(مائدہ 5/44)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَo(مائدہ 5/45)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo (مائدہ 5/47)

’’اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ نافذ نہ کرے وہ لوگ کافر ہیں۔ ظالم ہیں۔ فاسق ہیں۔‘‘

حضرت عمر کی شریعت سازی کی بنیاد تو یہ ہے کہ جو احکام رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) اپنی ذاتی رائے سے دے دیئے تھے وہ مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔تو اب حضرت عمر یا تمام صحابہ کی ذاتی رائے جب ہی قابل قبول ہوسکتی ہے جب قرآن کی کوئی آیت حضرت عمر یا صحابہ کو وہی مقام دے دے جو رسولؐ اللہ کو حاصل تھا۔اور یہ مقام جب تک کوئی دوسرا قرآن کسی مجتہد پر نازل نہ ہو اُن حضرات کو نہیں ملتا۔اور فرض کرلو کہ کل کوئی مجدّد الف ثالث یہ خدمت بھی انجام دے دے تو حضرت عمر اور تمام صحابہ کا اجماعی فیصلہ بھی مستقل نہیں ہوگا۔اور میں تنہا ایسے فیصلے کو قرآن کی مار دے کر تبدیل کردوں گا۔ بہرحال آپ شبلی صاحب کی کوشش ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ وہ پھر بھی ہماری زَد سے نہیں بچ سکتے،فرماتے ہیں کہ:

(الف) روپیہ دے کر تعلیم قرآن

’’تمام ممالکِ مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اَوّلیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے (اسلام میں سب سے پہلے) معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔تنخواہیں اس وقت کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔‘‘ (الفاروق حصہ دوم صفحہ 58)

نوٹ کریں کہ وہیں سے تبلیغ کرنے والوں نے اُجرت لینا جائز کیا تھا اور آج (1976 عیسوی) ایک وعظ یا مجلس پڑھنے کی فیس پانچ ہزار روپیہ جائز ہوگئی۔

(ب) روپیہ کے ساتھ جبر و سزا بھی

’’خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا۔ چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن شریف کا کوئی

حصہ یا دنہ ہو سزا دے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 59)

تا کہ قرآن کی فاروقی تفسیر عام ہو جائے اور بدوؤں پر قابو رہے۔ اور جبر کی وجہ سے لوگ دلوں کے اندر اسلام سے بددل ہو جائیں اور وقتِ ضرورت کام آئیں۔

(ج) قرآن کے پڑھنے میں بھی لالچ کو حربہ بنایا

''حضرت عمر نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کیلئے اِن تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سُورتوں یعنی بقرہ؛ نساء؛ مائدہ؛ حج اور سورہ نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں۔ کیونکہ اُن میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔ عُمّال (گورنرز) کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں اُنکی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔''
(الفاروق حصہ دوم صفحہ 59)

یعنی اُس زمانہ میں کوئی شخص قرآن کو اللہ و رسولؐ کے حکم اور استفادہ کے لئے نہیں پڑھتا تھا۔ اور فاروقی انتظام نے ایسا سوچنے کی ضرورت کو بھی ختم کر دیا تھا۔ لوگ تنخواہ کے لالچ سے پھر کوئی عہدہ ملنے کی آرزو میں قرآن پڑھتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کا ایمان و اسلام کس قدر قابل قبول ہے؟ قارئین پتہ لگائیں۔

(د) آج کل کے حساب سے مشرکانہ جملہ

علامہ شبلی نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کرنا لکھ کر حاشیہ میں ابن جوزی کا یہ جملہ لکھا ہے: عمر بن الخطّاب و عثمان بن عفان کَانَا یرزقان الموذنین و الائمة و المصلین۔ ''خطاب کے بیٹے عمر اور عفان کے بیٹے عثمان دونوں کے دونوں اذان دینے والے موذنوں کو، نماز پڑھانے والے اماموں کو اور نمازیوں کو رزق دیا کرتے تھے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 58 حاشیہ)
یعنی دونوں ماشاءاللہ رازق تھے۔

اسی لئے آج مجتہد کے مقلد نماز نہیں پڑھتے اور اگر کوئی یہ غلطی کرتا ہے تو دل میں اُس زمانے کا منتظر ہے جب نماز روزہ سے سوشلزم چھٹکارہ کرا دے گا۔ قارئین سوچیں کہ عہد فاروقی میں کیسے مسلمان تیار کئے جا رہے تھے؟ یعنی عبادت بھی روپیہ کے لالچ میں اور جہاد بھی لوٹ اور مار دھاڑ کیلئے۔

(ہ) فوجوں کو بھی اسی رنگ میں رنگا گیا تھا

''اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان میں یہ (مندرجہ بالا حکم) بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً عمال (گورنروں) سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ

گئے۔ناظرہ خوانوں (دیکھ کر پڑھنے والوں) کا تو کچھ شمار نہ تھا۔لیکن حافظوں کی تعداد بھی سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دوتا کہ میں اُن کو قرآن کی تعلیم کیلئے جا بجا بھیجوں تو سعد بن وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔‘‘(الفاروق حصہ دوم صفحہ 60-59)

قارئین یاد فرمائیں کہ جنگ صفین میں شبلی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ جدھر نظر جاتی تھی قرآن ہی قرآن نیزوں پر نظر آرہے تھے۔اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان نے سات قرآن سات صوبوں کے دارالخلافوں میں بھیجے تھے۔وہ کون سے قرآن تھے؟ اور کہاں سے آئے تھے جن کی مدد سے یہ لاکھوں اور بے شمار لوگ صحیح قرآن پڑھ سکے۔جبکہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں لے دے کر اور وہ بھی بقول مجتہدین اور بخاری وغیرہ کل ساڑھے چار آدمی پورے قرآن کے حافظ تھے؟ یہ سب معجزاتی کاروبار معلوم ہوتا ہے۔لیکن ہمیں انکار کیوں ہو۔مگر یہ قاری و حافظان قرآن اور نمازی لوگ جس کیریکٹر کے آدمی بن سکتے تھے وہ تو آپ کے سامنے مندرجہ بالا انتظام خود بتاتا ہے۔لیکن ہم گواہی میں آپ کے سامنے کربلا کو پیش کرتے ہیں۔جہاں ہزاروں حافظان قرآن موجود تھے اور اتنی پابندی سے نماز پڑھتے تھے کہ خاندان رسولؐ کے جوانوں، بوڑھوں اور بچوں اور تمام انصار کو قتل کر کے، لاشوں پر گھوڑے دوڑا کے نماز جماعت ادا کی تھی۔اور اس سے پہلے رسولؐ زادے کو کہا تھا کہ تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔اسی قسم کے حافظانِ قرآن اور نمازی تھے وہ لوگ بھی جنہوں نے خانہ کعبہ کو نظر آتش کیا تھا۔مدینہ میں مسجد نبویؐ میں گھوڑے باندھے تھے۔

(و) شریعت کی ایسی تنفیذ کہ جو آج بھی ممکن نہیں

’’چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو روز کام پڑتا ہے۔اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں۔‘‘(الفاروق حصہ 2 صفحہ 60)

قارئین یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ حضرت عمر نے اپنی اس کوشش میں کمال کر دیا تھا کہ اپنی اختیار کردہ شریعت کا ہر ہر مسئلہ اس طرح ٹھوک بجا کر سارے قلمرو میں پھیلا دیں کہ اُن کے بعد اگر کوئی فاروقی شریعت میں عیب نکالے تو اُسے کوئی قبول نہ کرے۔اور جو کچھ حضرت عمر جاری کر جائیں اُسے غلط اور خلاف قرآن و حدیث نکلنے پر بھی نہ چھوڑیں۔چنانچہ آج تک نہیں چھوڑا ہے۔

(ز) بذات خود شرعی مسائل بیان کرنا

’’جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کرتی تھی۔خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے۔جمعہ کے دن کے خطبوں میں، حج کے خطبوں میں احکام بیان کرتے تھے.... چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا۔اسلئے ان

(شرعی) مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔'' (ایضاً حصہ دوم صفحہ 61-60)

اس سے یہ فائدہ بھی تھا کہ اگر کوئی اپنا تنخواہ دار عالم یا کوئی غیر شخص فاروقی مزاج کے خلاف کوئی مسئلہ بیان کرے تو اس کا پتہ آسانی سے چل جائے اس لئے کہ لوگ سوال کریں گے، غیر مانوس مسئلہ کی تشریح چاہیں گے اور بات کُھل جائے گی۔

(ح) فرمان کی صورت میں احکام نماز؛ دو نمازوں کا ملا کر پڑھنا بند، تراویح کا اجرا وغیرہ

شبلی لکھتے ہیں کہ:۔ ''وقتاً فوقتاً عمال (گورنروں) اور افسران کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کے متعلق جس کی تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں.... دو وقت کی نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریراً حکم بھیجا کہ ناجائز ہے۔'' (حصہ دوم صفحہ 61)

قارئین نوٹ کریں کہ سوائے حنفی مذہب کے چند علما کے باقی تمام مالکی، شافعی وغیرہ جمع بین الصلوتین کے قائل ہیں اور حضرت عمر کا یہ حکم اہل سنت ریکارڈ کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح جب جبر وتشدد کی کمر ٹوٹ گئی تو حضرت عمر کے مقرر کردہ اوقات نماز اور سینکڑوں مسائل تبدیل ہو گئے۔ یعنی جو چیز قرآن وحدیث کے خلاف حضرت عمر نے جاری کی تھی وہ لازم نہ رہی۔

(ط) نماز تراویح کی خودساختہ ایجاد

''14ھ میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 61)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ حکم قرآن وحدیث وسنت کے سراسر مخالف ہے۔ مگر ایک دفعہ پوری مملکت میں اس کو نافذ کیا گیا اور اس پر عمل لازم رہا۔ لیکن جب لوگوں کو اللہ ورسولؐ کے احکام پر عمل کر سکنے کی آزادی ملی تو یہی تراویح کا حکم لازم نہ رہا۔ اہلسنت ریکارڈ سے اس کا جواز ثابت نہیں۔ رہ گئی امت کے مجتہدین کی اپنی ایجادات، ظاہر ہے کہ وہ نہ اسلامی شریعت ہے، نہ خدا کے یہاں ایسی خودساختہ عبادت پر سزا سے بچا جا سکتا ہے۔ البتہ دنیا میں کثرت کی خوشنودی ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔

(ی) جبریہ احکام پر شبلی صاحب کا پردہ

خودساختہ شریعت کا جبراً نافذ کرنا ثابت کر چکنے کے بعد شبلی صاحب کو خیال آیا کہ لاؤ ذرا سی لیپا پوتی بھی کر دوں فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی (شرعی) احکام حضرت عمر فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے۔ وہ چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا اُن کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا۔'' (ایضاً صفحہ 61)

علامہ نے جو کچھ کہنا چاہا اور کہہ دیا وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ حضرت عمر کے جاری کئے ہوئے مسائل یا احکام پر علمائے صحابہ کبھی متفق نہیں ہوئے۔ البتہ جو احکامِ رسولؐ امت میں بچ گئے تھے اُن پر صحابہ ہی نہیں بلکہ ساری امت متفق ہے۔ اور اُن کو شاہی فرمان کے ماتحت نافذ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ تو مشہور اور معمول بہ تھے۔ ابھی آپ شبلی صاحب کی حق گوئی ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ک) صحابہ کے اجماعی فیصلہ کی بات بالکل غلط تھی

چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ''غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو (یعنی تمام نظر بند قیدیوں کو) جمع کیا۔ اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں (یعنی صحابہ) نے مختلف رائیں دیں۔ اس وقت فرمایا کہ: اَنْتُمْ اَصْحَابُ بَدْرٍ وَقدِ اخْتَلَفْتُمْ فَمِنْ بعد کم اشدّ اختلافًا۔ یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور اُن کی رائے قطعی پا کر شائع کی گئی۔'' (ایضاً صفحہ 61)

قارئین نے غور فرمایا کہ صحابہ کے اجماع اور متفقہ فیصلہ کی بات محض زیب داستان کے لئے تھی۔ پھر یہ سوچیں کہ حضرت عمر جنسی تعلقات کے مسائل اپنی ازواج سے ہرگز نہیں پوچھتے بلکہ ان شرمناک مسائل کو اپنی بیٹی یا ازواج رسولؐ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ زیرِ نظر مسئلہ یہ تھا کہ اگر مرد دخول کے بعد بلا فراغت کسی وجہ سے اُٹھ جائے تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ ہم نہیں جانتے کہ ازواج رسولؐ تو ازواجِ رسولؐ ہیں۔ آیا ہمارے قارئین ایسا مسئلہ یا یہی مسئلہ اپنی والدہ یا بہن سے دریافت کریں گے؟ یا نہیں؟ بہر حال وہ حضرت عمر تھے۔ اور وہ عائشہؓ و حفصہؓ تھیں۔ لہٰذا مصلحتِ خویش خسرواں دانند کہہ کر آگے چلیں اور ہرگز اجماع کے مسئلہ میں نہ الجھیں۔

(ل) جنازہ کی نماز بدل دی گئی

قارئین یہ نوٹ کریں کہ ہم علامہ شبلی کے قلم کو الگ سے باندھ کر رکھنا چاہتے ہیں اور جس قدر اُن سے ملتا جاتا ہے لکھتے جاتے ہیں۔ ہمیں وقت ملا تو ہم یہ دکھائیں گے کہ حضرت عمر نے قرآن و اہلسنت کے ریکارڈ کے خلاف شریعت جاری کی تھی۔ وقت نہ ملا تو یہ چیلنج کر دیں کہ ہم صحاح ستہ سے حضرت عمر کی ہر ایجاد کو قرآن و فرمان رسولؐ کے خلاف ثابت کر سکتے ہیں۔ جس کا دل چاہے تحریری یا تقریری امتحان کر دیکھے۔ یہاں صرف ایک جملہ لکھ کر شبلی چل دیئے، سنئے:

''جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک متفق بات طے ہوگئی یعنی چار

تکبیروں پر اتفاق ہو گیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 61)

یہاں یہ چند ایجادات بطور نمونہ لکھ کر جناب شبلی نے عنوان بدل دیا ہے۔ لہٰذا ہم بھی ساتھ ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ قومی شریعت کا نفاذ دیکھئے۔

(6) قرآن کی طرح شریعت پھیلانے کا انتظام؛ تنخواہ دار مبلّغ اور شاہی جبر

''اضلاع کے عُمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے۔ اُن میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ وہ عالم وفقیہہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا۔ ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے: ''اِنّی اشھد کم علیٰ امراء الامصار انّی لم ابعثھم اِلّا لیفقھوا الناس فی دینھم۔ یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔'' یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 62)

یہ بات تو قطعاً واضح ہے کہ حضرت عمر اپنی حکومت کا اثر رعایا کے ہر ہر فرد پر بطور ٹھپہ بٹھا دینا چاہتے تھے۔ اور وہ اپنے مسلک اور تصور اسلام کو ہر شخص پر مسلط کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ اور لوگوں کو آنحضرؐت کے اُسوہ اور طرز زندگی کا ذرہ برابر پتہ نہ چلنے پایا اور ایک دفعہ آپ کے ماتحت ممالک میں اسلام اور رسولؐ اسلام کا نام عمر اور قرآن وحدیث کا نام احکامات عمر ہو کر رہ گئے تھے۔ لیکن شبلی صاحب نے حضرت عمر کا جو جملہ عربی میں لکھا ہے اس سے یہ غلط سمجھا اور کہا گیا کہ ہر افسر عالم وفقیہہ ہوتا تھا۔ یا حضرت عمر اُسی شخص کو افسر بناتے تھے جو عالم اور فقیہہ پہلے سے ہو۔ اس جملہ میں تو حضرت عمر نے صرف یہ کہا ہے کہ افسروں کو مقرر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اُن کا دین سمجھائیں۔ لِیَفْقَھُوْا۔ کے معنی یہ کہاں ہیں کہ وہ افسر عالم وفقیہہ ہوتے تھے۔ بے رنگ تصویر میں خود رنگ بھرنا اُسے خراب کر دیتا ہے۔ ہم حضرت عمر کی ہمہ گیری کو بے چوں وچرا اس لئے مانتے چلے آتے ہیں۔ بلکہ بڑھا چڑھا کر مانتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ایسی صورت میں حقیقی دین کے پہنچنے کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ اور جب ہم حضرت عمر کی حقیقی علمی پوزیشن پر بات کریں گے تو یہ سارا ٹھاٹھ مکڑی کے جالے کی طرح سمٹ کر خاک کی ایک چٹکی بھی نہ رہے گا۔ داستان الگ اور زیب داستان الگ ہو جائے گی۔ اور ابھی علامہ شبلی کا اعتراف سامنے آتا ہے۔ یعنی سرکاری مؤرخین کو بھی غپ شپ کہیں نہیں ملتی، فرماتے ہیں:

(الف) کوئی ملک حضرت عمر کی شریعت کے علما فقہا سے خالی نہ تھا

''تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلّم متعین کئے کہ لوگوں کو (حضرت عمر کی منشا کے مطابق) مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ مورخین نے اگر چہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا۔ اور اس وجہ سے اُن معلموں کی صحیح تعداد (اور اُن کے نام اور ڈگری) معلوم نہیں ہوسکتی۔ تاہم جستہ جستہ تصریحات سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔'' (ایضاً صفحہ 62)

مؤرخین نے تو بہت سے تنکوں کے پُل بنائے تھے مگر وہ شبلی صاحب کو پسند نہیں۔ بہرحال قارئین الفاروق کے اس صفحہ پر دیکھیں گے کہ حضرت عمر کے معلّمین ہر بستی ہر مسجد اور ہر فرد کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ اور ہرگز یہ گنجائش نہ تھی کہ کوئی شخص حضرت عمر کی اپنی شریعت کے خلاف ایک بات کسی کو بتا سکے۔ بوڑھے اُس فاروقی شریعت اور چار تکبیروں والی نماز جنازہ سنتے دُنیا سے رخصت ہوئے، بچے اُسی کو سیکھتے، یاد کرتے اور روپیہ کماتے جوان ہوئے۔ جوانانِ اُمت اُسے اللہ و رسولؐ کی شریعت سمجھتے ہوئے نافذ کرنے میں مشغول اور جنگوں میں مقتول ہوئے۔ اور اپنے گھروں کو مال و دولتِ عجم سے لبریز کرتے رہے۔ کسی کو یہ وہم تک نہ ہوسکتا تھا کہ اللہ و رسولؐ نے شریعت کو نامکمل چھوڑ دیا تھا، قرآن تک جمع نہ کیا تھا، کسی کو اپنا جانشین بنائے بغیر اُمت کو منافقوں کے خطرناک ماحول میں چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر کا ہر فرمان خدا اور رسولؐ کے فرمان کی طرح واجب الاطاعت سمجھ کر نافذ ہوتا چلا گیا۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ تعمیل ہی تعمیل تھی، تعمیل ہی میں وارے نیارے تھے۔

(ب) کس مُلک میں کون مبلّغ؟

عبدالرحمٰن بن مغفل دس دیگر مبلغین کے ساتھ بصرہ میں تعلیم شریعت کے لئے متعین تھے۔ عمران بن الحصین بھی بصرہ ہی میں تعینات تھے۔ عبدالرحمٰن بن غنم نے ملک شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی تھی۔ عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابوالدرداء بھی شام میں تھے۔ حنان بن ابی جبلہ کو مصر میں رکھا تھا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 62) اگلے صفحہ پر رقم طراز ہیں کہ:

(ج) تنخواہ دار علما کے علاوہ سب کی زبان بندی جاری رکھی

''ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اُن فقہا کی تنخواہیں مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مُرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اُسکے قائم نہیں ہوسکتا تھا... ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص شریعت کے مسائل کی تعلیم کا مجاز نہ ہوگا... چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے

لکھی ہے۔ہم اُسکے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 63)

قارئین ہم ابھی آپ کو شاہ ولی اللہ کا مذکورہ بالا بیان دکھائیں گے۔مگر پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ جناب شبلی صاحب نے اسی طرح قرآن اور حدیث کے بارے میں لکھا تھا کہ سوائے اُن اشخاص کے جو حضرت عمر کے تعینات کئے ہوئے لوگ تھے، کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ قرآن یا حدیث بیان کر سکے اور اس انتظام میں یہ مانا تھا کہ حضرت عمر خلاف ورزی کرنے والوں کو قید یا دیگر سزائیں دیا کرتے تھے۔اور جن کو تعینات کرتے تھے اُن پر بھی نگرانی اور محاسبہ کرتے رہتے تھے۔لہٰذا انصاف کے ذمہ دار حضرات سوچیں کہ جب چند اپنے آدمیوں کو بھی یہ اجازت نہ تھی کہ حضرت عمر کی مرضی اور پسند کے خلاف کوئی آیت یا حدیث منہ سے نکلے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ کوئی عَلِيٌّ وَلِيُّ اللهِ یاخلیفته بلا فصل کی بات کر گزرے اور معراج والی اذان یا نماز پر احادیث سنا سکے؟ یہی ہم ثابت کرنے چلے ہیں کہ دُرّے، دولت اور فوجی قوت سے اپنے احکام کو شریعت محمدؐیہ کے رنگ میں مسلط کیا گیا تھا۔ اور شبلی صاحب اس مقصد باحسن الوجوہ پکا کرنے میں ہر خیانت کو جائز سمجھتے ہیں۔یعنی شاہ صاحب کا بیان بھی وہ پورا نہ لکھیں گے۔بلکہ اپنے اور اب ہمارے کام کی باتیں تلاش کر کے جستہ جستہ لکھیں گے۔یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ علامہ شبلی اور اُنکے بعد کے علمانے شاہ ولی اللہ کو ایک ایسے علمی مقام پر مانا ہے کہ نوع انسان میں اُس مقام سے بلند کوئی اور مقام اُنکے یہاں تصور میں بھی نہیں آتا۔اور حد یہ بھی ہے کہ خود شاہ ولی اللہ اپنے لئے الہام کے قائل ہیں۔اور شبلی صاحب اُن کی مدح میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

''شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں حضرت عمر کی فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہیں۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 8)

اور ہم بھی تصدیق کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کو ایک خاص مخلوق بنا ڈالنے کے لئے دنیا بھر کی تمام خود ساختہ روایات و بیانات کو جمع کرنے میں تمام اقوام کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔مگر حضرتِ شبلی کا یہ بیان بھی نوٹ کرلیں فرماتے ہیں کہ:۔

''جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رُتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا، ریاض النضرۃ وغیرہ اُنکا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کرلی گئی ہے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 11) (انا للہ وانا الیہ راجعون)

یعنی علامہ شبلی نے صفحہ 8 پر جس ولی اللہ کو یہ مقام دیا کہ اُن سے زیادہ حضرت عمر کی شریعت سازی کی تصدیق کرنا ناممکن ہے۔اُسی ولی اللہ کی اُسی کتاب کو غیر معتبر ثابت کر دیا جس میں حضرت عمر کے لئے امکانی حدود کو مکمل کر دیا تھا۔قارئین نوٹ کریں کہ شاہ ولی اللہ اور اُن کی کتاب ازالۃ الخفاء اگر معتبر نہیں ہیں تو مسٹر شبلی اور اُن کی کتاب الفاروق یقیناً کذب وافترا کا بولتا چالتا مجسمہ ہیں۔ اور کذب وافترا بھی رسولؐ اللہ، قرآن اور صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم کے خلاف کیا گیا ہے۔اب آپ شبلی صاحب کا مذکورہ وعدہ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ وہ جستہ جستہ فقروں کو الگ الگ لکھنے کے بجائے انہیں اپنے اجتہاد سے منظّم کر کے یوں پیش کرتے

ہیں (اور ترجمہ تو شبلی لوگ کیا ہی نہیں کرتے تاکہ پول نہ کھلے اور رعب پڑے)۔

مَعَھٰذَا ابعد حزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نہ بُود۔ در جمیع این امُور شد روند نمی رفتند و بدونِ استطلاع رائے خلیفہ کارے را مُصَمم نمی ساختند۔ لہٰذا درین عصر اختلافِ مذاہب وتَشَتُّت آرا واقع نہ شُد۔ ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع۔ چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و علامت علامہ ظہور نمود۔ علما در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتویٰ مید ہدو عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقاتِ خود درا بر اکثار روایتِ حدیث مصروف می سازد۔ بالجملہ دریں ایّام اختلاف فتاویٰ پیدا شد۔ یکے را بر رائے دیگرے اطلاع نہ۔ و اگر اطلاع شد مذاکرہ واقع نہ۔ و اگر مذاکرہ بہ میان آمد؟ ازاحت شبہ و خروج از مضیق اختلاف بقضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایت علما صحابہ کہ پیش انقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ از ہر چہ روایت کردہ اند ہر چند جمیع صحابہ عدول اند در روایت ایشان مقبول و عمل بموجب انچہ بروایت صدق ایشاں ثابت شود لازم۔ اما درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعدے وحادث شدہ فرق ما بین السموات والارض است۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63)

ہمارا ترجمہ جو شاہ صاحب کے الفاظ اور قرائین حالی و مقالی کے مطابق ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''اس سب انتظام کے ساتھ ساتھ یہ بات سمجھ لیں کہ جب حضرت عمر کسی بھی بات کا پختہ فیصلہ کر لیتے تھے تو پھر کسی بڑے سے بڑے صحابی کی یا زوجہ رسولؐ کی یا کسی ماتحت حاکم کی یہ مجال نہ ہوتی تھی کہ وہ حضرت عمر کے فیصلہ کی مخالفت کر سکے اور کوئی آیت یا ایسی حدیث پیش کر سکے جو حضرت عمر کی منشا کے خلاف جاتی ہو۔ اور حضرت عمر کے باقی تمام احکامات اور فیصلوں میں بھی کوئی شخص مقررہ حد سے باہر نہ نکلتا تھا۔ اور خلیفہ کی اطلاع اور رائے حاصل کئے بغیر کوئی اقدام نہ کرتے تھے۔ اس زبان بندی اور محکم گرفت کی وجہ سے اُن کے عہد حکومت میں مذہبی تصورات میں اختلاف اور دینی احکام میں آزاد خیالی قطعاً دبی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا رہا کہ تمام صحابہ اور تمام افسران اور تمام ازواجِ رسولؐ حضرت عمر والے مذہب پر متفق ہیں اور سب صحابہ و صحابیات اور ازواجِ رسولؐ، اور تمام افسران و عہدیداران اور تمام مملوکہ و مفتوحہ ممالک کی رعایا مل کر حضرت عمر کی مقرر کردہ دینی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ مگر جیسے ہی یہ مخصوص قسم کی حکومت بالکلیہ کٹ کر گری اور بھرپور علم کی آزادی نے اپنا ظہور کیا تو پھر یہ ہوا کہ سیاست فاروقی کا روکا ہوا علمی دھارا بے پناہ روانی کے ساتھ بہہ نکلا اور جدھر دیکھو ہر بستی ہر قریہ اور ہر شہر میں وہ لوگ پھیل گئے جو عرصہ دراز سے نظر بندی اور قید و بند میں گرفتار تھے۔ اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے استفادہ کے لئے احکام اور مسائل بیان کرنا شروع کر دیئے۔ عبداللہ بن عباس نے مکہ میں وہ فتاویٰ دینا شروع کئے جو حضرت عمر کے سامنے نہ دے سکتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت عمر کے فرزند ارجمند عبداللہ بن عمر

نے مل کر مدینہ کو سنبھالا۔ اور اُن کے مقابلہ میں جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا وقت احادیث کا ڈھیر لگا دینے پر وقف کر دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں جملہ اختلافات باہر نکل کر پھیل گئے۔ ولی اللہ صاحب کا ذاتی خیال ہے کہ اختلاف کا سبب یہ ہوا کہ فتویٰ دینے والوں کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ فلاں مفتی اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دے رہا ہے۔ اور اگر معلوم ہوتا بھی ہوگا تو آپس میں بحث و مباحثہ کر کے ایک متفقہ فتویٰ دینے کا موقع نہ ملتا ہوگا۔ اور اگر بحث ونظر کا موقع ملا ہوگا تو آپس کے شبہات اس حد تک دُور نہ ہو سکے ہوں گے کہ نتیجہ میں متفقہ فیصلہ ہو سکے۔ اور اگر اے قاری تو اُن لوگوں کے حالات اور مسائل کے اختلافات پر با قاعدہ نظر ڈالے تو تُو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اُس مخصوص قسم کی خلافت کے کٹ کر گرنے سے پہلے کے جو علما گزرے اُس قسم کے علما تمہیں بعد والوں میں بہت ہی کم ملیں گے (یعنی حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، جناب ابو ہریرہ اور سینکڑوں اُن کے سائز کے صحابہ سب نئی پود تھے۔ کیا حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، معاویہ، سعد وقاص وغیرہ یہ سب بعد کی پیدوار تھے؟) اور خلافت فاروقی کے بعد جو صحابہ اور صحابیات باقی رہ گئے تھے۔ اور جنہوں نے بعد میں احادیث بیان کی ہیں اُن کی احادیث میں اور جو حضرت عمر کے زمانہ کے لوگوں نے احادیث بیان کی ہیں اُن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حالانکہ (غلطی سے) یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر صحابی مجسمہ عدل تھا۔ اُن میں سے کسی کے بیان پر شبہ کرنا خلاف ایمان ہے۔ اُن کی بیان کردہ حدیث کی اطاعت واتباع لازم ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ عمر کے بعد جو حادثات ہوئے اُنہوں نے اُلجھاڑ ڈال دیا۔''

یہ ہے وہ روئیداد جو صحابہؓ کے گلے میں سے طوق وزنجیر نکل جانے کے بعد پیش آئی تھی۔ اور وہ سب انتظامات اپنی داخلی خرابیوں سے تباہ ہو گئے تھے جو حضرت عمر نے اسلامی فطرت کے خلاف جبر و استبداد سے قائم کئے تھے۔ ممالک مفتوحہ سے آنے والی دولت، تنخواہ اور وظائف پانے والی ہر وقت تیار فوج (Standing Army) پولیس، سی آئی ڈی، محکمہ جات گلی گلی، گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ مساجد کا سرکاری اسٹاف، مفتی اور قاضی اور عدالتوں کا عملہ، مخبروں اور جاسوسوں کا پوری مملکت میں پھیلایا ہوا جال؛ خود مدینہ میں گلیوں کے چکر لگانا، بلند آوازی اور اشعار تک پر پابندی کا قاہرانہ انتظام ہر فرد کو خوفزدہ کئے ہوئے تھا۔ یہ وجہ تھی کہ بقول شاہ ولی اللہ کسی کو مجال دم زدن نہ تھی۔ اس طرح مسلسل بارہ سال گزر گئے تھے۔ اور ابھی اس جابرانہ انتظام کو مزید تیرہ سال اور چلنا تھا۔ واقعی بقول شاہ صاحب یہی زمانہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام احادیث وتفاسیر ایک دفعہ مکہ مدینہ اور گردونواح میں پھیل گئیں اور پھر روکنے کے باوجود نہ رک سکیں اور حضرت امیر معاویہ کو حکمیہ ایسی روایات تیار کرانا پڑیں جو صحیح احادیث سے ٹکر لے سکیں۔

(7) فاروقی شریعت نافذ کرنے پر علامہ شبلی کے جستہ جستہ ریمارکس

اب ہم علامہ شبلی کی طرح خود اُن کے جستہ جستہ بیانات کے جستہ جستہ فقرے اور برجستہ سدھرے ہوئے جملے قارئین کے سامنے رکھیں گے تاکہ فاروقی کنٹرول اور گرفت کی شان اور رعایا کی بے کسی و بے بسی بڑھ کر سامنے آئیں۔اور الفاروق سے یہ آخری عنوان مکمل ہو جائے۔سُنئے،سوچیئے اور آگے بڑھیئے۔

(i) علمی صیغہ پر قابو: ''علمی صیغہ پر بھی حضرت عمر نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیئے۔ ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کیئے اور بیت المال سے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63)

(ii) مساجد اور اسٹاف: ''حضرت عمر کے عہد میں چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔'' (ایضاً صفحہ 64) اس میں دیہات و بیرونجات اور امداد باہمی والی مساجد شامل نہیں۔

(iii) سرکاری خدمات پر عطیات: علامہ شبلی لکھتے ہیں: ''سب سے مشکل اور پُر پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہلِ عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔اُن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی۔مثلاً 1: بہادری کے لحاظ سے۔ 2: شرافت کے لحاظ سے۔3: پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے۔4: قابلیت کے لحاظ سے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 66)

نوٹ فرمائیں کہ رعایا کے افراد کو دولت کی قوت سے معاشی ضروریات کے لئے دست نگر بنا کر، مزید مالی سہولتیں حاصل کرنے کی دوڑ میں لگا دیا گیا تھا۔اور یوں ہمہ گیر تعاون اور خدمات حاصل کرنا ممکن ہو گیا تھا۔

(iv) خاص منصوبوں کیلئے مفت راشن: ''بصرہ کے تمام باشندوں کے لئے ہر شخص کیلئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیئے۔'' (ایضاً صفحہ 67)

(v) جوانی کی پوری توجہ اور طاقت حاصل کرنے کے لئے ''بڑھاپے یا حادثات کی بنا پر بلاتفریق بیت المال سے وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 72)

(vi) ''مسلمانوں میں درجہ بندی قائم کر کے کم و بیش تنخواہیں مقرر کیں۔'' (ایضاً صفحہ 84)

(vii) ''تمام فوجی خاندانوں کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ جو لاکھوں کی تعداد سے زیادہ تھے۔'' (ایضاً صفحہ 91)

(viii) ''رعایا کے ہر مسلمان کو 25 سیر گیہوں ماہوار اور سرکہ ملتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 92)

(ix) ''تمام غربا اور غلاموں کی معقول تنخواہیں مقرر تھیں۔'' (صفحہ 92)

(x) ''قدید اور عسفان کے قبائل کو اُن کے روزینے حضرت عمر اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا کرتے تھے۔'' (صفحہ 93)

(xi) سرکشی ناممکن بنادی گئی تھی: فرماتے ہیں کہ: ''اُس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جومشہور مدبّر اور صاحب ادعا (یعنی عربوں پر حکومت کے دعویدار) تھے۔1: امیر معاویہ 2: عمرو بن العاص 3: مغیرہ بن شعبہ۔ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کیلئے اُن لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اسلئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے۔ اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ (معاویہ، عمرو عاص و مغیرہ) قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ حضرت عمر کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان (معاویہ، عمرو عاص و مغیرہ) کو دبا سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمان و حضرت علیؑ کے زمانوں میں جو ہنگامے برپا ہوئے وہ سب اُن (معاویہ، عمرو عاص و مغیرہ) ہی لوگوں کی بدولت تھے۔'' (ایضاً صفحہ 87-86)

قارئین یہ تینوں نام نوٹ کرلیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو حضرت عمر کے نقش قدم پر ایک زبردست قومی حکومت قائم کریں گے۔ اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا نام اہل سنت والجماعت رکھیں گے۔ اور حضرت عمر کی حکومت کے قوانین یعنی فاروقی شریعت کو کتابی شکل دیں گے۔ تاریخ وحدیث سازی کی مہم شروع کریں گے۔ اور اسلام کا قومی اور مملکتی معیار پر ایک نیا ڈھانچہ اور ریکارڈ تیار کریں گے جو رفتہ رفتہ ہم تک اسلام کے نام پر پہنچے گا۔ اب آگے بڑھئے اور حضرت عمر کی پالیسی کی داد دیجئے۔

(xii) دولت سے دعویداران حکومت کا منہ بند کیا عہدوں سے اُن کے ہاتھ باندھے

''حضرت عمر کے زمانہ میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ نہایت گراں تھا تاہم تنخواہیں ہر کسی کے مرتبہ کے مطابق عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہیں پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھیں اور غنیمت (لوٹ کے مال) کی تقسیم سے جو کچھ ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ایک ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپیہ ماہوار تھی۔'' (ایضاً صفحہ 16)

قارئین 1976 عیسوی کی مہنگائی اور اپنے گورنروں کی تنخواہ کو سامنے رکھ کر پھر پلٹ کر حضرت عمر پر اور اُن کے گورنروں پر نظر ڈالیں اور سوچیں کہ اگر کوئی ایسا شخص خلیفہ بن جائے جو کسی کو عوام سے زیادہ تنخواہ نہ دے تو اس کے لئے عرب کی ایسی حکومت پر حکومت کرنا ممکن ہو سکے گا؟ اور اگر جنگ ہو جائے تو ایسی مالدار، مستغنی، لوٹ مار کو حلال سمجھنے والی اور ہمہ قسمی اسلحہ سے تیار فوج سے ایسی فوج کو لڑا سکے گا جو اپنا راشن اور تیر و تلوار گھر سے لے کر آئے اور ایک پیسہ تنخواہ نہ پائے؟

(xiii) مقدس ترین لوگوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا: فرماتے ہیں کہ ''تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی (تقدس) کا خیال رکھا سب سے زیادہ تنخواہیں (بلامحنت گروہ میں سے) جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔۔۔ رسولؐ اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور ازواجِ رسوؐل کی تنخواہوں کی مقدار سب سے بڑی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 140)

ذرا سوچیئے کہ ازواج رسوؐل کو ذرا سے مطالبہ پر اللہ نے طلاق دے کر الگ کر دینے کی دھمکی دی تھی اور اُن پر دنیا طلبی کا جرم عائد کر

دیا تھا (احزاب 29-33/28)۔ مگر آخر حضرت عمر نے ازواج رسولؐ کی تمنا ہی پوری نہیں کی بلکہ انہیں دنیا کی سب سے خوشحال و فارغ البال وصاحب مال و دولت بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام زندگی حضرت عمر کی تائید وحمایت میں مصروف رہیں۔ هَلْ جَزَاء الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان۔ (رحمٰن 55/60)

(xiv) غیر مسلم حکومتوں کی نقل واتباع: ''حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ (قرآن وحدیث کو کافی نہ سمجھ کر) قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور اُن میں سے جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُن کو اختیار کر لیتے تھے۔ خراج، عشور، دفاتر، رسد، کاغذات، حساب ان تمام انتظامات میں حضرت عمر نے ایران وشام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 88)

ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ حضرت عمر یہود ونصاریٰ اور قدیم اقوام کے قوانین واجتہاد پر مکمل واقفیت رکھتے تھے اور اپنی اسی بصیرت کی بنا پر رسولؐ اللہ کے احکام وقواعد میں تنگ دامنی محسوس کرتے اور اصلاح دیتے تھے۔ اور حضرت عمر نے یہ علم وبصیرت رسولؐ اللہ کا کاروبارِ رسالت شروع ہونے سے پہلے ہی حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ شبلی صاحب نے مروج الذہب کے حوالہ سے لکھا ہے:

''عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانہ میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور اُن سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 15)

(xv) بڑے بڑے قدیم وجدید صحابہ کی تنخواہیں: تمام نظر بند اور آزاد صحابہ میں مساوات ختم کر کے طبقاتی احساس کو فروغ دیا اور سرمایہ داری کی از سرنو سرپرستی فرمائی، سُنئے:۔

''حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

(الف) جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے 5 ہزار درہم فی کس۔

(ب) مہاجرین حبشہ اور جنگ احد میں شریک ہونے والے 4 ہزار درہم فی کس۔

(ج) فتح مکہ سے پہلے پہلے ہجرت کرنے والے 3 ہزار درہم فی کس۔

(د) جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے 2 ہزار درہم فی کس۔

(ہ) جو لوگ جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک میں شریک ہوئے 2 ہزار درہم فی کس۔

(و) اہل یمن 400 درہم فی کس۔

(ز) قادسیہ اور یرموک کے بعد والے مجاہدین تین سو (300) درہم فی کس۔

(ح) (عوام) بلا امتیاز مراتب 200 درہم فی کس۔

(ط) تمام رجسٹرڈ لوگوں کی تنخواہوں کے ساتھ ساتھ انکی بیویوں اور بچوں کو بھی تنخواہ دی جاتی تھی چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ 200 سے 400 درہم تک تھی اور اہل بدر کے لڑکوں کی 2000 درہم فی بچہ مقرر ہوئی۔

(ی) اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جن لوگوں کی تنخواہ مقرر ہوئی اُن کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 43)

قارئین یہ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنی رعایا کے عوام سے لے کر خواص تک کو حتّٰی کہ صحابہ اور ازواجِ رسوؐل کو بھی اپنی داد و دہش سے مرہونِ منت بنا لیا تھا۔ مگر یہ بھی دیکھئے کہ یہ تمام تنخواہ دار لوگ اپنی تنخواہیں حاصل کرتے رہنے کی بنا پر حکومت کی آمدنی پر اعتراض نہ کر سکتے تھے۔ بلکہ دولت جمع کرنے کا جو طریقہ بھی حکومت نافذ کرے یہ سب لوگ آمنّا وصدّقنا کہہ کر تائید ہی تائید کریں گے۔ ورنہ تنخواہوں کی ادائیگی متاثر ہو جائے گی اور یہ کوئی نہیں چاہتا کہ کسی بھی وجہ سے اس کی آمدنی یا روزی بند ہو جائے۔ یہ تھی وہ دولت کی مار جس نے حضرت عمر کی شریعت سازی اور حکومت کے استحکام میں مدد کی۔ اور ان بے تحاشا اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بیرونی ممالک سے جنگ وجدل لازم ہو گیا تا کہ لُوٹ کا مال یعنی مال غنیمت وغیرہ ملتا رہے۔ اور رعایا کے سامنے ہر وہ شخص مجرم وتخریب کار قرار پا جائے جو کسی بھی حیثیت سے نظامِ فاروقی کی مخالفت کرے۔ یعنی حضرت عمر کے مذکورہ بالا انتظام نے اُن کو یہ مقام عطا کر دیا تھا کہ اب حضرت عمر کے مقابلہ میں اُن کی رعایا قرآن کی آیات اور رسوؐل کی احادیث بھی سننے اور ماننے کو تیار نہ ہو سکتی تھی۔ یعنی اس کا امکان ہی قلوب واذہان سے ختم کر دیا گیا تھا کہ حضرت عمر قرآن و حدیث کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں؟ یہ صورت حال تھی جس میں اللہ ورسوؐل کا قائم کردہ اسلام بدل گیا۔

9۔ اللہ ورسوؐل کا قائم کردہ اسلام اور قرآنی احکام سرتاپا بدل گیا، قومی مسلک اسلام بن گیا

اب ہم از سرِ نو دکھائیں گے کہ حضرت عمر کی بصیرت نے اسلام کو جس انداز میں پیش کیا، اُسے کامیاب بنانے کیلئے ضروری تھا کہ تصورِ اسلامی کو بدل کر حقیقی اسلام میں ترمیم وتنسیخ کی جائے۔ آیات واحادیث کا مفہوم تبدیل کیا جائے اور رعایا کو غیر مسلم حکومتوں کی سطح پر لایا جائے۔ پھر موڈرن تصورات وضروریات پیدا کر کے پبلک کو باور کرایا جائے کہ دیکھو تمہاری ضروریات تمہارے سامنے ہیں۔ اور دیکھو ان تمام ضروریات کا ودیگر عمرانی حالات سے مقابلہ کا حل نہ تو قرآن میں ہے نہ رسوؐل اللہ نے بتایا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ میں اپنے اجتہاد و بصیرت اور تجربہ سے قرآن کریم کی لفظی چار دیواری سے باہر نکلوں اور تقاضائے زمانہ وضروریات انسانی کو ملحوظ رکھ کر قرآن کی معنوی وسعتوں سے کام لوں اور رجعت پسند ولکیر کے فقیر مقدس لوگوں کی

ملامت ومخالفت کی پرواہ کئے بغیر وہ نتائج برآمد کر دکھاؤں جو باوجود لفظی محدودیت کے رسولؐ اللہ کو بھی پسند آتے تھے۔اور فرضی خطرات کے امکانات بادی النظر میں فساد فی الارض اور نسلوں کی ہلاکت اور فصلوں کی تباہی دکھائی دیتے تھے (سورہ بقرہ 2/204-205)۔لہٰذا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ اللہ نے میرے ہاتھوں تمہاری کایا پلٹ دی ہے۔تمہیں اقوام عالم کی اگلی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔مہذب ومتمدن ترین اقوام نے تمہارا لوہا مان لیا ہے، سر تسلیم خم کر دیا ہے۔اب تمہارا فرض یہ ہے کہ قرآن و تعلیماتِ اسلام کو اُنکی مفید ترین شکل میں اختیار کرو۔قرآن واحادیث کے الفاظ ومتشابہات میں الجھ کر رہ جانے کے بجائے میری تعبیرات وتعلیمات واحکامات کی تقلید وتعمیل کرتے اور فیوضِ خداوندی سے مالا مال ہوتے چلے جاؤ۔دیکھو میں مکہ اور مدینہ کے تمام صحابہ وصحابیات کی بھی پوری بصیرت کو استعمال کر رہا ہوں۔وہ تمام لوگ میرے ساتھ ہیں جنکے علم وبصیرت ،تقویٰ وطہارت اور قانونی مہارت پر آنخضرتؐ نے مہر تصدیق ثبت کی تھی۔قرآن ہمارے پاس ہے، رسولؐ کے اعمال واقوال وسنت ہمیں معلوم ہیں، رسوؐل کی تعلیم صحابہ کی صورت میں بولتی چالتی موجود ہے۔بتایئے اور کس چیز کی کمی ہے؟ اب رسولؐ اللہ واپس نہیں آسکتے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم خلوصِ قلب ،صفائے باطن اور ہمدردیِ نوعِ انسان کو ملحوظ رکھ کر اپنی اجتماعی بصیرت کو استعمال کریں۔غلطی اور غلطیوں کے امکان کو ہرگز نہ جھٹلائیں اور مل جُل کر اُن سے بچنے کی کوشش کریں۔اسکے بعد بھی غلطی ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگتے رہیں۔غلطی کا علم ہو جانے کے بعد اس پر ندامت اور اُسکے تدارک میں تکلف نہ کریں۔یہ ہے نظام اجتہاد جو ختم نبوّت کے بعد قیامت تک اسلامی راہنمائی کا ذمہ دار ہے۔سنو اور کبھی نہ بھولو کہ اس نظام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے لوگوں سے نئی نبوت کے دعوے کرائے گئے۔نماز وزکاۃ میں تفریق کے لئے سروں پر کفن باندھ کر لوگ مسلح تصادم کے لئے میدان کارزار میں کود پڑے۔اسلامی نظام کو خاندانی جاگیر بنانے کی کوششیں ہو چکیں۔لیکن خدا نے اپنے دین اور رسوؐل کی امت کو ہر محاذ پر غالب کیا۔لیکن اب تمہیں خوابِ غفلت نہ گھیرلے تم ہر لمحہ خطرات کو سامنے سمجھو۔تمہاری موجودہ حالت ساری دنیا کے لئے باعثِ رشک وحسد ہے۔وہ اقوام جنہیں تم نے سردھڑ کی بازی لگا کر سرنگوں کیا ہے اُن کی عقل وتدبر سے کبھی لاپرواہ اور غافل نہ ہو جانا۔سنو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی شہادت کے مطابق ہمارے تمہارے ہی ایسے بشر تھے۔مگر وحی کی بنا پر اخلاقِ حمیدہ اور نمونۂ عمل تھے،اُن ہی کا نمونہ ہم نے اختیار کیا ہے۔وہ ہمیشہ وحی کے سامنے سر جھکا دیتے تھے،کبھی اپنی اجتہادی غلطی پر مُصر نہ ہوتے تھے۔فوراً اعلان واصلاح کے لئے تیار رہتے تھے۔دیکھو اگر کسی طرف سے ایسے تصورات پیش کئے جائیں کہ آنخضرتؐ فرشتہ تھے یا فرشتوں کی طرح اُن سے بھول چوک اور خطا ناممکن تھی یا یہ کہ وہ مافوق الفطرت انسان تھے تو ایسے تصورات پھیلانے والوں پر نظر رکھنا۔اور پتہ لگ جانے کے بعد ایسے لوگوں کو دشمن خدا ورسولؐ اور دشمن اسلام سمجھنا اور اُنکی اصلاح اور اُنکے تمام شبہات سے اہل علم کو مطلع رکھنا۔اس قسم کی تحریک کو یہود ونصاریٰ اور عجمیوں کی تحریک سمجھ کر کچل ڈالنا تم سب

کا اسلامی وانسانی فریضہ ہے۔ایسے لوگوں کے احباب ومتعلقین کا بھی اعتبار نہ کرنا۔اور سنو جو دستورِ اسلامی اس وقت پیش کیا جا رہا ہے۔اِس میں بھی ایسی تحریک کا خیال رکھا گیا ہے اور وہ مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں کہ جن لوگوں کے قلب وذہن میں مخالفت کی کوئی چنگاری دبی رہ گئی ہو تو وہ اُن مواقع کو سامنے دیکھ کر دھواں دینے لگے۔مرکزی مسائل بیان کرنیوالے علما لوگوں کے چہروں اور لب ودہن پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ ہمارے احکامات سننے والوں میں سے کسی کے ناک کان اور منہ سے وہ دھواں تو نہیں نکلتا،کوئی ہونٹ تو نہیں پھڑکتا،کوئی چہرہ تو نہیں بدلتا،کوئی ابرو تو نہیں تنتا؟ سنو قرآن وہی قرآن ہے،رسولؐ وہی رسولؐ ہے۔میرے احکام سے نہ قرآن کی خلاف ورزی ہوگی نہ رسوؐل کا حقیقی دین بدلے گا۔اِسکے باوجود دشمن اسلام ذہنیت کی شناخت یہ ہوگی کہ وہ ہمارے احکام شریعت میں زمین وآسمان کا فرق محسوس کریں گے۔اور یوں ہم اُنہیں تمہارے سامنے لا کھڑا کریں گے۔تم اُنکے اختلاف اور اُن کے پیش کردہ دلائل کو مسکرا کر نظر انداز کر دینا مگر اُنکے اعمال واقدامات پر ضرور نظر رکھنا۔ایسے لوگوں کا قتل واجب ہے۔مگر اس قسم کے لوگوں میں کچھ سیدھے سادے بھولے مومنین بھی ممکن ہیں جو دشمن کے تقدس یا علمی دبدبہ کی بنا پر مغالطے میں مبتلا ہو سکتے ہیں اسلئے تلوار کو روک کر رکھنا۔سمجھانا،اصلاح کرنا،قومی اپیل کرنا،جب یقین ہو جائے کہ اب صرف خالص دشمن جماعت سامنے ہے تو اُنکے ساتھ وہی سلوک کرنا جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ہم نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ کیا تھا۔قتل وغارت،لوٹ مار،بھوک پیاس اور آگ میں جلا ڈالنا سب جائز ہوگا۔اُن پر رحم کرنا اللہ ورسولؐ پر ظلم کرنا ہوگا۔اُن سے ہمدردی اور اُن کی طرفداری بھی برابر کا جرم ہوگی۔اُن سب کا ستیاناس کر ڈالنا۔سنو آج بھی اور مستقبل میں بھی اسلام سے ہمدردی اس بات پر منحصر ہے کہ تم مرکزی شریعت کے خلاف کبھی کسی کی بات تسلیم نہ کرو۔خواہ مخالف کوئی حدیث پڑھے یا آیت تلاوت کر کے سُنائے۔ایسے اشخاص سے کہہ دو کہ قرآن کو سب سے زیادہ اور سب سے بہتر سمجھنے کی آخر سند اسے ملی تھی جس نے پوری اُمت کو گمراہی سے بچا لینے کے لئے قرآن کے کافی ہونے کا اعلان کیا تھا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین دلایا تھا کہ حضوؐر آپ کب تک تحریریں لکھ لکھ کر دیتے رہ سکتے ہیں؟ آخر ہمیں آپ نے ہدایت کرنے میں کوئی کمی کی ہے؟ آپ جو لکھنا چاہتے ہیں وہ بھی بار بار اور طرح طرح سے بتا چکے ہیں۔میں اپنی بصیرت سے آپ کی اس آخری تمنا کو پورا کروں گا۔

قارئین کرام یہ تھی وہ تعلیم اور ہدایت جس پر آج تک عمل ہے۔اور قرآن وہی قرآن ہے اور رسوؐل بھی وہی رسوؐل ہے لیکن دونوں کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔اور حضرت عمر کے سامنے کوئی اِن دونوں کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتا۔نظام فاروقی کا کمال یہ ہے کہ خود ہمارے مذہب میں نظام اجتہاد ایک ہزار سال سے ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔اور شیعہ مجتہدین میں سوائے چند بزرگوں کے کثرت مِنّ وعَنّ فاروقی نظام کے اصول فقہ یعنی شریعت سازی کے فاروقی اصول اختیار کئے ہوئے شریعت سازی کرتے چلے آرہے ہیں۔اور کمال بالائے کمال یہ ہے کہ مسلک فاروقی کی چاروں شاخوں نے تو مزید اجتہاد کا دروازہ بند کئے ہوئے

ایک ہزار سال گزار دیئے۔ مگر ہمارے یہاں یہ دروازہ اسطرح چوپٹ اور مقدس بنا کر کھولا ہے کہ قیامت تک باب مدینۃ العلم بن کر محمدؐ وآل محمدؐ کی راہ روک کر بیٹھ گئے ہیں۔تمام قدیم ریکارڈ کو رفتہ رفتہ تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔قرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔اُنکے بیان کردہ مسائل میں آیت یا حدیث کا کہیں تذکرہ نہ ملیگا۔معصومؑ پیشگوئی کے مطابق یَجُوْزُ وَلَا یَجُوْزُ (یہ جائز ہے وہ ناجائز ہے) کے بعد اگر کچھ اور ملتا ہے تو وہ ''احوط یہ ہے''،''اس میں اشکال ہے''، ''یہ محل نظر ہے''اور''یہ متفق علیہ ہے''اور آخر میں''واللہ اعلم بالصواب''(صحیح بات اللہ ہی جانتا ہے)۔یہی حضرات ہیں جنھوں نے اپنے اجتہاد سے تمام شرعی مسائل کو بدل بدل کر ایک الگ مجتہدانہ شریعت تیار کی ہے۔انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ کتاب الخلاف اور المختلف میں دیکھا جا سکتا ہے۔یہی لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کو پاژند بنا دیا ہے۔مخالف محاذ کے تمام اعتراضات کو اپنی کتابوں میں جگہ دیکر مذہب شیعہ کو دشمنوں کا نشانہ بنائے رکھا ہے۔اور حقیقتاً ہم یہ کتاب اُن ہی کی آنکھیں کھولنے کیلئے لکھ رہے ہیں تاکہ اُنکو اور شیعہ وسُنی عوام کو حقیقتِ حال پر اطلاع ہو اور شاید وہ امام شافعیؒ کی طرح قرآن اور رسولؐ کی طرف پلٹ سکیں۔علامہ شبلی سے پھر سنئے:

''حضرت عمر نے زمانہ اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے نئے (شرعی) قوانین وضع کئے جو آج حنفی فقہ (شریعت) میں بکثرت موجود ہیں۔برخلاف اِسکے امام شافعیؒ کو یہاں تک کدّ ہے کہ ترتیب فوج،تعین شعار اور تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال (یعنی احادیث) کو تشریعی (اور غیر متبدل) قرار دیتے ہیں۔اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت کہتے ہیں کہ''رسولؐ اللہ کے سامنے کسی کے قول وفعل کی کچھ اصل (وحقیقت) نہیں ہے۔''(الفاروق حصہ دوم صفحہ 113)

یعنی امام شافعی علیہ الرحمہ اہلسنت کے یا فاروقی مسلک کے چار مسلمہ اماموں میں سے ایک زبردست امام ہوتے ہوئے بھی حضرت عمر کی ذاتی بصیرت اور اجتہاد کو ذرہ برابر کوئی مقام نہیں دیتے۔اور قرآن کریم اور حدیث رسولؐ کے خلاف حضرت عمر یا کسی اور حضرت کی تمام باتوں کو رد کرتے ہیں۔میرا بھی اور میرے تجربہ میں تمام شیعہ سُنی عوام کا بھی یہی مسلک ہے کہ ہم بھی قرآن اور حضورؐ کی حدیث کے مقابلہ میں کسی کی کوئی بات تسلیم نہیں کرتے۔فرق یہ ہے کہ میں احادیث قبول کرنے میں پہلا نمبر آئمہ اہلبیت علیہم السلام کو دیتا ہوں۔اور اُن کی تائید کرنے والی ہر اُس روایت کو بھی قبول کرتا ہوں جو اہلسنت ریکارڈ سے ملے۔اور یہ کہ میں اسلام میں نظام اجتہاد کو حرام سمجھتا ہوں۔اور اُس کے نقصانات ومضرات بیان کرتے رہنا میرا منصب وذمہ داری ہے۔
اور بالکل یہی کام جناب امام شافعی نے زندگی بھر کیا تھا۔علامہ شبلی کے الفاروق سے سنئے:

''خراج کی تشخیص،جزیہ کی تعین،ام ولد کی خرید وفروخت وغیرہ کے مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریقِ عمل مختلف

ہے۔بڑی دلیری سے اُن پر قدح (توہین آمیز تردید) کی ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 98)

اور یہی کچھ ہم نے اس کتاب میں کیا ہے۔اور اب اگلے عنوان میں ذرا کھل کر وضاحت اور تقابل ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کون کون لوگ قرآن اور رسولؐ اللہ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں؟ اور کون کون حضرت عمر کو اپنا راہنما بنا کر قرآن و رسولؐ کو ترک کرتے ہیں؟

(1) علامہ شبلی نے حضرت عمر کو مستقلاً قرآن اور رسولؐ کا مخالف ثابت کر دیا ہے

آپ پڑھ چکے ہیں کہ علامہ شبلی نے بتایا تھا کہ:

''کتب سیئر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اُسکے خلاف رائے ظاہر کی۔'' (ایضا حصہ دوم صفحہ 112)

قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ اگر واقعی شبلی نے سچ کہا ہے؟ تو قرآن کریم کی رُو سے حضرت عمر نے قولاً وفعلاً اور عمداً قرآن کریم کی مکمل تعلیم کی تکذیب کی ہے اور سینکڑوں واضح آیات کو منسوخ یا اُنکے مطالب کو تبدیل کیا ہے۔اگر ہم اُن تمام آیات کو یہاں لکھیں تو ایک مستقل کتاب ہی درکار نہ ہوگی بلکہ بحث علم الکلام میں تبدیل ہوجائیگی۔لہٰذا ہم صرف اتنا دکھا کر آگے بڑھ جائینگے کہ:۔

1: کسی مسلمان کو اللہ نے کسی حالت میں یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ آنحضرتؐ سے ذرہ برابر اختلاف کرے۔2: یا نافرمانی کرے۔3: یا اُنکی کسی بات کو وحیٔ خداوندی کے خلاف سمجھے۔4: یا اُنکے رُوبرو کسی حیثیت سے آواز بلند کرے،یعنی نہ اطاعت کی صورت میں ناگوار گزرنے والی آواز نکالے نہ سرکشی دکھانے کیلئے بلند آوازی کرے۔5: حتّٰی کہ کسی بات پر اپنے قلب و ذہن میں بھی ناگواری محسوس نہ کرے۔6: یا رسولؐ کی کسی بات کو کسی حالت میں رسولؐ کی ذاتی خواہش یا بشری جذبات یا عارضی مصلحت کے ماتحت سمجھے۔7: یا رسولؐ اللہ کے کسی فیصلے یا حکم کو قابلِ ترمیم و تنسیخ سمجھ کر اس میں اپنی رائے یا کثرت کی رائے سے دخل اندازی کرے۔

اِن ساتوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت کے جواب پر قرآن میں ایک آیت بھی موجود نہیں ہے۔اس کے برعکس ان ساتوں حالتوں کی خلاف ورزی پر قرآن کریم نے انسان کو ایمان و اسلام سے خارج کیا ہے۔ایسے لوگوں پر جہنم واجب کیا ہے۔ایسے لوگوں سے دوستی،سادہ تعلق اور تعاون کرنے والوں کو بھی زمرہ اسلام سے خارج کیا ہے۔اور تمام جہلا و علما جانتے اور مانتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اُس پر سینکڑوں آیات بلفظہٖ قرآن میں موجود ہیں اور معنوی حیثیت سے پورا قرآن اسی حقیقت کو ثابت کرتا ہے۔اِس لئے ہم اُن سینکڑوں آیات کی فہرست کو بنظر اختصار عدالت انصاف کے لئے محفوظ رکھتے ہیں جن کی تکذیب و تنسیخ کی گئی ہے۔اور حضرت عمر کی آزادروِی نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو اللہ و رسولؐ یا قرآن و حدیث کے خلاف منہ کھولنے کا

سبق دیا ہے۔ لہٰذا اس خودساختہ تصور کے خلاف چند قرآنی اصول پیش کر کے فیصلہ قارئین کے سپرد کرتے ہیں۔

(الف) حضورؐ کی کوئی بات ذاتی تصور کی ترجمان نہ ہوتی تھی بلکہ ترجمانِ وحی تھی

قارئین یہ دیکھیں کہ اللہ نے کیا فرمایا؟ اور بزرگانِ اہلِ سنت کیا سمجھے؟ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰىo (سورہ نجم 53/3-4)

''اور وہؐ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیںؐ کی جاتی ہے۔''

اس ترجمہ کے بعد حضرت شاہ محمد احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اور دیگر مفسروں کی تشریح یوں پیش کی ہے:۔

''4؎ یہ (53/4) جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن ومتصور ہی نہیں۔ کیونکہ آپؐ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں جو فرماتے ہیں وحیٔ الٰہی ہوتی ہے۔ اور اس میں حضورؐ کے خلق عظیم اور آپ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے۔ نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کردے (تفسیر کبیر)۔ اور اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں فنا کے اُس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا۔ تجلیٔ ربانی کا یہ اِستیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔'' (شاہ صاحب کا مترجم قرآن)

قرآن کے اس فرمان کو تبدیل کر کے حضرت عمر نے مسلمانوں میں یہ عقیدہ قائم کیا کہ آنحضرتؐ کی بعض باتیں اور فرمان وفیصلے ذاتی اجتہاد سے ہوتے تھے اور اکثر غلط ہوتے تھے۔ (الفاروق شبلی) اِنّاللّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

(ب) آنحضرتؐ اپنی ذاتی رائے یا قیاس سے کوئی بات یا کام نہ کرسکتے تھے

حضرت عمر نے اپنا مسلک ومذہب کہاں سے اختیار کیا تھا؟ یہ آپ سوچتے رہیں۔ بہرحال قرآن کریم سے اس مسلک کی نفی ہوچکی ہے۔ اب اہل سنت ریکارڈ میں جو کتاب قرآن کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے اور دوسری صدی سے مسلمانوں کے درمیان موجود ہے۔ وہ بھی یہی کہتی چلی آرہی ہے کہ:

قال ابو عبداللّٰہِ اتّھموا ارائکم؛ یقول مَالَمْ یَکُنْ فِیْہِ کِتَابٌ وَّلَا سُنَّةٌ۔ وَلَایَنْبَغِی لَہٗ اَنْ یُفتی۔ مَاکَانَ النَّبِیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُسأل مما لم یُنَزل علیہ الوحی فیقولُ لا ادری وَلَمْ یُجِبْ حَتّٰی یُنْزَل علیہ الوحی وَلَمْ یَقُلْ بِرایٍ وَّلَا بِقیاس لِقَوْلِہٖ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہ وقال ابن مسعود سئل النبیؐ عن الروح فسکت حَتّٰی نزلت۔ (کتاب الاعتصام پارہ نمبر 29 صفحہ 1087 جلد دوم چھاپ کراچی۔ نور محمد)

''ابوعبداللہ نے کہا کہ اپنی رائے کو قابل تہمت یعنی ناقابل اعتبار سمجھو اور وہ کہتے تھے کہ رائے سے کوئی فیصلہ کرنے پر نہ قرآن

میں اجازت ہے نہ حدیث اور رسولؐ کے عمل میں اس کو جائز رکھا گیا ہے۔اور یہ کہ اُنہیں رائے سے فتویٰ نہیں دینا چاہیئے ۔کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جس معاملہ میں رسوؐل اللہ پر پہلے سے وحی نہ آچکی ہو اور اُن سے اُس معاملہ میں سوال کیا گیا ہو۔اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ میں نہیں جانتا یا خاموش نہ ہو گئے ہوں۔ یہاں تک کہ اُن پر وحی اُترتی ۔چنانچہ کبھی آنحضرؐت نے اپنی ذاتی رائے یا اپنے قیاس سے ہرگز بات نہیں کی ۔اس لئے کہ اللہ کے قول (**اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ** ...... **الخ** نساء4/105 ’’کہ یقیناً ہم نے تمہاری طرف حقائق والی کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی حقیقت نمائی سے فیصلہ کیا کرو۔‘‘) کا لحاظ واجب تھا۔‘‘

قارئین یہاں یہ بات مکمل اور ختم ہو جانا چاہیئے کہ آنحضرؐت کی کسی بات کو بھی اُن کی ذاتی یا غلط بات قرار دینا قرآن کریم اور بخاری شریف کے خلاف ہے۔اور؛

(ج) حضرت عمر تصدیق کرتے ہیں کہ رسوؐل کی ہر بات وفیصلہ اللہ کی طرف سے اور حضرت عمر کا فیصلہ ذاتی رائے سے

سابقہ عنوانات میں بھی حضرت عمر بلا تکلف اپنے فیصلوں کو اپنی ذاتی رائے قرار دیتے ہوئے دکھائے جا چکے ہیں ۔یہاں بھی مندرجہ بالا آیت (نساء4/105) کی ذیل میں جناب مفتی مولانا محمد احمد رضا خان صاحب کا نوٹ ملاحظہ ہو۔

’’289؎ علم یقینی کو قوتِ ظہور کی وجہ سے رُویت (مشاہدہ) سے تعبیر فرمایا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہرگز کوئی نہ کہے کہ ’’جو اللہ نے مجھے دکھایا‘‘ (نساء4/105) اُس پر میں نے فیصلہ کیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ منصب خاص اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔آپ کی رائے ہمیشہ صواب ہوتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقائق وحوادث آپؐ کے پیش نظر کر دیئے ہیں۔اور دوسرے لوگوں کی رائے ظن کا مرتبہ رکھتی ہے۔‘‘ (مترجم قرآن صفحہ 140 حاشیہ 289)

(د) باطل عقائد کی کمر توڑ دی گئی رسوؐل معصومؐ اور تمام کائناتی علوم کا عالم تھا

شاہ صاحب نے اسی صفحہ پر رسوؐل اللہ کو معصوم اور اللہ کے تمام رازوں پر مطلع لکھا ہے (صفحہ 140 حاشیہ 297)۔اور اگلے صفحہ پر یہ عنوان مکمل کر دیا۔دیکھیں: ...... **وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ‌ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا o** (نساء4/113) ’’اور اللہ نے تم پر کتاب300؎ اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے301؎ اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔‘‘

(حاشیوں میں لکھا کہ)1۔300؎ یعنی قرآن کریم‘‘ 2۔301؎ امور دین واحکام شرع وعلوم غیب‘‘ 3 ۔مسئلہ۔اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب وحکمت کے اَسرار وحقائق پر

مطلع کیا۔ یہ مسئلہ قرآن کریم کی بہت آیات اوراحادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔(مترجم قرآن صفحہ 141)

تمام شیعہ اوراہلسنت قارئین دیکھیں کہ ہم ایسے علمائے اہلسنت کوامت کے علما میں شمار کرتے ہیں اوراُن کے لئے دعائے خیرلازم سمجھتے ہیں۔ذرااُن لوگوں پرنظرڈالیں جوشیعہ علما کہلاتے ہیں اورآنحضرتؐ اورآئمہ معصومین علیہم السلام کوعلم غیب کا عالم ماننے والوں کومشرک کہتے ہیں۔پھریہ دیکھیں کہ حضرت عمریہ مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پوری کائنات میں پھیلے ہوئے حقائق اورتمام پیش آنے والے یاگزرچکنے والے حادثات عیاں تھے۔اوراس وسیع مشاہدۂ حق کی بناپر اُن کی رائے میں غلطی کاامکان نہ تھا۔اوراُن کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی رائے ظن وگمان سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔اس اقرار واقبال کے باوجودبھی حضرت عمرنے پوری شریعتِ محمدی کوکیوں تبدیل کیا؟اورکیوں پبلک میں یہ مشہورکیاکہ رسولؐ اللہ کے بعض احکام اوربعض باتیں محض عام بشری جذبات وحالات کے ماتحت ہواکرتی تھیں؟اِن دونوں سوالوں کاجواب اُسی قوم کادباؤ ہے جس کی آپ راہنمائی کرتے چلے آرہے تھے۔اورجس کے حالات پرہم نے قرآن کی چندآیات پیش کردی ہیں۔

(2) اسلام اوراسلامی شریعت کی ترمیم وتنسیخ کی داستان بہت طویل ہے

کتاب کے ابتدائی اوراق میں ہم نے آنحضرتؐ اورحضرت علی علیہ السلام کے بیانات سے دکھایا تھا کہ قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گےاوراسلام کامحض نام ہی نام رہ جائے گا۔قرآن نے بتایاہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی پوری قوم پریہ جرم عائدکیاہے کہ اُس نے کسی اورضابطۂ حیات کواپنا مستقربناکرقرآن کومہجورچھوڑکراُدھرہجرت کرلی ہے۔یعنی اب قرآن کو برائے نام استعمال کیاجائے گا۔اورحقیقی احکام وشریعت اُسی مستقراورمرکز سے ملاکریں گے۔بالکل یہی بات جناب علامہ شبلی کے بیان میں تلاش کیجئے،ارشادہے کہ:

دوسری طوالت:''فقہ(یعنی شریعت)کےجس قدرمسائل حضرت عمرسے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُن کی تعدادکئی ہزارتک پہنچتی ہے۔اُن میں سےتقریباًایک ہزارمسئلےایسے ہیں جوفقہ(شریعت)کےمقدم اوراہم مسائل ہیں۔اوراُن تمام مسائل میں آئمہ اربعہ(ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی اورامام احمدبن حنبل)نے حضرت عمرکی تقلیدکی ہے۔شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:''ہمچنیں مجتہدین دردرس مسائل شریعت تابع مذہب فاروق اعظم اند۔واین قریب یک ہزارمسئلہ باشد۔'' (یعنی اسی طرح شریعت کےمسائل کی تعلیم میں مجتہدین فاروقی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔اوریہ تقریباًایک ہزارمسئلے ہیں)۔''(الفاروق حصہ دوم صفحہ 111-112)

یہ بات واضح ہوگئی کہ حنفیوں،مالکیوں،شافعیوں اورحنبلیوں کے پاس جومذاہب ہیں اُن میں حضرت عمرکی شریعت کےایک ہزار مسئلےتوایسے ہیں جن پرچاروں اماموں کواتفاق ہے۔اورباقی جوہزاروں مسائل حضرت عمرنے جاری کئے تھے۔اُن پرچاروں

امام متفق نہیں ہوئے۔لہٰذا جو مسائل جس کو بہتر معلوم ہوئے اُس نے اختیار کر کے اپنے نام اور سند سے جاری کر دیئے۔مختصراً یہ کہ بقول جناب شبلی اور شاہ ولی اللہ اہلسنت کے ان چاروں مسلّمہ فرقوں کے پاس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ مذہب ہے۔مطلب یہ کہ پورا کا پورا مذہب اسلام فاروقی مذہب میں تبدیل ہو گیا ہے۔پھر جناب امام مالک علیہ الرحمۃ کی کتاب سے ایک اور بات سن لیں کہ تصدیقِ مزید ہو جائے۔ ارشاد ہے کہ:

عَنْ مَالِكِ بنِ عَامِرِ الْاَصْبَحِيّ اَنَّهٗ قَالَ مَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا اَدْرَكْتُ عَلَيْهِ النَّاسِ اِلَّا النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ۔"مالک بن عامر اصبحی جو دادا ہیں امام مالک کے کہتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کے جو طریقے اور اعمال دیکھے تھے۔اُن میں سے اب میں لوگوں کے پاس سوائے نماز میں بلانے کی ندا کے اور کسی چیز کو نہیں پہچانتا ہوں۔"(موطا امام مالک مترجمہ صفحہ 76)

اب ذرا علامہ وحید الزمان مرحوم کے ریمارکس (Remarks) بھی سن لیں تا کہ قارئین کرام کا ایمان اور عزم تازہ ہو جائے۔اور یہ ریمارکس پڑھتے وقت یہ یاد رکھیں کہ مندرجہ بالا روایت کا راوی جناب امام مالک کے دادا رسولؐ اللہ کے صحابی ابو عامر کے بیٹے تھے۔یعنی اُنہوں نے مدینہ کے صحابہ اور عوام کا جو عملدرآمد دیکھا تھا۔وہ اُن کی زندگی ہی میں اس قدر بدل گیا تھا کہ پچھلی چیزیں ڈھونڈے نہ ملتی تھیں۔وحید الزمان صاحب حدیث کی تشریح مکہ شریف میں بیٹھ کر کرتے ہیں کہ:

<u>تیسری طوالت</u>: "ف:۔یعنی سوائے اذان کے (اذان کو ندا نہیں کہا جاتا بلکہ الصلوٰۃ جامعۃ کو ندا کہا جاتا ہے) اور تمام عبادات میں لوگوں نے (عوام کوئی تبدیلی نہیں کیا کرتے) تغیر و تبدل کر لیا ہے اور وہ طریقہ چھوڑ دیا ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تھے (چھڑانے والا زبردست حاکم، مقدس اور مدبّر ہونا چاہیئے)۔سبحان اللہ جب تابعین کے زمانہ (پہلی صدی) میں اس قدر دین میں انقلاب ہوا تھا کہ سوائے اذان کے سب عبادتیں لوگوں نے بدل ڈالی تھیں تو اس زمانہ پُر آشوب (1295ھ) میں اور فتنوں کا کیا کہنا؟ اب بھی جو شخص طالبِ حق ہے۔اور خدا اور رسولؐ خدا کی اطاعت کا شائق ہے اور شریعت کا عاشق ہے اُسکو کچھ مشکل نہیں۔زمانے کے فسادات اور علما کے اختلافات سے قطع نظر کر کے (یعنی اس بگاڑی ہوئی شریعت کو یک سر چھوڑ کے) کتاب اللہ اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کو اپنا دستور العمل بنا دے۔تب اچھے طور سے ایمان اور یقین کی حلاوت پائے۔**ذلك فضل الله يُؤتِيهِ مَن يشآء والله ذو الفضل العظيم**۔افسوس ہے کہ اس زمانۂ آخیر میں اذان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر نہ رہی۔بعض لوگوں نے اذان کے کلمات میں بھی کمی بیشی کی۔کسی نے اوّل و آخر میں اذان کی نئی نئی دعائیں تراش لیں۔کسی نے ترجیم کسی نے تذکیر نکالی۔کسی نے انگلیوں کا چومنا، انگوٹھے آنکھوں سے لگانا ضروری جان کر اذان کے جواب کو جو سنت تھا۔چھوڑ دیا۔کسی نے راگ کی طرح

اذان میں گانا شروع کیا۔ مترجم کہتا ہے کہ بہت سے اکابر علما نے تصریح کر دی اس بات کی کہ مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ کے لوگوں کا قول وفعل کچھ سند نہیں ہے، کیونکہ دونوں مقاموں میں بدعات کا رواج بہت ہوگیا ہے۔ بلکہ سند کتاب اللہ یا سنت رسولؐ اللہ ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے کتاب اللہ اور حدیث نبوی پر عمل کرنے کی توفیق دے اور گمراہی سے بچائے۔'' (مترجمہ موطا کتاب الصلوٰۃ باب الاذان صفحہ 77-76 چھاپ نور محمد کراچی)

تکلف برطرف: قارئین اس طول طویل بیان میں یہ تو مان لیا گیا ہے کہ اللہ ورسولؐ کا پورا مذہب اور طریقہ بدل دیا گیا تھا۔ اور یہ تبدیلی پہلی ہی صدی کے اواخر تک مکمل ہو چکی تھی۔ جس کے بعد چھوٹی موٹی تبدیلیاں برابر ہوتی ہوئی وحید الزمان صاحب کے زمانہ (1295ھ) تک چلی آئی ہیں۔ مگر یہ دین کو بدلنے والے لوگ کون تھے؟ تبدیلی کب شروع ہوئی اور کس نے کی؟ اِن دونوں سوالات کا صحیح جواب اہلسنت مذہب کے مدعی علما سے طلب کرنا بے انصافی ہے۔ بتایئے وہ اپنے قلم سے اپنا جرم اگر لکھتے تو اُدھر رہتے ہی کیوں؟ یہ جواب بہر حال اس بیان میں موجود ہے اور کھل کر تمام قدیم علما اور کتابوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ ورسولؐ کے اسلام کو مکہ اور مدینہ میں تبدیل کیا گیا تھا۔ یعنی اسلامی دستور کو تباہ کرنے والے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں گزرے ہیں۔ (انّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعون)

بتایئے اس سے بڑا ثبوت اور اس سے واضح جواب تو بس یہی ہوسکتا ہے کہ آپ کو اللہ ورسولؐ کے اسلام کو قومی وملکی اسلام بنانے والوں کے نام بتا دیئے جائیں؟ اور آپ نے اس کتاب میں اُن لوگوں کے نام بھی اور اُن کا اقرار واقبال بھی پڑھ لیا ہے اور ہم بہت شکر گزار ہیں جناب شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی اعلیٰ اللہ مقامہ کے کہ جنھوں نے تخریبِ دین کو اجتہاد وتوسیعِ دین کے نام سے ہم تک پہنچا دیا۔ آپ نے علامہ کے بیانات میں جن علما کو حضرت عمر کا پسندیدہ مبلّغ دیکھا تھا اُن میں سے ایک بزرگ ترین عالم کا نام ابوالدرداء ہے۔ جو مصر وعراق وشام وعرب میں حضرت عمر کی طرف سے علم الحدیث وتفسیر وعلم الفقہ یعنی شریعت کے پھیلانے پر مامور رہے۔ اور پوری زندگی مرکزی حکومت کی خدمات میں مصروف رہے۔ اُن کا بیان سن لیں:

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفَصٍ قَالَ حدثنا اَبِی قال حدثنا الْاَ عْمَشُ قال سَمِعْتُ سَالِمًا قَالَ سَمِعْتُ اُمَّ الدَّرْدَآءِ تَقُوْلُ دَخَلَ عَلَیَّ اَبُوالدَّرداَءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ مُحمّدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔ (بخاری کتاب الاذان پ نمبر 3 باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃٍ)

''حضرت ابوالدرداء کی والدہ نے فرمایا کہ ایک روز ابوالدرداء میرے پاس نہایت غصہ کی حالت میں آئے تو میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہوگئی جس سے تم اس قدر غضبناک نظر آرہے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی کوئی چیز بھی تو معروف نہیں رہی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ سب نمازیں پڑھتے ہیں۔''

بتایئے جناب اب آپ کو کس چیز کی ضرورت باقی ہے؟ جو کچھ باقی ہے وہ خود حضرت عمر کے بیانات ہیں۔ جن میں سے کئی ایک گزر چکے اور چند نمونے ابھی ابھی آنے والے ہیں۔ پہلے یہ بات پکی کر دیں کہ جناب ابوالدرداء کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص کسی اور عالم کو اُن سے زیادہ مقرب بارگاہ خلافت قرار دے تو اُسے یہ جملہ سنا کر رخصت کر دیں۔

''لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد میں آتے تھے تو اُنکے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا۔ جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63-62)

یعنی جناب ابو درداء کو حضرت عمر نے اپنے مذہب کی تعلیم دے کر گویا ایک فیکٹری بنا دیا تھا جہاں سے فاروقی شریعت اور اجتہاد پوری مملکت میں سپلائی ہوتا تھا۔

عاجزانہ نصیحت: یہاں اپنی کمزوری کا اعلان یہ کہہ کر کرتا ہوں کہ جب دین اسلام اور قرآن کی ہر چیز بدل گئی تھی تو میرے لئے بہت مشکل ہے کہ میں دو تین سو صفحات کی مختصر کتاب میں حضرت عمر کی ترمیم و تنسیخ کی پوری داستان لکھ سکوں۔ جس طرح ابو درداء اور مالک بن ابی عامر نے اذان اور نماز کا برائے نام موجود ہونا مان کر باقی پورے دین کے بدل جانے کا اعلان کافی سمجھ لیا تھا۔ میں بھی ترمیم و تنسیخ کی اس داستان میں سے اب اذان اور نماز میں تبدیلیاں بیان کرنے پر اکتفا کی کوشش کرنا چاہتا ہوں (الا ماشاءاللہ والامام علیہ السلام) اور اپنے بزرگ جناب وحیدالزمان اعلی اللہ مقامہ کی طرح امت مسلمہ کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو علامہ نے چند صفحات قبل کی تھی، یعنی:

ہمارے شیعہ اور اہلسنت بھائیوں کو پہلے نمبر پر تمام تعصّبات اور تخریب کاروں کی پیدا کردہ نفرت کو شیطان کے حوالے کر دینا چاہئے۔ دونوں فریق کو دنیا و دین کے کاموں میں یعنی نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہئے۔ جو اِن دونوں کاموں سے روکیں یا ناک بھوں چڑھائیں، اُن کو اپنا اور اسلام کا دوست نہیں سمجھنا چاہئے۔ پھر ہر اُس بات کو ایک دوسرے کے یہاں سے اختیار کر لینا چاہیئے جو آپ کے اتحاد اور ترقی میں مدد کرتی ہو۔ ہر اُس تصور یا عمل کو خیرباد کہہ دینا چاہیئے جو تمہاری دینی و دنیاوی راہ میں رکاوٹ بنتا ہو۔ ہر اُس تعلیم اور معلّم سے دستکش ہو جانا چاہیئے جو سرمایہ داری اور طبقہ واریت اور مذہبی جنون کا حامی ہو۔ اس کے بعد مذہب کی ہر اُس تعلیم کو قبول کیجئے جس سے قرآن و رسوؐل کی ہمہ گیری ثابت ہو۔ ہر اُس تعلیم اور معلم کو ٹھکرا دیجئے جو قرآن اور رسولؐ میں کسی قسم کا نقص یا خامی ظاہر کرتے ہوں۔ علما اُن لوگوں کو سمجھئے جو حق حلال کی روزی خود کماتے ہوں اور دوسروں کو عملی خوشحالی کی تعلیم دیتے ہوں۔ اور جو تمہیں لوٹنے، غریب تر کرنے کا کاروبار کرتے ہوں اُن کو سلام کر کے رخصت کر دیں۔ قرآن اور حدیث کو اپنا راہنما بنائیں۔ اس راہنمائی میں ہم نہ ''صحیح بخاری'' کی پابندی لگائیں گے۔ نہ کتاب ''کافی'' کو لازم قرار دیں گے۔ اس لئے کہ صحاح ستہ ہوں یا کتب اربعہ ہوں، صحیح بات جہاں بھی ہو وہ آپ کے رسوؐل کا فرمان ہے اور

تمہاری راہنمائی کے لئے ہے۔اور آپ کا اپنا سرمایہ اور دولت ہے۔اور غلط بات خواہ اہل سنت کے ریکارڈ میں ہو یا شیعوں کی کتابوں میں ہو۔اُس سے آپ کا اور آپ کے نبیؐ کا دامن پاک ہے۔البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف انسانوں ہی کی ہدایت کیلئے نہیں ہیں۔اور نہ وہ حضرتؑ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہی سے ھادی ورسولؐ ہیں بلکہ وہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے بھی کہیں پہلے سے نبیؐ ہیں (کُنْتُ نَبِيًّا وَ آدم بَيْنَ الْمَاء و الطِّين۔ میں تو اُس وقت سے نبیؐ ہوں کہ آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے) پھر وہ ساری کائنات کیلئے اُسی وقت سے رحمت اور نذیر ہیں جب سے کائنات وجود میں آئی (فرقان 21/107,25/1)۔اور آنحضرتؐ دونوں جہانوں کی ہر مخلوق اور چرند و پرند و جنات و ارواح اور ملائکہ کی ہر قسم کی اُمت کے ہادی ونذیر ہیں۔(انعام 6/38)

چنانچہ ہر وہ کتاب اور ہر وہ حدیث جو قرآن کریم کی اور رسولؐ کریم کی ہمہ گیری کو ثابت کرے اور آپ کے سامنے تسخیر کائنات اور ہمہ گیر ترقی کی راہیں کھولے آپ اُسے بلا تکلف اپنا راہنما سمجھ لیں۔ایسی کتاب یا حدیث جو رازو رموز کائنات پر مطلع کرے اُسے قبول کرنے سے تو غیر مسلم بھی انکار نہ کریں گے۔البتہ جو کتاب یا جو روایت قرآن کریم اور رسولؐ کریم کو (معاذ اللہ) ناقص کتاب اور کائنات سے لاعلم وخطا کار رسولؐ بتائے وہ یقیناً ناقابل قبول اور تعلیماتِ قرآن کے خلاف ہیں۔اس لئے کہ (معاذ اللہ) اگر اللہ ورسولؐ بھی خطا اور غلط کاری میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے مذہب کو اختیار کرنے سے نقصان اور تنزل کے سوا اور کچھ نہیں مل سکتا۔چنانچہ وہ تمام تعلیمات اور تصورات ہرگز اللہ ورسولؐ کے نہیں ہو سکتے جو انسانوں میں نفرت وعداوت کا بیج بوتے ہوں، جو انسانی آزادی اور حقوقِ زندگی چھینتے ہوں، جو دوسروں کے تصورات وعقائد کو طاقت وجبر سے فنا کر دینا چاہتے ہوں، جو جئیو اور جینے دو کے اصول کے خلاف ہوں، جو اپنے تصورات وعقائد کو جبراً نافذ کرنا جائز سمجھتے ہوں۔لہٰذا آپ سب کا بھلا چاہیں، ضرورتمندوں کی مدد کریں، نیکیوں میں تمام انسانوں سے تعاون کریں اور عملاً کر کے دکھائیں کہ تمہارے مذہب کے طریقہ پر عمل کرنے والوں کے راستے سے ہر رکاوٹ ہٹتی چلی جاتی ہے۔تمہارے اعمال براہ راست کائنات کو متاثر کرتے ہیں۔ اگر تم حق پر ہو تو تمہارا فرض ہے کہ لوگوں کو عملاً اپنے حق پر ہونے کے فائدے دکھاؤ۔ پیار سے موعظ حسنہ سے اُن کے شبہات اور سوالات کا جواب سمجھاؤ۔اور سنو:

اگر آپ نے ہماری اس نصیحت کو دل سے قبول کر لیا تو آپ کو تجربہ ہو گا کہ ایسا ارادہ کرتے ہی آپ کے راستے سے رکاوٹیں کھسکنا اور ہٹنا شروع ہو جائیں گی۔اور بہت جلد ترقی کی راہ پر چلنے اور اسلامی احکام پر عمل کرنے کی توفیق مل جائے گی۔ اور یہ دورُخی زندگی تبدیل ہو جائے گی جس میں تمہارا نام مسلمان تھا، عقائد اسلامی کہلاتے تھے لیکن تمہارے اعمال، زندگی کے ہر شعبے میں غیر مسلم اقوام کی پالیسی اور قوانین پر منحصر رہتے رہے۔اور جس طرزِ فکر اور نام نہاد اسلامی زندگی نے تمہیں اقوام عالم میں

پسماندہ قوم بنادیا ہے۔ یہ کاسۂ گدائی اُن تخریب کارو نام نہاد مذہبی راہنماؤں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔جنہوں نے قرآن ایسی کتاب اور اسلام ایسا مذہب رکھنے کا دعویٰ کیا اور آپ کو یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ (ذٰلك فضل اللّٰه يُؤْتِيهِ مَن يشآءُ)

(3) شریعت ساز بزرگ امیر المومنین کے دربار میں چند نظارے

قارئین مقام ادب ہے۔ وہ دیکھو دربار عام آراستہ ہے، اِس دنیا کے مقدس ترین حضرات ؛ اراکین دولت و مقربان بارگاہِ خلافت قرینے سے مؤدب تشریف فرما ہیں۔ وہ منبر پر جناب فاروق اعظم سربراہِ اسلام و جانشینِ خدا و رسوؐل رونق افروز ہیں۔منبر کے برابر میں کھجور کی مضبوط شاخوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔مجمع اور خود امیر المومنین ایک ایسے شخص کے حاضر کئے جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔جس کے متعلق یہ رپورٹ ملی ہے کہ وہ قرآن کے متشابہات کے متعلق کچھ سوالات کا جواب چاہتا ہے۔ (فَجَعَل يَسْأَل عَنْ مُتَشَابِهِ الْقُرْآن)۔لہٰذا اُس کے لئے پہلے ہی سے کھجور کی شاخوں کا گٹھڑ منگا کر رکھا ہوا ہے۔اِدھر دیکھئے وہ شخص لایا جارہا ہے۔ وہ پیش ہوا تو حضرت عمر نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں اللہ کا بندہ صُبَیغ ہوں۔حضرت عمر نے کھجور کی شاخوں میں سے ایک شاخ اٹھائی اور اُس کے سر پر مارنا شروع کی۔ یکے بعد دیگرے شاخیں ٹوٹتی اور بدلتی رہیں۔ایک کے بعد دوسرے ضرب پڑتی رہی ۔صبیغ نہایت بے کسی کے عالم میں پٹتا رہا۔خون چہرے پر سے گزر کر کاندھوں اور سینے پر سے بہتا رہا۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ صُبَیغ کو یوں قرآن کریم کی فاروقی تعلیم دیتے رہے۔آخر صُبَیغ کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ بے چین ہو کر لرزتی ہوئی آواز میں عرض کیا کہ حضور جو کچھ میرے سر میں تھا وہ سب نکل گیا ہے۔چنانچہ اُس کو مارنا بند کر کے نظر بند کر دیا تاکہ اس کے زخم ٹھیک ہو جائیں۔ جب وہ ٹھیک ہو گیا تو پھر بلایا گیا اور اُسی طرح قرآن کی تفسیر سکھائی گئی پھر نظر بند کر دیا گیا۔اور زخم بھر جانے کے بعد پھر بلایا گیا تاکہ پھر قرآن پڑھائیں۔وہ حاضر ہوا تو عرض کیا کہ اگر آپ نے میرے قتل کا ارادہ کیا ہے تو مجھے نہایت خوبصورت پسندیدہ انداز سے قتل کر دیجئے۔اور اگر تم نے میرا معالجہ کرنا چاہا تھا تو میں مزید معالجہ سے بری ہو چکا ہوں۔اس کے بعد اُسے اپنی سرزمین پر چلے جانے کے لئے رہا کر دیا۔اور ابو موسیٰ اشعری علاقہ کے گورنر کو فرمان بھیجا کہ کوئی شخص اُس سے ملنے نہ پائے۔نہ معلوم اس کے بعد کیا حالات گزرے۔اتنا بتایا گیا ہے کہ جب گورنر مذکور نے اُس کی سفارش کی تب اُس کا بائیکاٹ ختم ہوا۔''

یہ واقعہ تاریخ کا سفر کرتا ہو جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو انہوں نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء (مترجم جلد 3 صفحہ 295-296) کے وسیلہ سے ہماری دماغی خرابیاں نکالنے کے لئے ہم تک پہنچایا اور اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ:

''یہ نمونہ ہے۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیاست کا۔اور قلیل نمونہ ہوتا ہے کثیر کا۔اور ایک چلّو بھر پانی حال بتا دیتا ہے بحر کبیر کا۔''

اہلِ انصاف وعدالت سے اپیل: ہمارے قارئین سر کو جھکا لیں اور اپنے پُورے وِجدان وتصورات کو جمع فرما کر خود کو صُبَیغ کی پوزیشن میں رکھ دیں اور حضرت عمر کی چوبکاری کی ضربیں اپنے سر پر محسوس کریں۔ اور اپنے سر کے خون سے اپنا لباس وجسم لہولہان دیکھیں اور سوچیں کہ قرآن کریم کے متعلق وہ کون سا ایسا سوال ہوسکتا تھا؟ جس پر آپ کے ساتھ یہ فاروقی عمل در آمد جائز اور معقول قرار پا سکے؟ پھر سوچیں کہ کیا کبھی کسی بُری سے بُری بات اور بدترین گستاخانہ سوالات پر کبھی رسولؐ اللہ نے ایسی روش اختیار کی تھی؟ خود حضرت عمر، بقول شبلی اور صحاح ستہ، آنحضرتؐ پر متشددانہ، گستاخانہ سوالات ورڈوابطال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ کیا اِن کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا گیا تھا؟ پھر سوچیں کہ کیا قرآن کریم میں کسی کو گالیاں دینے والے کافر کے ساتھ بھی یہ عمل جائز رکھا گیا ہے؟

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَo (انبیآء 21/7 اورنحل 16/43)

وہاں تو یہ اجازت دی گئی ہے کہ تم اہلِ قرآن یا اہلِ رسوؐل سے قرآن اور وحی کے متعلق ہر وہ سوال دریافت کرلیا کرو جو تم نہیں جانتے۔ یہ اجازت دوہرا کر دی گئی ہے۔ سربراہ اسلام کا فرض تھا کہ وہ دنیا کے ہر قسم کے سوال کا جواب دیتا۔ پھر صحابہؓ رسوؐل کے لئے تو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بڑے رحم وکرم سے پیش آتے ہیں (فتح 48/29)۔ پھر یہ سوچیں کہ کیا اِس رویہ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ عہدِ فاروقی میں کسی بھی مذہب کے لوگوں کو آزادیٔ خیال وآزادیٔ تقریر حاصل تھی؟ یا ایسا ممکن تھا؟ پھر سوچئے کہ حضرت عمر کے اس سلوک میں وہ کون سی کمی ہے۔ جس کی بنا پر ہم اُس سلوک کو ڈکٹیٹرانہ اور سفاکانہ نہ کہیں؟ پھر یہ سمجھ لیجئے کہ مولانا حضرات کا بات بات پر چیں بجبیں ہوجانا، لوگوں پر کفر ونفاق وشرک کے فتاویٰ جڑتے رہنا، اُسی مسلک کی شناخت ہے۔

ولی اللہ زندہ باد: مذہبی جنوں کی انتہا یہ ہوا کرتی ہے کہ نہایت احمقانہ اور شر انگیز قسم کے اعمال بھی اخلاق حسنہ و پسندیدہ معلوم ہونے لگا کرتے ہیں۔ حضرت ولی اللہ نے یہ کہہ کر کمال کر دیا ہے کہ حضرت عمر کا مندرجہ بالا طرزِ عمل اتنا قلیل سا نمونہ ہے جیسا کہ سمندر میں سے ایک چُلّو پانی۔ قارئین پھر ایک دفعہ سوچیں کہ اگر شاہ صاحب نے صحیح کہا ہے تو گویا حضرت عمر جبر وتشدد وظلم وستم و قہرمانیت کا ایک بہت بڑا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے۔ جس میں سے صُبَیغ پر چند بوندیں ٹپک گئی تھیں۔

؎ نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست وبازو کو

یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں؟

10۔ اللہ و رسولؐ کے احکام ہوں یا ابوبکر کی تصدیق ہو، فاروق اعظم کا فیصلہ ہی صحیح اسلام ہے

قارئین یہاں سے آپ حضرت عمر کے وہ فیصلے اور شریعت ملاحظہ فرمائیں گے۔ جنہیں دکھانے کیلئے یہ مختصر ترین کتابچہ لکھنا طے کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ صرف حضرت عمر کے فیصلوں ہی میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ صُبَیغ کو بھی یاد رکھیں اور یہ بھی ہرگز نہ بھُلا دیں کہ حضرت عمر نے اپنی پوری قوت سے تمام صحابہ رسولؐ کو صُبَیغ بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ جناب علامہ حافظ ابن قیّم کا یہ جملہ ہر وقت سامنے رکھیں کہ:

''حضرت عمر کا دبدبہ اور جلال ایسا تھا کہ اُن کے سامنے کسی کی مجال دم زدن نہ تھی...... جو بات اُن کے دل میں آجاتی تھی۔ اُس پر عمل بھی کر گزرتے تھے۔'' (مترجمہ زادالمعاد جلد 4 صفحہ 325 حاشیہ)

بس اب دیکھتے جائیے کہ اُن کے دل میں کیا کیا آیا اور کس طرح اُنہوں نے جو دل چاہا کیا اور اُن کی افواج اور قاہرانہ نظام حکومت کے سامنے کسی نے چُون و چرا اور مخالفت نہ کی اور پورا اسلام فاروقی مذہب بن گیا؟

مسئلہ نمبر 1۔ پہلا فیصلہ۔ حضرت فاطمہؑ کی جائیداد سے عربی مخالفت بزور شمشیر دبانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق کچھ وسائلِ خداوندی کو مرکزی اخراجات کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ مثلاً ہر وہ چیز خالص اللہ و رسولؐ کی تحویل میں رہے گی جس کو مسلمانوں نے اپنی محنت سے حاصل نہ کیا ہو۔ مثلاً دفینے، زمین سے نکلنے والا سامان کانیں وغیرہ وغیرہ، یا وہ زمینیں جو بلا جنگ حاصل ہوں۔ چنانچہ یہودیوں سے ایک بہت بڑا زرخیز علاقہ آنحضرتؐ کو ملا تھا جسکا نام فدک تھا۔ حضورؐ نے فدک حضرت فاطمہؑ کو دے دیا تھا۔ اور انتقالِ رسولؐ تک فدک کا انتظام خانوادہ نبوت کے ہاتھ میں تھا۔ چونکہ حضرت ابوبکر اپنی کوشش سے جانشین رسولؐ اور خلیفۃ المسلمین بن گئے تھے تو اُنہوں نے تمام مرکزی اثاثوں کے ساتھ ساتھ فدک اور ترکہ رسولؐ کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جب قرآن کی آیات کے ساتھ دعویٰ میراث کیا تو بڑی کدّ و کاوش کے بعد اُنہوں نے فدک کا علاقہ واپس کرنے کی تحریر لکھ دی۔ یہاں سے حضرت عمر کی عنایات کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور قرآن کے خلاف پہلا حکم سرکاری حیثیت سے نافذ کر کے حضرت فاطمہؑ کو آنحضرتؐ کی میراث سے محروم کیا جاتا ہے۔ علامہ حلبی نے سبط ابن الجوزی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمہ اللّٰہ انّہ رضی اللّٰہ عنہ کَتَبَ لَهَا بفدك وَ دخل علیه عمر فقال مَا هٰذا فقال کتاب کَتَبْتُهُ لِفاطمةً بمیراثها مِن اَبِیْهَا۔ فقال مِمَّا ذَا تنفق عَلَی المسلمین وقد حاربتك العرب کما تری۔ ثُمَّ اَخَذَ عمر الکتاب فَشَقَّهُ۔ (سیرۃ حلبیہ طبع مصر جلد 3 صفحہ 363)

''حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھ دیا تھا۔ لیکن عین اسی وقت عمر آپہنچے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت

ابوبکر نے کہا کہ یہ وہ دستاویز ہے جو میں نے فاطمہؑ کیلئے لکھی ہے تاکہ اُنہیں اُن کے والد کی میراث دے دی جائے۔ حضرت عمر نے کہا کہ فاطمہؑ کو میراث واپس دے کر تم مسلمانوں کے اخراجات کہاں سے پورا کرو گے؟ اور تم دیکھ رہے ہو کہ عرب تمہارے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے اُس تحریر کو لے کر پھاڑ دیا۔''

اور یوں قرآن کریم کے احکامِ وراثت کو حضرت فاطمہؑ کے لئے منسوخ و ردّ کر دیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ایک فرمان سے قرآن کے دو حکم باطل اور حرام کر دیئے

قَالَ مُتعَتَانِ کَانَتَا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہ وَاَنَا اَحرَمُھُمَا وَ اَعَاقِبُ علیھما (دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا کہ:)

اِنَّ عمر قَال فی خطبۃٍ متعتان کانتاعَلٰی عھد رسولؐ اللّٰہ اَنَا اَنْھٰی عَنْھُمَا وَاَعَاقِبُ عَلَیْھما۔

(تفسیر درمنثور جلد2 صفحہ 140 تفسیر کبیر جلد3 صفحہ 200 تفسیر کشاف جلد2 صفحہ 360 اور انوار اللغۃ پارہ چوبیس صفحہ 9)

حضرت عمر نے اعلان فرمایا کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں دو متعہ کئے جاتے تھے (حج کا متعہ اور عورتوں سے متعہ جائز تھے) اور میں اُن دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں۔ اور دونوں قسم کے متعہ کرنے والوں کو سزا دوں گا۔'' (دوسری روایت یوں بھی ہے)

یقیناً حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ دو متعہ عہد رسولؐ میں ہوتے رہے ہیں۔ میں اُن دونوں قسم کے متعہ کی ممانعت کرتا ہوں اور اُن دونوں کے کرنے والوں کے لئے سزا دیا جانا طے کر چکا ہوں۔''

آگے بڑھنے سے پہلے سزا دیئے جانے کے متعلق ایک لطیفہ جناب علامہ حافظ ابن قیّم کا سُن لینا صبیغ کو یاد دلائے گا۔ علامہ اپنی بحث ونظر کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''اس بحث کو اگر مختصر کیا جائے تو صورتِ مسئلہ یہ ہے:''

1۔ حضرات شیعہ کے نزدیک متعہ حلال ہے اور اس پر عملدرآمد جائز ہے۔ (مگر مجتہدین کی وجہ سے عمل بند ہو گیا ہے.. ابوعبداللہ)

2۔ اہل سنت کے نزدیک متعہ حرام ہے۔ اور وہ اُس پر عمل نہیں کرتے۔

3۔ ازرُوئے روایات (بخاری، مسلم، موطا وغیرہ سے۔ ابوعبداللہ) ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس (اور کئی بزرگ صحابہ بھی۔ ابوعبداللہ) اُسے حلال سمجھتے تھے۔ اور اُس کی حِلّت (حلال ہونے) کا فتویٰ دیتے تھے۔ چنانچہ اُن سے اور حضرت عمر سے اس بارے میں ایک مرتبہ سخت گفتگو بھی ہو گئی تھی۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا (یعنی عمر کا سختی سے حکم دینا بھی نہیں مانا۔ ابوعبداللہ)۔ اس پر حضرت عمر نے برہم (غصہ) ہو کر فرمایا: ''تم متعہ کر کے دیکھو پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔'' (زاد المعاد جلد 4 صفحہ 72)

ایک لطیفہ بھی: جہاں قارئین حضرت عمر کی شریعت پر صحابہ کرام کے ساتھ جبر وقہر اور غصہ وجلال ملاحظہ فرما کر بور ہو رہے ہیں۔ وہاں مسئلہ متعہ پر ایک ہلکا پھلکا علمی لطیفہ بھی سنتے چلیں۔ بات یہ ہوئی کہ قاضی یحیٰ ابن اکثم نے مدینہ کے کسی بزرگ سے دریافت

کیا آپ لوگ کس دلیل سے متعہ کو جائز سمجھتے ہیں؟ بزرگ نے کہا کہ ہمارے لئے حضرت عمر کا اعلان متعہ کے جواز پر کافی مستحکم دلیل ہے۔ قاضی صاحب گھبرا کر بولے کہ یہ کیا کہہ دیا؟ ارے حضرت عمر ہی تو متعہ کے منکر اور مخالف ہیں۔ وہ تمہارے لئے جواز کی دلیل کیسے بن گئے؟ اِس پر اُس بزرگ نے کہا کہ:

''فقال الشیخ اِنَّ الخبر الصحیح عنه قال علی المنبر اِنَّ اللّٰه و رسوّله احلّ لکم المتعتان وَانّی محرھما فنحن نَقْبَلُ شھادة فی تحلیلھما ولَا نَقْبَلُ و تحریمھما لِاَنّ التَّحریم باقراره من عند نفسه۔ (کتاب مستطرف ابن اخطب خوارزمی)

''حضرت عمر سے یہ خبر صحیح طریقہ پر بیان کی گئی ہے کہ اُنہوں نے منبر پر اعلان کیا تھا کہ یقیناً اللہ ورسولؐ نے دو متعہ اُمت کیلئے حلال کئے تھے۔ اور میں اُن دونوں کو بالکلّیہ حرام کرتا ہوں۔ بس اُنکی یہ گواہی کہ دو متعہ اللہ ورسولؐ نے اُمت کیلئے یقیناً حلال کئے ہیں۔ ہمیں قبول اور منظور ہے۔ رہ گیا دونوں قسم کے متعہ کو حرام کرنا یہ اُن کا اپنا ذاتی قول ہے جسے ہم رد کرتے ہیں۔''

(الف) متعہ ہے کیا؟

متعہ کے متعلق بھی دیگر کئی ایک مسائل کی طرح مجتہدین نے بہت سی غلط باتیں مشہور کر کے اس قرآنی مسئلہ کو ایک گالی اور شرمناک فعل بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ جنسیات کا وہ مسئلہ ہے کہ اُس کے سامنے یہ مروجہ نکاح ایک شریفانہ فراڈ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قارئین ہماری بات پر کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہے ہیں۔ اِس حیرانی اور گراں خاطری کا سبب شریعت کے مسائل نہیں۔ بلکہ وہ مصنوعی خود ساختہ ذہنیت ہے جو ٹھیکیدارانِ شریعت اور نام نہاد علمائے شریعت نے صدیوں کی محنت سے دین اسلام کے خلاف تیار کی ہے۔ ہماری تصنیفات پڑھنے کے بعد مسلمان سر بلند کر کے چلنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ آیئے ذرا پھر ایک لطیفہ نما جھٹکا ہو جائے۔

<u>کیماڑی کی سیر</u>: کراچی آنے کے بعد لوگ بے تحاشا کیماڑی کی سیر کو جایا کرتے ہیں۔ ہمارے ایک قدیم دوست محمد حسین صاحب قبلہ کراچی آئے تو کیماڑی کی سیر کا پروگرام بنا۔ سمندر کا کنارہ، سمندر، کشتی اور اسٹیمر کا سفر مدت سے دماغ میں بطور تمنا چلا آیا تھا۔ معلوم تھا کہ معمولی سے کرائے میں سمندر کی سیر ہو جاتی ہے۔ سمندر کے کنارے پر کشتیاں اور اسٹیمر کھڑے دیکھے۔ لوگ زینے سے اُترتے اور کشتی میں بیٹھتے جا رہے تھے۔ محمد حسین صاحب بھی جا کر بیٹھ گئے۔ کشتی بھر گئی اور لنگر اُٹھایا اور چل دی۔ ایک میل تک بڑے مزے سے سفر گزرا۔ سمندر کی موجیں کشتی کے ہچکولے جاذبِ نظر بنے ہوئے تھے کہ اچانک کوئی چیخ کر بولا۔ ''فوراً کشتی خالی کرو ورنہ گولی ماردی جائے گی''۔ پلٹ کر دیکھا کہ کشتی کے چاروں ناخدا ریوالور لئے ہوئے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اور ریوالور والے ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے کہ جلد سمندر میں کود جاؤ۔ لوگ حیران تھے۔ مولانا نے ہمت کر کے عاجزی سے کہا کہ بھائیو! ہم تیرنا نہیں جانتے مہربانی ہوگی۔ ہم پر رحم کرو۔ ہم سے کچھ زیادہ رقم لے لو۔ مولوی صاحب تم ہماری

جان چھوڑو۔ ہم سے دس دس روپے لے لو مگر جلدی سے ہماری کشتی خالی کرو۔ کو ئیک۔ ڈبل۔ ارے خدا کے بندو ہمارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہیں ہم پر لِلّٰہ رحم کرو۔ قدموں میں تیرے مرنے جینے کو تیار ہوں۔ کم از کم واپس کنارے پر پہنچا دو۔ مولانا یہ کہتے ہی رہے کہ دھما کہ ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے۔ فرشتے حساب لے رہے ہیں۔

مولانا کو ہوش آ رہا تھا۔ ایک عورت کی آواز کان میں آ رہی تھی دیکھو یہ آدمی شاید ہوش سنبھال رہا ہے۔ دوسری مردانہ آواز تھی، بے چارا کسی غلط کشتی میں بیٹھ گیا تھا۔ لہٰذا حسبِ معمول سمندر میں پھینک دیا گیا۔ اگر چند منٹ ہم اور نہ آتے تو زندگی کھو بیٹھا ہوتا۔ مولانا نے آنکھیں کھول دیں۔ مرد اور عورت دونوں نے دوڑ کر سنبھالا، چائے پلائی تھرمس بند کیا۔ مولانا نے سجدہ شکر ادا کیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ مولانا ابھی تک میدان محشر سے خوفزدہ تھے۔ ہم آدمی ہیں، تم ڈوب رہے تھے۔ ہمارے کشتی بان نے تمہیں سمندر سے نکالا، تمہارا پانی نکالا اور اب ماشاء اللہ والا امام علیہ السلام تم زندہ ہو، ذرا دیر میں ہم منزل پر پہنچیں گے۔ آپ کو کہاں جانا ہے؟ کہاں جا رہے تھے؟ گھر کہاں ہے؟ ہم آپ کی ہر مدد کریں گے۔ میں کراچی میں اجنبی ہوں، کیماڑی کی سیر کے خیال نے مجھے موت کے مُنہ میں پہنچا دیا تھا۔ آپ لوگ فرشتہ رحمت بن کر پہنچ گئے اور خدا نے آپ کی وجہ سے میرے بچوں پر رحم کیا۔ لوگوں سے جو کچھ سنا تھا اُسی کے مطابق سب کے ساتھ میں بھی کشتی میں بیٹھ گیا تھا۔ مگر بھائی یہ بتاؤ کہ کشتی والوں سے تمہارا یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ وہ تمہیں کنارے تک ضرور پہنچائیں گے۔ کنارے تک پہنچانے کی کوئی بات میں نے خاص طور پر الگ سے طے نہیں کی تھی۔ سبھی کنارے تک جانے کے خیال سے کشتی میں بیٹھے تھے۔ پھر یہ تو آپ کی اپنی غلطی اور غلط بھروسہ کی وجہ سے ہوا۔ دیکھو ہم نے اس کشتی بان سے یہ طے کیا تھا کہ ہم چار گھنٹے تک سمندر کی سیر کریں گے اور واپس کنارے پر آ کر رخصت ہو جائیں گے۔ اپنا مختنانہ بتاؤ؟ اُس نے جو کچھ بتایا وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوا ہم نے وہ رقم ادا کر دی کشتی میں بیٹھ گے۔ واپسی میں تم مل گئے۔ ہمارے کشتی بان نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تمہیں نکال لایا۔ آئندہ ہر بات طے کر لیا کرو تا کہ نقصان نہ ہو اور خود بھی وعدہ کے پابند رہو۔

قارئین آپ کے یہاں (شیعہ سنی دونوں میں) مروجہ نکاح میں مولانا کی طرح زوجہ کو نکاح ہو چکنے کے فوراً بعد اُسی نشست میں طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے۔ کوئی وقت مقرر نہیں، جب شوہر ناپسند کر دے طلاق دے سکتا ہے۔ طلاقیں ہوتی رہتی ہیں۔ یعنی ایک سرمایہ دار شخص روزانہ مہر ادا کر کے طلاق دے کر روزانہ ایک عدد نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر مہر مولانا کی مرضی کے مطابق ہونے لگے تو دن میں دو تین عورتوں کو روز استعمال کر کے رخصت کر سکتا ہے۔ طلاق دینے والا اس کی پرواہ کیوں کرے کہ اب عورت کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بچے چھوٹ کر تباہ ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کے قوانین کو اگر بالکل بے اثر کرنا ہو تو تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہہ ڈالئے۔ اب نہ ثالث کا جھگڑا نہ صلح کی گنجائش۔ بالکل کیماڑی والی بات۔ گھر یا کشتی خالی کرو

اور تباہی کے سمندر میں کود جاؤ۔ (تین طلاقوں والی شریعت حضرت عمر کی ہے)

جن لوگوں نے مولانا کی جان بچائی تھی وہ متعہ کے معاہدہ والی بات ہے۔ بالکل اُن ہی پابندیوں اور شرائط کے ساتھ۔

1: اُن ہی رسوم وقواعد کے ساتھ جن کی نکاح مروجہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ متعہ میں بھی وہ سب ضروری ہیں۔ اسی لئے متعہ کو بھی نکاحِ متعہ کہتے ہیں۔

2: فرق صرف اس قدر ہے کہ متعہ میں مقررہ مدت کے لئے عورت ومرد نکاح کرتے ہیں۔ اوراس مدت کے ساتھ ہی یہ نکاح ختم یا منقطع ہوجاتا ہے۔ اسی بنا پر اس کو نکاح منقطع بھی کہتے ہیں۔

3: متعہ میں مقررہ مدت کو کم اور زیادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

4: مگر جو کچھ کیا جائے گا اُس میں عورت ومرد دونوں کی قلبی رضامندی اور ذمہ داری کے ساتھ کیا جائے گا۔

5: کسی معاملہ میں مرد کو عورت پر کوئی حکم یا شرط ٹھونسنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

6: متعہ محض ایک دوسرے کے محرم بننے اور دوستوں کی طرح ساتھ رہنے کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ عادات اور تصورات پر اطلاع کے بعد جنسی تعلق کو باقاعدہ قائم کرلیا جائے اور دونوں ایک دوسرے کے صحیح رفیق حیات بن سکیں۔

7: اس میں مقررہ وطے شدہ مہر پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

8: اولاد کی پرورش وتربیت کی ذمہ داری قبول کرنا پڑتی ہے۔

9: مدتِ مقررہ ختم ہونے سے پہلے اگر شوہر کا انتقال ہوجائے تو زوجہ اور بچے باقاعدہ وصیت اور ورثہ کے حقدار ہوتے ہیں۔

10: آوارہ اور بدچلن عورتوں سے نہ نکاح جائز ہے نہ متعہ ہوسکتا ہے۔ پیشہ ور عورتیں جنسی تعلق کے لئے حرام ہیں۔

11۔ نکاح کی طرح متعہ کا ریکارڈ بھی حاکم وقت کے یہاں رکھا جانا اور کسی خلاف ورزی پر مواخذہ لازم ہے۔

12: عورت مختار ہے جتنا چاہے مہر حاصل کرکے اپنے علیحدہ اکاؤنٹ میں رکھے۔ قلیل مدت کے لئے وہ اتنا مہر مانگ سکتی ہے کہ اُس کی باقی زندگی یا اس کا مستقبل شان سے گزر سکے۔

13: متعہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی عورت کو اُس مدت کے لئے اس کے تمام اخراجات کے لئے طے شدہ رقم ادا کرنا ہوگی۔ جس مدت میں حمل کا ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوسکے۔

14: حمل نہ ہونے کی صورت میں عورت فارغ اور مختار ہے۔ جس طرح طلاق شدہ عورت فارغ ومختار ہوتی ہے۔

15: لیکن اگر حمل ہو تو شوہر کو وضع حمل تک تمام طے شدہ اخراجات ادا کرنا ہوں گے۔

16: جنسی تعلقات دوبارہ قائم کرنے میں پھر سابقہ شرائط اور مہر لازم ہوگا۔

17: عورت کسی اور مرد سے متعہ یا نکاح نہیں کرسکتی۔ (17الف): وضع حمل کے بعد اگر عورت و مرد دونوں رضا مند ہوں تو دودھ پلانے کے اڑھائی سال تک طے شدہ اجرت ادا کرنا پڑے گی۔

18: اب عورت جس سے جائز ہو متعہ یا نکاح کرسکتی ہے۔

19: بچہ ہمیشہ مرد کے خاندان سے متعلق رہے گا۔ اور جائز وارث ہوگا۔

20: یعنی صرف ایک دفعہ ایک گھنٹہ اور ایک رات کے لئے بھی مندرجہ بالا پابندیوں اور شرائط کے ساتھ متعہ جائز ہے۔

اور وہ تمام صورتیں جو ان مندرجہ بالا بیس جملوں کے علاوہ ہوس پرست لوگوں نے گھڑ کر رسولؐ اللہ یا آئمہ علیہم السلام کے نام سے پیش کی ہیں وہ از سرتا پا تہمتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی باتیں ہیں جنہوں نے بردہ فروشی کو جائز رکھا۔ مشرک عورتوں کو جنگ میں گرفتار کر کے شوہر دار ہوتے ہوئے بلا عدت استعمال کرنا اور فروخت کر ڈالنا جائز بتایا ہے۔ اور بڑے بڑے شرمناک قسم کے جنسی اور غیر فطری تعلقات کو اللہ و رسولؐ کے نام پر جائز کیا ہے۔ اور خوب کھُل کر اُن ننگِ انسانیت بداعمالیوں کو انجام دیا ہے۔ اور لوگوں کو اُن بداعمالیوں پر ثواب ملنا بتایا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک شریف آدمی کے ذہن میں جتنی بُری باتیں آسکتی ہیں، سب کے جائز ہونے کا فتویٰ مل جاتا ہے۔

(ب) متعہ امام مالک اور اُن کی کتاب موطا کی نظر میں

قارئین کرام یہ حقیقت اِسی وقت نوٹ کرلیں کہ حضرت عمر، ابوبکر کے بعد دوسرے خلیفہ ہوئے۔ جانشینِ خدا اور رسولؐ کہلائے۔ اُن کے بعد مسلسل اُس حکومت کے سربراہ اور حاکم اُن ہی خطوط اور قوانین پر عمل پیرا رہے۔ لہٰذا اُن سب کی ذمہ داری تھی کہ ایک دوسرے کی تائید کریں۔ چنانچہ سب نے اپنی پوری قوت، تدبر اور دولت اُن قوانین کے جائز کرنے پر صرف کی اور حکومت کے تمام افسران، قاضی مفتی، گورنرز، پولیس، فوج الغرض تمام تنخواہ دار اسٹاف اور تمام علما و اہل قلم، مترجمین و مؤرخین و محدثین اسی بات کے وظائف جاگیریں اور مشاہرے لیتے تھے کہ وہ خلفائے رسولؐ کی منشا اور مصلحت کے ماتحت کام کریں۔ لہٰذا ہر قانون کیلئے قال اللّٰہ و قال الرسولؐ کی سند بہم پہنچانا اس نظام حکومت پر واجب تھا۔ اِن تمام کوششوں اور انتظام کے بعد بھی متعہ یا کسی اور حرام کردہ مسئلہ کی صحیح پوزیشن برقرار رہ جائے تو اس کو سوائے معجزانہ انتظام کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا اب ایک بیان سنئے جس میں یہ کہنے کی جرأت کی گئی ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے بلا کسی آیت کے ایک شرمناک اور فعلِ حرام کو چار دفعہ حلال کردیا اور چار مرتبہ پھر اُسے حرام کردیا۔ مگر آپ مولانا حضرات سے یہ دریافت نہ کرنا کہ قرآن میں وہ فعل کس آیت میں پہلے حرام تھا؟ پھر کون کون سی آیات یا آیت سے چار دفعہ حلال اور چار دفعہ حرام ہوا؟ اس لئے کہ یہ بے چارے عربی جُملوں کے ساتھ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگا کر ایک حدیث تو تیار کرسکتے تھے مگر قرآن میں آیت نہ بڑھا سکتے تھے۔ اور آخر یہ مجبور قرآن

اور صاحبانِ قرآن مہاجر نظام وحکومت کے لئے مصیبت بن کر رہ گئے۔ موطا میں فرمایا گیا کہ:

''ف:۔ آئمہ اربعہ (مالک ،ابوحنیفہ، شافعی ،احمد بن حنبل) اور جمہور علما کے نزدیک متعہ ناجائز ہے ۔1: اوائل اسلام میں متعہ درست تھا۔2: پھر خیبر کے روز حرام ہوا۔3: پھر عمرۂ قضا میں درست ہوا۔4: پھر فتح مکہ کے روز حرام ہوا۔5: پھر جنگ اوطاس میں درست ہوا۔6: پھر حرام ہوا ۔7: پھر تبوک میں درست ہوا۔8: پھر حجۃ الوداع میں حرام ہوا۔اس بار بار کی حِلت اور حرمت سے لوگوں کو شبہ باقی رہا۔ بعض لوگ متعہ کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ۔اور حضرت ابوبکر کی خلافت میں بھی ایسا ہی رہا۔اور حضرت عمر کے اوائل خلافت میں بھی یہی حال رہا۔ بعداس کے حضرت عمر نے اُس کی حرمت برسرِ منبر بیان کی ۔ جب سے لوگوں نے متعہ کرنا چھوڑ دیا۔ مگر بعض صحابہ اس کے جواز کے قائل رہے ۔ جیسے ۔ 1 ۔ جابر بن عبداللہ اور 2 ۔عبداللہ بن مسعود اور 3 ۔ ابوسعید اور 4 ۔ معاویہ اور 5۔ اسما بنت ابوبکر اور 6۔ عبداللہ بن عباس اور 7 ۔عمرو بن حویرث اور 8 ۔ سلمہ بن الاکوع ۔اور تابعین میں سے بھی ایک جماعت جواز کی قائل رہی ہے ۔ (یہ علامہ زرقانی کے بیانات کا خلاصہ موطا میں نقل کیا گیا ہے)۔''

دیکھا آپ نے ؟ اس بیان میں حضرت عمر کے اُن الفاظ ''میں حرام کرتا ہوں'' پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے ۔مگراس کوشش کرنے والے مجرموں سے بھی وہی فطری غلطی سرزد ہوئی ہے جو اللہ نے مفتش اور محقق کی راہنمائی کیلئے ہر مجرم کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ یعنی انہوں نے یہ خیال نہ رکھا کہ اگر کسی پر ہماری علمیت، تقدس اور خلافت کی شُوں شاں کا رعب نہ پڑا اور اس نے چار آیتیں حرام کرنے والی اور چار آیتیں حلال کرنے والی مانگ لیں تو کیا ہوگا ؟ اور اِس چوہرے یا چار گُنا حرام فعل کو مشکوک ومشتبہ صورت میں چھوڑ مرنا نبوت اور پہلی خلافت اور خود حضرت عمر کی خلافت کو مجرم بنا دے گا۔ اگر پہلے سے حرام کیا ہوا ہوتا تو عمر کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ ''میں دونوں قسم کے متعہ کو حرام کرتا ہوں اور سزا مقرر کرتا ہوں'' اور یہ کہ ''حج کا متعہ اور عورتوں سے متعہ عہدِ رسولؐ میں حلال تھا۔'' اس کے بجائے انہیں یہ کہنا چاہئے کہ:

> ''رسولؐ اللہ نے اپنی زندگی میں متعہ کو چار دفعہ حرام کیا اور تم لوگ برابر خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف حرام یعنی زنا کرتے چلے آتے ہو۔ لہٰذا میں آئندہ متعہ کی آڑ میں زنا کرنے والوں کو سنگسار کیا کروں گا۔''

یہ بات شاندار ہوتی مگر عقل ماری گئی تھی ۔ چونکہ حضرت عمر نے رسولؐ اللہ کے پورے اختیارات بھی حاصل کر لئے تھے۔ اور کیوں حاصل نہ کرتے ؟ جانشین رسولؐ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ورسوؐل کر سکتے تھے وہی کچھ اُن کا جانشین کر سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت عمر نے بلا کسی آیت و بلا کسی خارجی دلیل کے جس چیز کو چاہا حلال رکھا اور جو چیز اُن کی مصلحت کے خلاف تھی اُسے حرام کر دیا۔ بتایئے آپ کو کیا اعتراض ہے؟ اگر قرآن میں آیت نہیں ہے؟ نہ ہو۔ اگر رسولؐ اللہ کی کوئی حدیث موجود نہیں ہے؟ نہ

ہو۔ حضرت عمر کی ہر بات قرآن کی آیت اور رسولؐ کی حدیث ہے۔ اس لئے کہ جب یہ مان لیا کہ حضرت عمر قرآن میں آیت نہ ہونے کے باوجود جو کچھ فرمایا کرتے تھے وہی کچھ وحی کے ذریعہ آیت بن کر نازل ہو جاتا تھا اور پھر قرآن میں لکھ لیا جاتا تھا۔ اب یہی فرق تو ہے کہ رسولؐ اللہ انتقال فرما گئے۔ ارے حضرات انتقال فرما گئے تو کیا ہوا؟ خدا تو زندہ ہے؟ وہ تو نہیں مر گیا؟ لوحِ محفوظ تو موجود ہے۔ اب وحی آنے کی احتیاج ہی نہیں۔ حضرت عمر جو کچھ کہیں گے وہی کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہوگا۔ لہٰذا آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صاف کہو کہ حضرت عمر کا پیش کردہ اسلام ہی حقیقی اسلام ہے اور اُن ہی کی تیار کی ہوئی شریعت حقیقی اسلامی شریعت ہے۔ رہ گئے رسولؐ اللہ؟ اُن کے مقابلہ میں تو حضرت عمر کی بات ہمیشہ صحیح نکلتی تھی (شبلی فاروقی)۔ اور قرآن رسولؐ کی غلطیاں گنوایا کرتا تھا۔ لہٰذا عہد فاروقی کے بعد آنحضرتؐ کی صرف وہ بات اور قرآن کی صرف وہ آیات قابل قبول ہوں گی جو فاروقی احکام کی تائید کریں۔ باقی احادیث وآیات کا حکم وقتی تھا، وقت گزر گیا۔ لہٰذا وہ احکام منسوخ ہو گئے۔ اللہ اللہ اور خیر سَلاّ۔ یہ بات انشاء اللہ چند سال بعد یہ لوگ کھل کر مانیں گے۔ وقت آرہا ہے کہ جس طرح یزید پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے آخر آج اس ملعون کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا جارہا ہے۔ اسی طرح خدا نے چاہا تو یہ لوگ بھی فاروقی مذہب کو گلے لگا کر اسلام کے ڈھونگ کو بند کر دیں گے۔ جو لوگ علی و فاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام پر ایک سو سال تک (معاذ اللہ) تبرّا بھیجنا دین کی لازم عبادت سمجھتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ وہ تنگ آکر اگر محمدؐ مصطفٰی سے توہین آمیز سلوک کریں تو تعجب کرنا حماقت ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ ہم مُلانٹوں کے اس ڈھکوی اور نوری اور مظہری اور محمودی اور شیخی گروہ کو نہ شیعہ سمجھتے ہیں نہ انہیں سُنیوں میں شمار کرتے ہیں بلکہ ہم اُنہیں اُمت مُسلمہ اور اسلام سے یک سر خارج اور دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ یقین کرتے اور ثابت کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مقاصد باطل کیلئے حضرت عمر کو آخری نبی اور شارع بنا کر قرآن ورسولؐ کے مذہب کو منسوخ کر دیا ہے۔

(ج) متعہ؛ محمد اسماعیل اور اُن کی کتاب بخاری کی نظر میں

ساری دنیا جانتی ہے کہ بقول مصنف صحیح بخاری، حضرت علامہ محمد اسماعیل بخاری کے، انہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے یقیناً پانچ لاکھ بانوے ہزار (5,92000) حدیثوں کو ترک کر کے مشکل سے آٹھ ہزار کے قریب احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کیا تھا۔ یہ بات بلا کسی مزید تحقیق اور بلا شک وشبہ کے ماننا ہی پڑے گی کہ اُنہوں نے وہ تمام احادیثِ رسولؐ ترک کر دی تھیں جو اُن کے اپنے اور اُن کے راہنماؤں کے مسلک کے خلاف تھیں۔ یہی نہیں بلکہ موصوف نے کھل کر لکھ دیا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتا اس لئے کہ اُن کی طرف سے میرے دل میں کچھ ہے؟ لیکن احتیاط والتزام کے باوجود اُنہوں نے مجبو ہو کر اتنا مان لیا کہ:

حد ثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبةُ عن ابی حمزہ سَمِعْتُ ابن عباس سُئِلَ عَنْ متعة النساء

فَرَخَّصَ فقال له مَوْلًی له انّما ذلك فی الحال الشد ید و فی النساء قلّة او نحوہ؟فقال ابن عباس نَعَمْ۔

''ابی حمزہ نے کہا کہ ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ متعہ جائز ہے یانہیں؟ تو عبداللہ ابن عباس نے متعہ کرنے کی اجازت دی۔اُن کے غلام نے ان سے کہا کہ یہ متعہ سخت حالات اور عورتوں کی کمی اور اسی قسم کے حالات میں متعہ کیا جاتا ہوگا۔ ابن عباس نے کہا کہ ہاں۔''(بخاری کتاب النکاح باب نکاح المتعة پارہ نمبر 21)

پانچ لاکھ بانوے ہزار احادیثِ رسولؐ کے تارک سے ہمیں اگر ایک حدیث بھی جواز میں مل جائے تو وہ اکیلی سینکڑوں احادیث سے زیادہ وزن دار اور قابل اعتبار ہوگی۔لیکن آپ کو اس سے آگے والی دو حدیثیں بھی متعہ کے جواز میں ملیں گی۔جن میں سلمہ بن اکوع نے بیان کیا ہے کہ:

ہمارے پاس فوج میں رسولؐ اللہ کا قاصد آیا اور رسولؐ اللہ کی طرف سے یہ حکم سنایا کہ اِنَّهُ قَدْ اُذِنَ لَکُمْ اَنْ تَسْتَمْتِعُوْا فَاسْتَمْتِعُوا۔(ایضاً کتاب اور باب) ''تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ تم متعہ کرو چنانچہ سب نے متعہ کیا۔''

پھر اسی سلمہ بن اکوع نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ سے سنا کہ:

ایما رجل وامرأة توافقا فَعِشرة ما بینهما ثلٰث لیال فان اَحَبَّا اَنْ یتزا یدا اَوْیتتار کا۔ فما ادری۔الخ

''مرد اور عورت اگر آپس میں متفق ہوں تو متعہ کر سکتے ہیں۔بشرطیکہ تین راتوں کا وقت مل جائے۔اور اگر دونوں کو پسند ہو تو متعہ کی مدت میں کمی وزیادتی بھی کر سکتے ہیں۔راوی نے یہ بھی کہا کہ مجھے یہ پتہ نہیں ہے کہ متعہ صرف ہمارے ہی لئے جائز ہوا تھا یا تمام نوع انسان کے لئے جائز تھا۔''(ایضاً کتاب النکاح باب نکاح المتعة)

ویسے ماشاءاللہ بخاری صاحب نے باب کا نام رکھنے میں ہاتھ کی صفائی دکھا دی ہے جو ہمیں منظور نہیں ہے۔ہم متعہ کے جواز پر قرآن اور رسوؐل کو سند سمجھتے ہیں اور حضرت عمر نے اس کی تصدیق کر کے اپنے حکم واختیارات سے حلال کو حرام کر دیا ہے۔لہٰذا جن کو اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں فاروقی حکم صحیح معلوم ہوتا ہو وہ حلال کو حرام سمجھیں مختار ہیں۔

(د) امام مسلم بن الحجاج اور کتاب صحیح مسلم کی نظر میں نکاح متعہ؟

امام مسلم نے اس باب میں پے درپے متعہ کے جائز ہونے کی احادیثِ رسوؐل لکھی ہیں اور نہایت زوردار الفاظ میں متعہ کے خلاف سوچنے والوں پر قرآن کریم کی آیت سے تنبیہہ عائد کی ہے۔ہم احادیث کا ہر وہ جملہ لکھتے جائیں گے جو متعہ کرنے کی اجازت یا حکم بنتا ہے۔ملاحظہ ہو:

حدیث نمبر1: ثُمَّ رخص لنا اَن ننکح المرأة بالثوب اِلٰی اجلٍ ثُمَّ قراء عبداللّٰہ یا اَیّھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبات مَا اَحَلَّ اللّٰہ لکم وَلَا تَعتَدُ وْا اِنَّ اللّٰہ لا یُحِبُّ الْمُعْتَدِ یْن۔(مائدہ 5/87)

''پھر ہمیں عورتوں سے ایک مقررہ اور متفقہ مدت کے لئے کپڑوں کے بدلے میں نکاح کرنے کی چھوٹ دے دی اور عبداللہ نے قرآن کی یہ آیت بھی پڑھ کر سنا دی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم اُن پسندیدہ و مرغوب چیزوں کو حرام نہ کر دیا کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے۔ اور حد سے تجاوز نہ کر جایا کرو یقیناً اللہ کی مقرر کردہ حدود سے بڑھ جانے والے لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔''

اس حدیث کو سمجھ کر آگے بڑھیں: یہاں پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ متعہ کو ایسا نکاح فرمایا اور تسلیم کیا ہے جس میں مدت متعین کی جاتی ہے۔ مہر کسی بھی صورت میں بطور بدل ادا کیا جاتا ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ متعہ اللہ کی نگاہ میں طیبات اور حلال چیزوں میں سے ایک ہے۔ اب یہ سوچئے کہ کیا اللہ کسی طیب اور حلال چیز کو حرام کرے گا؟ جب کہ اُس نے قرآن میں تمام طیبات کو حلال کرنے کا اعلان کیا (مائدہ 5/4-5)۔ اور اُن کی فہرست بھی دے دی ہے۔ اور اُس کے منکر کو کافر، اعمال کا ضائع کرنے والا اور خسارہ میں رہنے والا بتایا ہے۔ لہٰذا متعہ کے چار دفعہ حرام لکھنے والے یقیناً اُسی گروہ میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے حلال کو حرام کرنے میں نزول قرآن کے زمانہ سے مصروف تھے اور ساتھ ہی کسی نہ کسی طرح وہ لوگ يَآ يُّهَا الَّذِين اٰمَنُوْا میں بھی داخل تھے (مائدہ 5/87)۔ اعمال کے خانہ میں صفر تھا۔ (مائدہ 5/5)

حدیث نمبر 2 : بالکل اُن ہی الفاظ میں ہے سوائے عبداللہ کے نام کے۔ **حدیث نمبر 3** میں خصّی ہو جانے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر 4: وہی ہے جو بخاری نے سلمہ بن اکوع سے لکھی ہے۔

حدیث نمبر 5 : عن سلمه بن اكوع و جابر بن عبدالله اَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم اَتَانَا فاذن لنا فى المتعه۔

''جابر نے کہا کہ رسولؐ اللہ ہمارے پاس آئے اور ہمیں متعہ کے بارے میں اجازت دے دی۔''

حدیث نمبر 6 : قدم جابر بن عبدالله معتمرًا فجئناه فى منزله فسأله القوم عن اشياء ثُمَّ ذكروا المتعة فقال نَعَمْ استمتعنا عَلٰى عهد رسولؐ الله و ابى بكر و عمر۔ ''جابر بن عبداللہ سے قوم نے مختلف مسائل دریافت کئے۔ پھر متعہ کا ذکر کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہاں ہم نے عہد رسولؐ اور ابو بکر و عمر کے زمانہ خلافت میں بھی متعہ کیا ہے۔''

حدیث نمبر 7 : اس حدیث میں یہ بھی بتایا ہے کہ ہم ایک اونجلا (دو مُٹھی) کھجوروں یا آٹے کے بدلے میں بھی متعہ کرلیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نَهِىَ عمر فى شان عمر و ابن حريث عمر نے عمرو ابن حریث کے معاملہ میں متعہ کی ممانعت کردی۔'' (وغیرہ وغیرہ) (صحیح مسلم کتاب النکاح باب نکاح المتعة)

یہاں یہ بتا دینا ایک دفعہ پھر ضروری ہے کہ کسی چیز کو حرام یا حلال کرنے کے متعلق مؤلفین و شارحینِ کتبِ احادیث کی رائے دین میں کوئی مقام نہیں رکھتی۔

مسئلہ نمبر 3۔ حج کے متعہ کوحرام کرنے کی تفصیل

قارئین کرام نے جب یہ دیکھ لیا کہ حضرت عمر نے ایک ہی اعلان میں یہ تسلیم کرلیا کہ عہد رسولؐ میں دو متعہ ہوتے تھے تو اس کے بعد کسی دوسری سند کی ضرورت نہیں رہتی ۔اور جب اُنہوں نے اُن دونوں قسم کے متعہ کوحرام کر کے اُن پر سزا دینا اُسی اعلان میں سنا دیا تو اس کے بعد یہ کہنا کہ وہ تو پہلے سے حرام تھے یا اُن میں سے کوئی ایک حرام تھا۔غلط ہے۔اسی طرح یہ کہنا کہ عمر نے ایک متعہ کوحرام کیا تھا دوسرے کوحرام نہ کیا تھا۔غلط ہے۔مگر حضرت فاروق سے ادھوری عقیدت رکھنے والوں کے بیانات سے حج کے متعہ کو جائز رکھنے کی کوشش ہر حدیث کی کتاب میں ملے گی ۔اور یہ اس لئے کہ اہلسنت کے چاروں اماموں نے حضرت عمر کی حج کے متعہ میں پرواہ نہیں کی اور اس کو جائز رکھا ہے۔لہٰذا علما کے لئے ضروری ہوگیا کہ وہ حضرت عمر میں اور چاروں اماموں میں ہم آہنگی دکھانے کے لئے طرح طرح کی بے جوڑ اور بے تکی تاویلات کریں۔ بہر حال میں اس قدر عرض کروں گا کہ حضرت عمر نے دونوں قسم کے متعہ کو ایک اعلان عام میں حرام کیا تھا۔اور حج کے متعہ کی ممانعت الگ سے بھی بار بار کی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔حضرت عمر بول رہے ہیں:

فَقَالَ عُمَر قَدْ عَلِمْتُ اَنّ النَّبِی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قَدْ فَعَلَہٗ واصحابہ وَلٰکِنْ کَرَهْتُ اَنْ یَظلُوا مُعْرِسِیْنَ بِهِنَّ فِی اراك ثُمَّ یروحون فی الحج تَقْطُرُ رُؤسهم۔ (صحیح مسلم جلد اوّل کتاب الحج باب جواز تعلیق الاحرام...)

''حضرت عمر نے ابوموسیٰ کو جواب میں بتایا کہ میرے علم میں یہ بات ہے کہ رسولؐ اللہ نے اور اُنکے صحابہ نے برابر حج کا متعہ کیا ہے۔مگر مجھے یہ کبھی پسند نہیں آیا کہ یہ لوگ عورتوں کو بغل میں دبائے جھاڑیوں کی چھاؤں ڈھونڈتے پھریں اور پھر حج کے میدان میں اس طرح چلیں پھریں کہ اُن کے سر و پیشانی سے قطرے ٹپکتے جارہے ہوں۔''

قارئین نوٹ فرمالیں کہ حضرت عمر حج کے متعہ کو اس لئے ناپسند اور منع کرتے تھے کہ حج کے میدان میں لوگ عورتوں سے جائز تعلق قائم کرتے تھے۔اور یہ بڑی قابل شرم بات تھی۔مگر رسولؐ اللہ اور قرآن اس کی اجازت دیتے ہیں۔سُنئے ذرا عبداللہ ابن عباس کا بیان سننے کے قابل ہے:۔

عن ابن عباس اَنَّہٗ سُئِل عن متعة الحج فقال اَهَلَّ الْمُهَاجِرون والانصار و ازواج النبیؐ فی حجة الوداع واَهْلَلْنَا فَلَمَّا قَدِمْنَا مکّة قال رسولؐ اللّٰہ اجعلوا اِهلَالکم بالحج والعمرة اِلا مَنْ قَلَّدَ الْهَدْیَ طفنا بالبیت و بین الصفا والمروة واَتینا النسآء ولَبِسْنَا الثیاب ......الخ (بخاری کتاب المناسک باب قول اللّٰہ عزّوجل ذلك لمن یکن اهله حاضری المسجد الحرام۔صفحہ 213) (مترجمہ مولانا امجد علی وابوالفتح وسبحان محمود وقاسم محمد تاجران کتب قرآن محل۔مولوی مسافر خانہ کراچی، صفحہ 581)

''ابن عباس سے حج کے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ حجۃ الوداع میں مہاجرین اور انصار اور ازواج نبیؐ

نے احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا اپنے احرام کو حج اور عمرہ کا احرام بنا دو مگر وہ شخص (ایسا نہ کرے) جس نے ھُدی (قربانی کے جانور) کو قلادہ (پٹہ) ڈالا ہو۔ ہم نے خانہ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کیا اور ہم اپنی بیویوں کے پاس آئے (صحبت کی، مترجم بخاری) اور کپڑے پہنے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

یہ تھا جناب حج کے متعہ میں وہ فعل جو حضرت عمر کو ناپسند تھا۔ اور اس کام کو بند کرنے کے لئے انہوں نے حج کا متعہ بھی حرام کر دیا تھا۔ ایک اور صحابی کا بیان سنئے:۔

(i) <u>حضرت عمر نے اپنی رائے سے قرآن و رسولؐ کا حکم منسوخ کر دیا:</u> جناب عمران بن حُصَین نے کہا کہ:

تَمَتَّعنا عَلٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلّم و نَزّل القرانُ قال رَجُلٌ برأیه ما شاءَ۔ (ایضاً مذکورہ بالا حدیث سے پہلی حدیث) ''ہم نے رسولؐ اللہ کے زمانہ میں حج کا متعہ کیا اور یہ متعہ قرآن میں نازل بھی ہوا۔ مگر ایک شخص اپنی رائے سے جو چاہا کہتا رہا۔'' (حاشیہ میں لکھا ہے کہ) **ؤ قوله قال رجل برایه ماشاء هُوَ عمر بن الخطّاب لَاعثمان بن عفان لا ن عمر اوّل من نهی عنها فکان من بعده تابعًا له فی ذلك کذافی القسطلانی ۔** (بخاری غیر مترجم نور محمد چھاپ جلد اوّل صفحہ 213) ''جس شخص کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی رائے سے جو چاہا حکم دیا۔ وہ خطاب کے فرزند عمر ہیں عثمان بن عفان نہیں۔ اس لئے کہ جس شخص نے سب سے پہلے حج کے متعہ کو منع کیا وہ عمر ہی ہے۔ عثمان تو عمر کے بعد عمر کا پیرو تھا۔ اس نے بعد میں بندش جاری رکھی۔ جیسا کہ قسطلانی میں ہے۔''

(ii) <u>حضرت علیؑ نے عثمان کے تشدد کے باوجود متعہ پر اعلانیہ عمل جاری رکھا:</u> اب ایک یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ جو شخص خلفا کی حرام کردہ چیزوں کی پرواہ نہ کرتا تھا وہ حضرت علیؑ تھے۔ ہم حضرت علیؑ کا ذکر صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ متعۃ الحج کو بند کرنے پر زیادہ تشدد کا علم ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت عمر کی تیار کردہ شریعت اللہ و رسولؐ کے خلاف برابر حضرت عمر کے حقیقی جانشینوں میں جاری رہی۔ اور حضرت علیؑ ہرگز اس فاروقی شریعت میں ملوث نہ تھے۔ سنئے اور بخاری ایسی کتاب سے سنئے:

عن سعید بن المسیب قال اختلف عَلِیٌّ وعثمان و هما بِعُسفان فی المُتعةِ فقال عَلِیٌّ ما ترید اِلٰی اَن تنهٰی عن امرٍ فعلهٗ رسولؐ الله ؟فقال عثمان دَعْنِی عنك قال فلما رأیٰ ذٰلك علیٌّ اَهَلَّ بِهِمَا جمیعًا۔

(بخاری جلد اوّل کتاب المناسک باب التمتع والاقران... صفحہ 213)

''سعید بن مسیّب نے کہا کہ حضرت علیؑ اور عثمان مقام عسفان میں تھے کہ دونوں میں متعہ پر اختلافی گفتگو ہوئی تو حضرت علیؑ نے کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے کیا تم بھی ایسے کاموں سے روکو گے جنہیں رسولؐ اللہ کرتے رہے؟ اس پر عثمان نے غصہ میں آ کر کہا کہ تم میری جان چھوڑو۔ جب حضرت علیؑ نے یہ صورتحال دیکھی تو پھر اُنہوں نے

(عثمان کو دکھا کر) حج اور عمرہ دونوں یعنی متعہ کا عمل کیا۔''

(iii) <u>**حج کے متعہ کو بند کرنا قرآن اور سنت رسولؐ کے خلاف تھا:**</u> دوسرا مقام اسی باب میں دیکھئے۔ وہاں بھی حضرت علیؑ عثمان کو تنبیہہ کرتے ہیں۔ مروان بن الحکم بیان کرتا ہے کہ:

''میں نے عثمان اور علیؑ کو دیکھا ہے عثمان متعہ سے منع کرتے تھے۔ جب حضرت علیؑ نے دیکھا تو انہوں نے عمرہ کا اور حج یعنی متعہ کا اعلان کیا اور لبیک بعمرۃ وحجۃ کہنا شروع کر دیا اور کہا کہ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کے کہنے سے رسولؐ اللہ کی سنت کو چھوڑ دیں۔ (ایضاً کتاب و باب صفحہ 212)

(iv) <u>**حق اُن کے ساتھ ہے جو فاروقی شریعت کے منکر ہیں:**</u> قومی حکومت کا زور ٹوٹتے ہی لوگوں کو تحقیق کا موقعہ ملنے لگا اور وہ وقت آیا کہ مندرجہ بالا روایت کی شرح میں یہ لکھنا پڑا کہ:

''11؎ قوله يَنْهَى عَنِ الْمُتعةِ ، وَكَذَا عمر و معاوية ـ قَال العينى اَجْمَعُ المسلمون عَلٰى اباحة التمتع فى جميع الاعصار و اِنّما اختلفوا فى فضله ـ الا ماروى عن اميرالمومنين عمرو عثمان انّما كانا يَنْهِيَّان عن التمتع وَقِيْلَ كان نهى تنزيه وقِيْلَ انّما نهيا عن فسخ الحج اِلَى العمرة وقد انكر عليهم علماء الصحابة و خالفوهم وَالْحَقُّ مع المنكرين ـ ''(ايضًا)

''اُن کا یہ کہنا کہ عثمان حج کے متعہ سے روکتے تھے۔ اور اُسی طرح حضرت عمر اور معاویہ نے بھی حج کے متعہ کو بند رکھا تھا۔ علامہ عینی نے کہا ہے۔ کہ (ان تینوں کی ممانعت اور بندش کے باوجود) ہر زمانہ میں مسلمان حج کے متعہ کے جواز پر تو متفق رہے۔ البتہ متعہ کے ثواب اور فضیلت میں اختلاف رہتا چلا آیا ہے۔ اور امیر المومنین عمر اور عثمان (اور معاویہ) کا متعہ سے روکنا سب نے مانا ہے اور اس ممانعت کو قطعاً حرام کے معنی میں بھی لیا ہے۔ اور ان معنی میں بھی کہ ممانعت حج کو بدل کر عمرہ کے لئے نیت کر لی جائے۔ اور یقیناً حضرت عمر اور عثمان اور معاویہ کے اس حکم کو صحابہ میں سے تمام عالم صحابہ نے ماننے سے انکار کیا ہے اور انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں۔''

یہاں یہ بھی نوٹ کرانا ضروری ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں سوائے حضرت علی علیہ السلام کے اور کوئی صحابی قولاً و فعلاً حضرت عمر کی مخالفت نہ کرتا تھا۔

(v) <u>**فاروقی شریعت بر بنائے حق جاری نہیں ہوئی ہے:**</u> علامہ عینی ہی نہیں بلکہ ہر آزادانہ تحقیق کرنے والا عالم اس نتیجہ پر پہنچا ہے اور کھل کر اقرار کیا ہے۔ اور مناظرہ و علم الکلام کی کتابوں میں اُن کے اور خود حضرت عمر کے اقوال کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ ہم تو یہاں جناب علامہ شبلی کا علمی تجربہ و تحقیق پیش کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔ اُنہوں نے باوجود انتہائی تعصب اور جانبداری کے بادلِ ناخواستہ لکھا ہے:

''حضرت عمر نے فقہ (شریعت) کے جو مسائل بیان کئے اُن میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی (تلوار اور دُرہ کے خوف سے۔ابوعبداللہ) اُن کے ساتھ اتفاق کیا۔اور آئمہ مجتہدین (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد) نے اُن کی تقلید کی۔شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم وبیش ایک ہزار بتاتے ہیں۔لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں دیگر صحابہ نے (اُن کے مرنے کے بعد) اُن سے اختلاف کیا۔اُن میں سے بعض مسائل میں جن میں صحابہ نے اختلاف کیا وہی (صحابہ) حق پر ہیں۔مثلاً 1 تیمّم 2 جنابت 3 متعہ 4 تمتع حج 5 طلقات ثلاثہ وغیرہ میں حضرت عمر کے اجتہاد سے صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 117-116)

یہاں قارئین نوٹ کرلیں کہ عورتوں اور حج کے متعہ کو حرام کرنا غلط مان کر دونوں کو شبلی نے جائز مانا ہے۔جو لوگ تین طلاق ایک ہی دفعہ دینا جائز سمجھتے رہے ہیں۔شبلی صاحب سے اپنی غلطی نوٹ کرلیں۔اور حضرت عمر کی شریعت سازی پر بھی نظر رکھیں۔اور علامہ حافظ ابن قیم کی بات کبھی نہ بھولیں۔اُنہوں نے حضرت عمر کو رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں رکھ کر لکھا ہے کہ:

یَآ یُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ......الخ (تحریم 66/1) ''اسی طرح فرمایا اے نبیؐ اللہ نے جو چیز حلال کردی ہے۔تم اُسے حرام کیوں کرتے ہو؟ پس جب خدا اپنے رسولؐ کو یہ حق نہیں دیتا کہ اللہ نے جو کچھ حلال کردیا ہے۔اُسے حرام کردے پھر کسی دوسرے کو یہ حق تحریم کس طرح دے سکتا ہے؟ نیز رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

> ''جو شخص ایسا کام کرتا ہے جو ہمارے حکم کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔'' پس خودساختہ تحریم بھی مردود ہوگی اور اُسے باطل قرار دیا جائے گا۔'' (زادالمعاد مترجمہ رئیس احمد جعفری صفحہ 227)

ہمیں قارئین کے فیصلے کا انتظار کرنا ہے اور واقعات پیش کرتے جانا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ احرام کی حالت میں نکاح کو حرام کردیا جب کہ رسولؐ اللہ نے نکاح کیا تھا

عن ابن عباس اِنَّ النَّبِیَّ صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم تَزَوّجَ میمونۃ وھو مُحرِمٌ۔''ابن عباس نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں میمونہ سے نکاح کیا تھا۔'' (بخاری کتاب المناسک ابواب العمرہ باب تزویج المحرم)

بخاری نے کتاب النکاح باب نکاح المُحرِم میں (یعنی حالتِ احرام میں) بھی لکھا ہے کہ:

> اَنبانا ابن عباس تزوّج النّبی صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم وھو مُحرم۔''خبر دی ہمیں ابن عباس نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں اپنا نکاح کیا تھا۔''

قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ آنحضرتؐ نے احرام باندھے ہوئے دوران حج نکاح کیا تھا اب حضرت عمر کا حال ملاحظہ فرمالیں:۔

عن ابی غطفان بن طریف الْمُرِّیِ اَنَّ اَبَاہُ طَرِیْفًا تَزَوّجَ امرَاۃً وَّھُوَ مُحرِمٌ فَرَدَّ عُمَرُ بْنُ الخطاب نکاحہ۔''ابی

غطفان نے بیان کیا کہ اُسکے باپ نے دورانِ حج حالت احرام میں ایک عورت سے نکاح کرلیا تھا۔مگر حضرت عمر نے اُنکے نکاح کو باطل قرار دے دیا۔'' (مترجمہ موطا کتاب الحج باب نکاح المحرم صفحہ 323)

(i) امام ابوحنیفہ اور دیگر علما نے حضرت عمر کی مخالفت کی ہے: قارئین یہ بھی دیکھ لیں کہ حضرت عمر کی شرعی ایجادات پر آخر اختلافات ہوئے اور بڑے بڑے علما نے اپنا عمل درآمد تبدیل کیا۔اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ جو جو عقائد واعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایات میں آئے ہیں اُن کو اختیار کرلیا جائے۔اور قومی وگروہ بندی والے مسائل کوترک کردیا جائے۔چنانچہ صحیح بخاری کی توضیح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''تزوج میمونة وھو مُحْرِمٌ و احتج بھٰذا الحدیث ابراھیم النخعی والثوری و عطاء بن ابی رباح و حماد بن ابی سلیمان و عکرمة و مسروق و ابو حنیفة و صاحباهُ وقالوا لَا باس المحرم اَن ینکح وَلٰکنه لا یدخل بِھَاحَتّٰی یحل۔و ھو قول ابن عباس و ابن مسعود۔''(بخاری جلداوّل کتاب النکاح باب تزویج المحرم صفحہ 248 نورمحمد چھاپ)

''حالت احرام میں میمونہ سے نکاح والی حدیث سے ابراہیم نخعی نے ،امام ثوری نے اورعطا اورحماد اورعکرمہ اور مسروق نے اورامام ابوحنیفہ اوراُن کے صحابہ (ابویوسف،محمد،زفر وغیرہ) نے حجت اورسند اختیار کی ہے۔اورکہا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے۔لیکن جنسی تعلقات احرام سے فارغ ہونے کے بعد قائم کئے جانا چاہئیں اوریہی قول ہے عبداللہ ابن عباس اورابن مسعود کا۔''

یہاں قارئین یہ بھی نوٹ کرلیں کہ جناب امام محمد اسماعیل بخاری بھی ایسے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔لہٰذا اُنھوں نے اُن خودساختہ روایات کواپنی صحیح بخاری میں بالکل جگہ نہیں دی ہے جوحضرت عمر کے مذہب کی تائید میں تنخواہ دار،وظیفہ خوار روات اورمحدثین نے جمع کی ہیں۔اور جوموطآء ومسلم میں ملتی ہیں۔لیکن حنفیوں کا اُن پرعمل نہ کرنا اورامام بخاری کا اُن کو نہ لکھنا ہمارے لئے حرمتِ فاروقی کے ابطال پرکافی زبردست دلیل ہے۔

(ii) قارئین سے معذرت

ہمارا دل چاہتا ہے کہ جس انداز سے ہم نے مندرجہ بالا چار مسئلوں کولکھا ہے اُسی طرح حضرت عمر کی پوری شریعت سازی کی تفصیل پیش کرتے۔لیکن یہ کتاب برابر توقع سے زیادہ طول پکڑتی جارہی ہےاورہم ادارہ کی غربت کے خیال سے برابر مسائل میں کمی کرتے چلے آرہے ہیں۔لیکن اب یہ ارادہ ہے کہ عربی عبارتوں کوقطعاً چھوڑ دیا جائے۔مختصرترین اُردوعبارت لکھی جائے۔مگر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے اختصار کا مطلب سامان ودلائل وحوالجات کی کمی نہیں ہے۔بلکہ جس مسئلہ کوقارئین فرمائیں گے سینکڑوں صفحات کی تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔مذہبِ حق کے پاس دلائل وبراہین کی کبھی کمی نہ ملے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ عورتوں کے لئے حج کو مصیبت بنادیا گیا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اورصحیح بخاری دونوں کا بیان اور حدیث کا ترجمہ سُن کر یہ فیصلہ کریں کہ حضرت عمر حج کے احکام کوکس معیار پر لانا چاہتے تھے؟ قاسم بن محمد نے روایت کیا کہ:

''جس عورت نے نحر کے روز زیارت خانہ کعبہ کر لی اور اُس کے بعد اسے حیض جاری ہو گیا تو تمام صحابہ کا متفقہ فیصلہ تو یہ تھا کہ اُس کا حج مکمل ہو گیا۔ مگر اللہ عمر بن خطاب پر ترس کھائے جو یہ کہتے تھے کہ جب تک وہ دوبارہ طواف خانہ کعبہ نہ کرے اس کا حج نہیں ہوا'' اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ ''میں کہتا ہوں کہ اہل علم نے یہاں اس مسئلہ میں عمر کے فیصلے کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت صفیہ کے قصے کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔'' (مترجم ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 390-389 ناشر نور محمد)

مسئلہ نمبر 6۔ ہر قسم کی اور ہر عمر کی عورتوں کے نکاح کا اختیار ضبط کر لیا تھا

اللہ و رسولؐ نے ہر بالغ عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جائز رشتوں میں سے جس مرد سے چاہے نکاح کر سکتی ہے مگر حضرت عمر کی شریعت میں عورتوں کے اختیارات چھین کر انہیں مفلوج کر دیا ہے۔ اور بڑے واضح الفاظ میں اسکا سبب بھی ظاہر فرما دیا ہے۔

(الف) مشرکانہ ذہنیت پر فخر

ارشاد ہے کہ: قال عمر بن الخطاب مَا بقی من اخلاق الجاھلیّۃ شَیْئٌ اِلَّا اِنِّی لَسْتُ اُبالی اَیُّ النّسا نَکَحْتُ اَیُّھُمْ اَنکَحْتُ۔ ''کہا عمر بن الخطاب نے کہ جاہلیت کے اخلاق میں سے مجھ میں کوئی بات باقی نہ رہی سوائے اس کے کہ میں پرواہ نہیں کرتا کہ کس قسم کی عورت سے میں نے نکاح کیا ہے۔ اور کس قسم کے مرد کا میں نے (کس قسم کی عورت سے) نکاح کرایا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 407)

قارئین ہماری اصلاح فرمائیں ہم تو اس اعلان سے یہ سمجھتے ہیں کہ جنسی تعلقات یا نکاح کے معاملہ میں حضرت عمر قرآن و اسلام اور سنت رسولؐ کی قطعاً پرواہ نہ کریں گے۔ بلکہ آنحضرؐت کی بعثت سے پہلے جس طرح کے نکاح ہوا کرتے تھے۔ اُن کو جاری کر کے چھوڑیں گے۔ کیا شان ہے جناب خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کی کہ جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹانے کے لئے آئے تھے۔ جناب فاروق اعظم اُسی کو مستقلاً قائم کرنے اور اپنے اندر موجود ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں اور کیا کہنا اُس انتظام کا جس کی گرفت ہر گردن پر اس قدر مضبوط ہے کہ کسی کو مجال دم زدن نہیں ہے۔ اب اس کے بعد مسائل کا لکھنا ہمارے ایسے آدمیوں کے لئے تو ضروری نہیں ہے کیوں کہ یہ بیان کافی ہے مسلکِ فاروقی اور مسلکِ مصطفوی کے فرق کو سمجھنے کے لئے اور ساتھ ہی ایام جاہلیت اور ایام نبوت کو جدا جدا کرنے کے لئے آپ کے لقب فاروق اعظم کی

حیثیت بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔لیکن عام قاری اور مدعی حضرات کی تواضع کے لئے ہم شاہ ولی اللہ ہی کے قلم سے اس عنوان کے چند نمونے لکھتے ہیں۔تاکہ عنوان خالی نہ جائے۔(عربی عبارتیں کتاب میں دیکھیں)

(1) ''حضرت عمر نے اُس عورت کو نکاح سے باہر کر دیا جس نے ولی کی اجازت نہ لی تھی۔''

(2) ''حضرت عمر نے طے کر دیا تھا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں ہے۔''

(3) ''کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی خواہ وہ دسواں نکاح ہو۔''

(4) ''ایک شادی شدہ حاملہ عورت کے نکاح کو باطل قرار دیا۔شوہر وزوجہ میں جدائی کرادی اس لئے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہوا تھا۔''

(5) ''ایک عورت نے اپنی قوم کے ایک ذمہ دار آدمی کی معرفت اپنا نکاح کر لیا تھا۔ولی کی اجازت نہ لینے کی وجہ سے حضرت عمر نے دونوں کا نکاح حرام قرار دیا۔دونوں پر زنا کی سزا جاری کی اور جدا کر دیا۔''

(6) ''ایک عورت نے بلا گواہ اور بلا ولی کی اجازت کے نکاح کیا۔اس کو سو کوڑے لگوائے اور پوری مملکت میں فرمان بھیجا کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اُسے زنا کی سزا دی جایا کرے۔''

(7) ''حضرت عمر کا فیصلہ یہ تھا کہ کوئی عورت ولی کی اجازت یا اہل الرائے یا سلطان وقت کے حکم کے بغیر حرام ہے۔''

(8) ''یتیم لڑکیوں سے اجازت لے کر نکاح کیا جائے۔اُن کی خاموشی اُن کی اجازت ہے۔''

(9) ''حضرت عمر کے سامنے ایسے نکاح کا ذکر کیا گیا جس پر ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے۔کہا یہ پوشیدہ قسم کا نکاح ہے، ناجائز ہے، زنا کی سزا لازم ہے۔''

(10) ''یہ روایت غلط ہے کہ عمر نے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت نکاح میں جائز رکھی ہے۔''

(تمام حوالوں کیلئے مذکورہ ازالۃ الخفاء صفحہ 409-407)

(ب) ہمارا مسئلہ: <u>امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر علمائے اہل سنت کی مخالفت</u>

ہم اِن غیر اسلامی اور غیر انسانی تصورات پر قرآن اور حدیث سے بمباری کر سکتے ہیں۔لیکن اختصار کا ہاتھ ہمارا گلا پکڑے ہوئے ہے۔اسلئے یہ کہہ کر کہ جناب ابوحنیفہ اور تمام حنفی شریعت نے حضرت عمر کی مخالفت میں عورتوں کو نکاح کی آزادی دی ہے۔اور سنتِ رسولؐ کو حضرت عمر کے احکام پر ترجیح دینے والے علما میں سے علامہ ابن قیم کا مسلک ملاحظہ کیلئے پیش کرتا ہوں۔

(1) <u>والد کی طرف سے زبردستی کرایا ہوا نکاح رد</u>: ''صحیحین سے ثابت ہے کہ حضرت خُنساء بنت جذام کا اُن کے والد نے

نکاح کر دیا۔ حالانکہ اُنہیں یہ نکاح ناپسند تھا۔ اور یہ ثیبہ (کنواری نہ) تھی۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن کا نکاح رد کر دیا۔'' (زاد المعاد صفحہ 51 جلد 4 مترجمہ رئیس احمد)

(2) نوٹ ملاحظہ کریں: ''اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو شادی کے معاملہ میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ اُس کی مرضی اور اذن کے بغیر باپ بھی اس کی شادی نہیں کر سکتا۔ اور اسلام کی دی ہوئی اس آزادی کو خود مسلمانوں نے کس طرح چھینا ہے؟ اِسے کون نہیں جانتا۔'' (برابر صفحہ 51 چل رہا ہے)

(3) کنواری عورت بھی مختار ہے: ''نیز سُنن میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ اُسے پسند نہیں کرتی۔ نبیؐ نے اُسے نکاح توڑنے کا اختیار دے دیا۔ یہ واقعہ خنسا کے علاوہ دوسری عورت کا ہے یہ دو واقعات ہیں۔ ایک میں آپؐ نے بیوہ کو اختیار دیا۔ دوسرے میں کنواری کو بھی اختیار دیا۔

(4) ریمارکس سے لطف اندوز ہوں: ''ثیبہ تو خیر، بہر حال دانا و بینا عورت ہوتی ہے۔ لیکن کنواری لڑکی تک کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اگر والدین اس کی شادی خلافِ مرضی کر دیں تو وہ قاضی کی عدالت میں ایسے نکاح کو ختم کرا سکتی ہے۔ اسلام کے عورت پر بے شمار احسانات ہیں۔ اُن ہی میں ایک یہ عظیم و جلیل احسان بھی ہے جسے مسلمانوں نے ناک کے خیال سے غصب کر رکھا ہے۔ گویا اُن کی ناک اسلام سے بڑی ہے۔'' (زاد المعاد جلد چہارم صفحہ 51 مترجمہ رئیس احمد)

(5) باکرہ کنواری سے اجازت لینا لازم ہے: ''صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ باکرہ سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے۔'' (ایضاً جلد صفحہ 52)

(6) نکاح بغیر اذن جائز نہیں: ''کنواری اگر بالغہ عاقلہ سمجھ دار ہو تو اسکا والد اُسکی مملوکہ میں سے کسی معمولی چیز میں بھی اُس کی مرضی کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔ اور نہ اس کی مرضی کے بغیر اُسے اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ معمولی سی چیز بھی اپنی ملکیت سے خارج کر دے تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ والد اُسے کنیز بنا دے؟ اور اُس کی مرضی کے بغیر جس کو چاہے اس کی ملکیت میں دے دے۔ حالانکہ وہ شخص اُس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ اور وہ اُسے سب سے زیادہ مبغوض سمجھتی ہے۔ اس کے باوجود وہ جبراً اس کا نکاح کسی کے ساتھ کیسے کر دے گا۔'' (ایضاً صفحہ 53-52)

(7) عورت غیر مشروط طور پر آزاد ہے: ''زندگی کے جملہ معاملات میں یعنی نکاح، ملکیت، تجارت اور کاروبار، ہر چیز میں اسلام نے عورت کی انفرادیت غیر مشروط طور پر تسلیم کی ہے۔ خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ، اُس کی اِس پوزیشن میں نہ والدین مداخلت کر سکتے ہیں نہ شوہر نہ کوئی اور۔'' (ایضاً صفحہ 53)

مسئلہ نمبر 7۔ عورتوں کی کوئی شرط قابلِ اعتنا نہیں ہے۔ وعدہ خلافی حلال ہے

(1) حضرت عمر کا نکاح کی شرط کو نظرانداز کرنے کا حکم: ایک شخص نے عورت سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ اُسے اُس کے شہر سے کہیں دوسری جگہ نہ لے جائے گا۔ لیکن جب مرد نے حضرت عمر سے دریافت کیا تو انہوں نے اس شرط کو نظرانداز کرنے کا حکم دے دیا۔" (ازالۃ الخفاء مترجمہ جلد 3 صفحہ 412)

(2) رسولؐ اللہ کی مخالفت ہوئی یا نہیں؟ عَنِ النبیؐ قال اَحَقُّ ما اَوْفَیْتُمْ مِن الشروط اَنْ تُوفُوْابہ ما استحللتم بہ الفروج۔ (بخاری کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح جلد 2 صفحہ 774) "اُس شرط کا پورا کرنا سب سے ضروری ہے جس شرط کی وجہ سے تم پر عورت کا جسم حلال ہوا ہے۔ (حکم رسولؐ)

(3) حضرت عمر نے ایک عرب کی وجہ سے سنتِ رسولؐ ترک کر دی: معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر سنتِ رسولؐ پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ مگر عربوں کے طعن وطنز سے متاثر ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ اُنہوں نے پہلے تمام شرائط کو واجب الادا بتایا تھا۔ مگر ایک دعویدار نے اُن کو مَردوں کی رعایت پر مجبور کر دیا تھا۔ جب کہ ایک شخص اُن کے پاس آیا اور بیان کیا کہ ہم نے اِس عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ یہ اپنے گھر میں رہتی رہے۔ اور اب میرا یہ ارادہ ہو رہا ہے کہ میں اپنی زوجہ کو لے کر فلاں فلاں جگہ چلا جاؤں؟ حضرت عمر نے فرمایا کہ عورت کو اپنی شرط پوری کرانے کا حق ہے۔ (عمر نے کہا کہ شروط کے سامنے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔" ازالۃ الخفا جلد 3 صفحہ 412-411) اُس عرب نے کہا کہ اب مَردوں پر مصیبت آ گئی۔ اس طرح تو عورتیں مَردوں کو طلاق دے دیا کریں گی۔" (فتح الباری جلد 5 صفحہ 86)

مسئلہ نمبر 8 ۔ اللہ ورسولؐ کی مشہور مخالفت ایک جھٹکے میں تین طلاق عورت حرام

یہ مسئلہ بار بار مذکور ہوا ہے۔ یہاں اس پر علامہ ابن قیم کے چند جُملے اور ریمارکس قارئین کو دکھانا چاہتے ہیں۔ علامہ نے یہ مسئلہ شروع کرتے ہوئے جو جلی قلم سے عنوان لکھا ہے دیکھنے کی چیز ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(1) "تین طلاقیں ایک دفعہ میں" "شریعت کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کی بدترین مثال"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب": "محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔ آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ یوں کھیل رہا ہے؟"

(زادالمعاد مترجم جلد 4 صفحہ 182) اور سنئیے:۔

(2) قرآن کی خلاف ورزی: ''جو شخص قرآن کریم پر پوری طرح غور کرے گا۔ اُس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ شرع کے مطابق طلاق بعدِ خلوتِ صحیحہ وہ طلاق ہے جس میں رجعت ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقوں کا کہیں بھی حکم نہیں دیا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 185)

پھر آیات سے ثابت کیا ہے۔ پھر یہ بتایا ہے کہ تین طلاقوں پر امت میں کیا ردِ عمل ہوا :

(i) ''ایک مذہب یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہ آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی اور احمد حنبل) جمہور تابعین اور اکثر صحابہ کرام کا مذہب ہے۔'' (ایضاً صفحہ 187)

(ii) ''دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ بلکہ رد کر دی جائیں گی۔ کیونکہ بدعتِ محرمہ ہے۔ اور بدعت مردود ہے۔''

(iii) ''تیسرا مذہب یہ ہے کہ یہ تین طلاقیں ایک طلاق رجعی ہے۔ یہ مذہب ابن عباس، ابن اسحاق، طاؤس اور عکرمہ ابن تیمیہ کا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 187)

(iv) قیاس کے بھی خلاف ہے: ''اب رہا قیاس، سو اِس نقطہ نظر سے بھی تین طلاقوں کا بیک وقت جمع کرنا حرام ہے۔ اور بدعت ہے۔ اور ہر بدعت مردود ہے۔ کیونکہ حکم رسولؐ کے مطابق نہیں ہے۔'' (ایضاً صفحہ 189)

(3) ''مذہب امامیہ و اہلبیتؑ کا مسلک'': (علامہ نے لکھا کہ) ''لیکن ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کا قطعاً کسی صورت میں بھی واقع نہ ہونا امامیہ فرقہ کا مذہب ہے، اہلبیتؑ کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔'' (ایضاً صفحہ 190)

(4) ایک ایسی حقیقت جو تمام ملانٹوں اور مجتہدین کا ستیاناس کر ڈالتی ہے

علامہ نے **''تعارض حدیث اور عمل صحابہ''** کے عنوان کے ماتحت چیلنج کیا ہے، سُنیئے :

''تم کہتے ہو کہ اگر ہمارے سامنے متعارض حدیثیں ہوں تو ہم صحابہ کے عمل کو راہنما بنائیں گے۔'' یہ صحیح ہے۔ لیکن تمہیں یہ کب زیب دیتا ہے کہ ہمیں تو ایک امر کی دعوت دو اور خود ہی اُس سے روگرداں ہو جاؤ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی تو کم و بیش ایک لاکھ صحابہ موجود تھے۔ جنہوں نے آپؐ کو دیکھا تھا اور آپ سے سنا تھا۔ کیا تم اُن سب سے یا اُن کے دسویں حصہ سے (10000) یا دسویں کے دسویں حصہ (1000) سے یا دسویں کے دسویں حصے کے دسویں حصہ (100) سے بیک وقت لزوم طلاق ثلاث ثابت کر سکتے ہو؟ تم پوری کوشش کر ڈالو۔ بیس صحابی بھی، جو آپس میں گو مختلف الرائے ہوں ایسے نہیں ملیں گے جن سے تم اپنا دعویٰ نقل کر سکو۔ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارا کہنا سچ ہوگا کہ اس مسئلہ پر قدیم سے اجماع ہے۔ رسولؐ اللہ کے وقت سے لے کر ابوبکر صدیق کے عہد تک دو صحابی بھی ایسے نہیں ملیں

گے۔جنہوں نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے وقوع میں آنے کا اقرار کیا ہو۔اور اتفاق و اجماع کا یہ دور اس وقت تک ختم نہیں ہوا۔جب تک اختلاف رونما نہیں ہوا۔اور صحابہ کے دو قولوں پر ہونے کے باعث پہلا اجماع کہاں ٹھہر سکتا تھا؟ چنانچہ اُن کے مابین اختلاف پیدا ہوا (اور حضرت عمر اس اختلاف کا سبب بنے۔ابو عبداللہ) اور اختلاف مستقل و متواتر طور پر آج تک موجود ہے۔'' (زادالمعاد جلد 4 صفحہ 196-195) آخری عنوان لکھا:

''حضرت عمر کی رائے حدیث نہیں ہے'' (ایضاً صفحہ 196)

(5) <u>حضرت عمر کا فیصلہ سُن کر آگے بڑھیں:</u> شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ:

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیتا اور حضرت عمر کے پاس آتا تو وہ اُس کو خوب پیٹتے اور شوہر و زوجہ میں تفریق کر دیتے تھے۔مدینہ کے ایک مسخرہ نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔پھر وہ عمر کی طرف آیا اور کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔تو عمر نے اس کے دُرہ مارا۔اور زوجہ و شوہر میں تفریق کر دی۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 429)

مسئلہ نمبر 9۔ <u>اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی</u>

حضرت عمر نے قرآن کریم کے خلاف اور مُسلّماتِ صحابہ کی مخالفت میں حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ تم یہودی زوجہ کو الگ کر دو۔حُذیفہ نے جواب لکھا کہ کیا یہودی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے؟ پھر حضرت عمر نے فرمان بھیجا کہ میرے اس خط کو ہاتھ سے رکھنے کے قبل یہودیہ زوجہ کو چھوڑ دو۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 410)

مسئلہ نمبر 10۔ <u>دیہات و بیرونجات کے عربوں سے مہاجر عورتوں کا نکاح منع کر دیا</u>

جس طرح حضرت عمر اہل کتاب کی مومنات کے مسلمانوں میں آنے سے خائف تھے۔اُسی طرح وہ مہاجر عورتوں کو مدینہ سے باہر نہ جانے دینا چاہتے تھے۔اور یہ دونوں باتیں حقیقت نبوّت کو مشتہر کر کے نظام فاروقی کے خلاف سوچنے اور سوالات پیدا کرنے کا سبب بن جاتیں جو کسی قیمت پر منظور نہ تھی۔اس لئے آپ نے دونوں قسم کی عورتوں سے نکاح کی سخت ممانعت کر دی۔چنانچہ ''حضرت عمر نے فرمان بھیجا کہ اعرابی یعنی بیرونجات کا عرب، مہاجر عورت سے نکاح نہ کرنے پائے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 412)

مسئلہ نمبر 11۔ <u>عورتوں کے مہر پر پابندی؛ مقررہ مقدار سے زیادہ رقم ضبط کر لو</u>

حضرت عمر نے جنسی تعلقات میں جہاں مردوں کو سہولت اور آزادی فراہم کی وہیں عورتوں کو بے بس اور بے کس کر ڈالنے کا بھی پورا اہتمام کیا ہے۔چنانچہ آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر نے عورتوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرنے کے لئے

اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ایامِ شرک وکفر و جاہلیت (Dark Ages) کے قوانین وقواعد کو مستقلاً اختیار کیئے رکھنے کا اعلان کیا تھا۔اور پھر جہاں جہاں موقعہ ملا وہاں عورتوں کے ساتھ اپنا طریقہ استعمال کیا۔زیر نظر عنوان تک آنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ حضرت عمر اسلام سے پہلے حالتِ کفر وشرک میں عورتوں کے متعلق کیسے تصورات رکھتے تھے؟اور ساتھ ہی آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اُن کی ازواج کا اُن کے ساتھ اور اُن کی بیٹی کا رسولؐ اللہ کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔اور یہ کہ حضرت عمر نہ چاہتے تھے کہ عورتیں اس طرح آزادانہ اپنے شوہروں کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں اور سازشیں تیار کریں۔

صحیح بخاری سے یہ صورت حال پیش خدمت ہے:

''عبدالعزیز بن عبداللہ،سلیمان بن بلال،یحییٰ،عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے ابن عباس کو بیان کرتے ہوئے سُنا کہ میں ایک سال تک اس انتظار میں رہا کہ حضرت عمر بن خطاب سے ایک آیت کے متعلق پوچھوں۔لیکن میں اُن کی ہیبت کے سبب سے اُن سے نہ پوچھ سکا۔یہاں تک کہ وہ حج کے ارادہ سے نکلے تو میں بھی اُن کے ساتھ نکلا۔جب میں واپس ہوا اور ہم لوگ راستہ میں تھے تو وہ ایک پیلو کے درخت کے پاس رفع حاجت کے لئے گئے۔اور میں اُن کے انتظار میں کھڑا رہا حتّٰی کہ وہ فارغ ہوئے۔پھر میں اُنکے ساتھ چلا تو میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے وہ دو عورتیں کون تھیں۔جنہوں نے آپؐ کے خلاف دھڑا بندی کر لی تھی؟اُنہوں نے کہا کہ وہ حفصہ اور عائشہ تھیں۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں ایک سال سے یہ ارادہ کر رہا تھا کہ اس کے متعلق آپ سے دریافت کروں لیکن آپ کے ڈر سے پوچھ نہ سکا۔اُنہوں نے کہا ایسا کیوں نہ کیا کرو۔جس چیز کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ مجھے اُس کا علم ہے تو مجھ سے پوچھ لو۔اگر مجھے علم ہوگا تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔پھر حضرت عمر نے کہا: ''بخدا ہم جاہلیت کے زمانہ میں عورتوں کو کسی شمار میں نہ رکھتے تھے۔(مترجم نے لکھا ہے کہ ''عورتوں کا کوئی حق نہ سمجھتے تھے۔'') یہاں تک کہ اللہ نے اُن کے حق میں نازل فرمایا جو نازل فرمایا۔اور تقسیم میں اُن کا حصہ رکھا جو حصہ رکھا۔''

حضرت عمر نے اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن میں اپنے معاملہ میں کچھ سوچ رہا تھا۔اُس وقت میری بیوی نے کہا کہ کاش تم اس طرح اور اس طرح کرتے۔میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تُو کیوں میرے معاملات میں دخل دیتی ہے۔میں جو کرنا چاہتا ہوں وہی ٹھیک ہے۔اُس نے کہا کہ اے خطاب کے بیٹے مجھے تم پر تعجب ہے۔تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے سامنے تمہاری باتوں کا جواب تک دیا جائے۔تمہیں خبر ہے کہ تمہاری بیٹی،رسولؐ اللہ کی باتوں میں اُن سے جھگڑتی رہتی ہے۔یہاں تک کہ آپؐ کا سارا سارا دن رنج وتعب میں گزر جاتا ہے۔یہ سن کر حضرت عمر نے ایک چادر لی اور حفصہ کے پاس پہنچے۔اور کہا کہ اے بیٹی کیا تو رسولؐ اللہ کی باتوں میں جھگڑا کرتی ہے؟ یہاں تک کہ آپؐ کا سارا دن غصے میں گزر جاتا ہے؟حفصہ نے کہا کہ

خدا کی قسم ہم آپؐ کے ساتھ باتوں میں جھگڑا کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تو خبردار رہ میں تجھے اللہ کی سزا اور رسولؐ کے غضب سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ تجھے وہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے جس کو اُس کے حُسن نے رسولؐ اللہ کی محبت کے سبب سے مغرور کر دیا ہے۔ اُس حسین عورت سے عائشہ مراد تھیں۔'' (وغیرہ وغیرہ)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر بات المحترم) سورہ تحریم۔

ہم یہاں حضرت عائشہ وحفصہ کی کوششوں اور کاوشوں کا تذکرہ کر کے عنوان سے ہٹ جائیں گے۔ لہٰذا آپ صرف اس قدر نوٹ کر لیں کہ حضرت عمر نے اس بیان میں اپنا دردِ دل اور اُس غلط آزادی کا بیان پیش کیا ہے جو رسول اللہ نے اپنی ازواج کو دے رکھی تھی۔ اورانہوں نے طے کر لیا تھا کہ اختیارات ملتے ہی وہ مستورات کو ایام جاہلیت کے قواعد پر عمل کرائیں گے۔ اور قرآن کی دی ہوئی تمام رعایات میں شرطیں لگا لگا کر محروم کر دیں گے اور ہرگز اپنے خلاف اُنہیں دم نہ مارنے دیں گے۔ اسی اصول پر جناب عمر نے اعلان فرمایا کہ:

''عورتوں کے مہر میں حد سے نہ بڑھو۔ اگر مہر کے زیادہ مقرر کرنے میں کوئی بزرگی ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ میں شمار ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار محمد صلعم ہوتے۔ آپ نے اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح نہیں کیا اور نہ اپنی ازواج میں سے کسی سے نکاح کیا مگر بارہ اوقیہ چاندی (چار سواسی درہم) کا مہر مقرر کیا۔''

(ازالۃ الخفاء مترجم جلد 3 صفحہ 415 نور محمدی چھاپ)

یہی وہ مہر ہے جسے آج تک مجتہدین شرع محمدیؐ کا مہر کہتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد آپ کا عمل درآمد بھی دیکھ لیں۔ اِسی صفحہ پر ایک نہایت چالاک وفریب ساز شخص کا حال لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ:

(i) خواہش نفسانی کے لئے فریب سازی: ''اشعث بن قیس سفر میں ایک شخص کے ساتھی بنے۔ اُنہوں نے اُس شخص کی بیوی کو دیکھا تو اُن کو اچھی معلوم ہوئی۔ اُس شخص کا راستہ میں انتقال ہو گیا (کیوں؟) تو اشعث بن قیس نے اس کو نکاح کا پیغام دیا (عدت؟) تو اُس نے نکاح سے انکار کر دیا۔ بجز اس شرط کے کہ مہر اُس کے حکم کے مطابق ہوگا (یعنی وہ جو کچھ مانگے دینا پڑے گا) اشعث نے (اپنی جنسی خواہش کے لئے) اُس شرط پر نکاح کر لیا۔ پھر (کام نکل جانے کے بعد) اس کو طلاق دے دی قبل اس کے کہ وہ حکم کرتی۔ اس کے بعد کہا کہ اب تُو مہر کے متعلق حکم کر۔ (یعنی بتا کہ مہر کیا دیا جائے؟) اس نے کہا کہ میں یہ حکم کرتی ہوں کہ فلاں فلاں غلام دیا جائے۔ یہ غلام اُس کے باپ کے مال میں سے اشعث کو ملے تھے۔ اشعث نے کہا تو اُن کے بجائے اور کچھ لے لے تو اُس نے انکار کر دیا۔ تو اشعث صاحب حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین میں تین مرتبہ عاجز ہوا ہوں۔ فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ اشعث نے کہا 1: میں ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ فرمایا یہ ایسی

بات ہے جس پر تمہیں اختیار نہیں (لہٰذا تم قابل ہمدردی ہو) کہا کہ 2: پھر میں نے اُس سے اُس کے حکم پر نکاح کر لیا۔ پھر میں نے اس کو طلاق دے دی قبل اس کے کہ وہ مہر کا حکم لگائے۔ تو عمر نے فرمایا کہ وہ ایک عورت ہے مسلمانوں میں سے۔ شافعی نے کہا کہ عمر کی مراد یہ تھی کہ اس کا مہر عام مسلمان عورت کے برابر ہے۔ ابوبکر نخعی سے اور وہ روایت کرتے ہیں عمر سے اسی کے مطابق۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ عمر نے یہ کہا تھا کہ اس عورت کو راضی کرو۔ ابوبکر سیرین سے یہی روایت کرتے ہیں اور اس میں کہتے ہیں کہ عمر نے کہا تھا کہ اُس کا مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر ہوگا۔'' (ایضاً صفحہ 416-415)

اس روایت میں ابوبکر نے حضرت عمر کو بچانے کے لئے ایک روایت گھڑ دی۔ مگر دو روایات میں اور امام شافعی کے عمل میں اصل حق تلفی موجود ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو لازم تھا کہ وہ اشعث کی اس فریب سازی پر دُروں سے مار مار کر صبیغ والا حال بنا دیتے۔ اس لئے کہ اس کا سفر شرعی زنا کے ارادے سے تھا۔ پھر اس عورت کے شوہر کا سفر میں مر جانا اشعث کو مشکوک کرتا ہے۔ پھر سفر کا خاتمہ کہاں ہوا؟ سفر کے خاتمہ کو کتنا عرصہ گزرا کہ یہ چار سو بیس والا نکاح کر لیا۔ عدت کے زمانہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ پھر مجامعت کے فوراً بعد طلاق دینا ثابت ہے۔ مہر کی شرط کو کمزور کرنا طلاق میں مقصود ہے۔ لیکن بات وہی ہے کہ حضرت عمر عورتوں کے معاملہ میں ایام جاہلیت کے پابند تھے۔ اور مردوں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ عورتوں کو جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ اور کم سے کم مہر پر عورتوں کی عصمت لوٹتے رہیں۔ متعہ میں عورت مرد کے برابر اختیار رکھتی ہے۔ اور عورت کو برابر کے حقوق دینا منظور نہ تھا۔ اس لئے متعہ کو حرام کیا گیا تھا۔

(ii) <u>یہ قانون بھی قرآن کے خلاف تھا:</u> مہر کو کم از کم کرنے کا دوسرا حکم علامہ سیوطی نے یوں لکھا ہے کہ:

''حضرت عمر نے اعلان کیا کہ تم لوگ عورتوں کو چالیس اوقیہ چاندی سے زیادہ مہر نہ دو۔ جو زیادہ دے ہم اسے بیت المال میں جمع کرا لیں گے۔'' (درمنشور جلد 2 صفحہ 133)

حضرت عمر نے جس وقت منبر سے یہ اعلان فرمایا کہ کوئی شخص بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کرے گا تو وہ فاضل رقم کو بیت المال میں لے لیں گے۔ تو کہیں ایک بڑھیا وہاں موجود تھی یا اس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُس نے حضرت عمر کو ڈانٹتے ہوئے قرآن کی آیت سنائی اور پوچھا کہ ہم تمہارا حکم مانیں یا اللہ کا حکم بجا لائیں؟ حضرت عمر نے گھبرا کر فرمایا کہ اے لوگو گواہ رہو کہ مدینہ کی بڑھیا عورتیں بھی عمر سے زیادہ قرآن جانتی ہیں۔'' (فتح الباری جلد 5 صفحہ 78، صحیح بخاری کتاب النکاح باب قول تعالیٰ و توا النساء صد قا تھن حاشیہ 5۔ درمنثور۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر۔ کنز الاعمال وغیرہ وغیرہ)

ان تمام مقامات پر علما نے تسلیم کیا ہے کہ مہر کی کوئی حد ایسی نہیں ہے جو اسلام میں اللہ و رسوؐل کی طرف سے ممنوع ہو۔ چنانچہ رفتہ رفتہ حضرت عمر کا یہ قانون پٹ گیا۔ مگر اکثر قلوب و اذہان میں بطور ورثہ چلا آ رہا ہے۔ اور اکثر قرآن کریم اور سنت

رسولؐ کے خلاف قحطانی رگیں پھڑ کنے لگتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 12۔ حقیقی ماں بیٹیوں سے بیک وقت جنسی تعلقات کا جائز کرنا

اللہ نے قرآن میں اُن تمام عورتوں کی تفصیل بیان فرمادی ہے جن سے کسی صورت میں بھی جنسی تعلقات قائم نہیں کیئے جاسکتے (نساء 28-4/18، مائدہ 5/5 وغیرہ) اور آج تو مومن و کافر دونوں جانتے ہیں کہ ماں اور اُس کے بطن سے پیدا ہونے والی بیٹی سے جنسی تعلقات ہر صورت میں حرام ہیں۔ اسی طرح دو حقیقی بہنوں کو بیک وقت زوجہ یا جنسی تعلقات کے لئے جائز نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ:

''مَا بَقَیَ مِنْ اخلاق الجاهلیّة شَیْءٌ اِلّا اِنِی لَسْتُ اُبَالِیْ اَیُّ النِسَآء نَکَحْتُ وَاَیُّهُمْ اَنکَحْتُ '' عمر بن الخطاب نے کہا کہ جاہلیت کے اخلاق میں سے مجھ میں کوئی بات باقی نہیں رہی بجز اس کے کہ میں پرواہ نہیں کرتا کہ کس قسم کی عورت سے میں نے نکاح کیا اور کس قسم کے مرد کا نکاح کرایا۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم جلد 3 صفحہ 407)

اس اعلان کے بعد کسی رشتے ناتے کی فکر کرنا یا ماں بیٹی اور بہن میں تمیز کرنا قطعاً بے معنی بات ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کے یہاں مائیں بیٹوں کے لئے جائز تھیں۔ باپ اپنی بیٹیوں کو اپنی زوجہ بنایا کرتے تھے۔ حقیقی بہن بھائی جنسی تعلقات قائم کرتے تھے۔ چونکہ حضرت فاروق اعظم، جانشین خدا اور رسولؐ اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ میں ایام جاہلیت کا جنسی تعلق موجود تھا۔ اور اُن کے نزدیک یہ اسلام کے منافی نہ تھا۔ اس لئے جب اُن کے سامنے ایک شخص پیش ہوا اور سوال کیا کہ:

''میری مِلک میں ایک جاریہ (کنیز) ہے اور اُس کی بیٹی ہے۔ اور وہ دونوں مجھے بہت پسند ہیں تو کیا میں دونوں سے جماع کرسکتا ہوں؟ تو فرمایا کہ ایک آیت (او ماملکت ایمانکم) تو حلال کرتی ہے، اور ایک آیت (اَن تجمعوا الخ) حرام کرتی ہے۔ میرا اپنا حال یہ ہے کہ میں ایسے کام کے قریب بھی جانے والا نہ ہوں گا۔''

(ازالۃ الخفاء جلد 3 مترجم صفحہ 410،411)

آگے چل کر جناب ولی اللہ نے علامہ بغوی کے اعتراضات کے جواب میں جو آیات لکھ ماری ہیں، اُن میں سورۂ مومنون کی (23/6) اور سورہ معارج کی (70/30) حلال کرنے والی بتایا ہے اور سورۂ نساء کی (4/23) کو حرام کرنے والی آیت فرمایا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اِن آیات اور اُن کے ترجمہ کو خود قرآن میں دیکھ لیں۔ اور سوچیں کہ جن دو آیات کو حلال کرنے والی سمجھا ہے اُن میں ایک ہی عبارت ہے جو دو جگہ آئی ہے۔ اُس میں حلال و حرام؛ کرو نہ کرو کا کوئی حکم یا ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ پسندیدہ لوگوں کی تعریف ہو رہی ہے۔ البتہ اُن لوگوں کو پسند کیا ہے جو قرآن کے مطابق جنسی تعلقات میں پابندی کرتے ہیں اور

آزادروی اختیار نہیں کرتے۔ اُن دونوں آیات میں نہ ماں بیٹی کا بیک وقت زوجیت میں ہونا مذکور ہوا ہے اور نہ کہیں لفظ **جَارِیَہ** استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا ماں بیٹی کا بیک وقت جنسی تعلق کے لئے استعمال ہونا یا ہو سکنے کا امکان ہونا تو الگ وہاں تو جاریہ کے حلال ہونے کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور **مَا مَلَکَتْ اَیْمَان** کو جاریہ سمجھ لینا یا کنیزیں شمار کر لینا یہ عربی مشرکانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے۔ یہ قرآن کریم کی مخصوص ترکیب یا اصطلاح ہے۔ اِس سے نہ صرف جہادِ رسولؐ (ہر جنگ نہیں) میں گرفتار ہونے والی عورتیں مقصود ہیں بلکہ **ما ملکت اَیْمَان** میں گرفتار ہونے والے مرد اور بچے بھی داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مردوں کو عورتوں کی طرح استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بردہ فروشوں سے خریدی ہوئی عورتوں کو قرآن **ماملکت اَیْمَان** نہیں کہتا۔ بلکہ ان کو لفظ اِمآء سے ظاہر کرتا ہے۔ اور بردہ فروشوں سے خریدے ہوئے مَردوں کو عباد اور عبد کہتا ہے۔

وَاَنکِحُوا الْاَ یَامٰی مِنکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ o (نور 24/32) ''تم کنوارے مَردوں اور اپنے نیک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کر دو اگر وہ نادار ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ تو علمی حیثیت سے وسعتیں دینے والا ہے۔''

لہٰذا جناب شاہ ولی اللہ نے مندرجہ بالا آیات کو ماں بیٹی کا بیک وقت زوجہ بنایا جانا جائز کرنے کے لئے پیش کر کے اپنا مذاق اُڑایا ہے۔ اور سمجھا یہ ہے کہ وہ بھی حضرت عمر کی طرح ایک خلیفہ وقت ہیں اور کسی کی جرأت نہ ہوگی کہ اُن کی تصنیفات پر ناقدانہ نظر ڈالے اور اُن کے خلاف زبان کھولے۔

(i) <u>ایک اور لطیفہ</u>: حضرت عمر سے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ شخص اپنی کنیزوں میں سے دو حقیقی ماں بیٹی کو بیک وقت زوجگی میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اُنہوں نے ایک امرتی کی طرح گول جواب دے کر اُسے آزادی دے دی۔ یعنی وہ اگر ماں بیٹی کو بیک وقت جنسی تعلقات کے لئے استعمال کرلے تو بھی قرآن کریم کے مطابق ہوگا۔ اور اگر اس حرکت سے باز رہے تب بھی قرآن کی اطاعت ہوگی۔ لیکن جناب شاہ ولی اللہ نے یہ کہا کہ اُسے باز رہنے کی ضرورت نہیں۔ یعنی قرآن میں ماں اور بیٹی دونوں کو ساتھ ساتھ استعمال کرنے کی ممانعت ہے ہی نہیں۔ آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسے ولی اللہ کے ذمہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ اُنہوں نے ماں بیٹی کے حرام ہونے کے لئے آیت پیش کر دی ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہی تو لطیفہ ہے غور فرمائیں:

سوال: کیا ماں بیٹی بیک وقت کسی کے لئے جائز ہیں؟

جواب: دو بہنوں کو بیک وقت جائز نہیں کیا گیا ہے۔ (نساء 4/23)

منشاء: دو بہنیں بیک وقت حرام ہیں۔ ماں بیٹی حرام نہیں۔

ماروں گُھٹنا پھُوٹے آنکھ۔

چونکہ حضرت عمر کی بات شاہ ولی اللہ سے زیادہ وزن دار اور حضرت عمر کے اعلان کے مطابق ہے۔ اسلیئے ہم شاہ صاحب کی بات نہیں مانتے جو بزرگ یہ پرواہ نہ کرتا ہو کہ جنسی تعلق کس قسم کی عورت سے قائم کئے جائیں۔ اُسکے متعلق طرح طرح کی لیپاپوتی اور روایت سازی مذموم ہے۔ ساتھ ہی حضرت عمر کو محفوظ رکھنے کیلیئے قرآن میں اختلاف وتضاد ثابت کردینا بھی اچھی بات نہیں۔

(ii) حضرت عثمان بھی ماں بیٹی کو جائز سمجھتے اور کہتے تھے: اگر حضرت عمر نے ماں بیٹی اور دو بہنوں کو بیک وقت جائز نہ کیا ہوتا تو اُن حضرت کے حقیقی جانشین اس قانون کو جاری نہ رکھتے۔ اور صدیوں بعد تک اس قانون پر عمل جاری نہ رہتا۔ چنانچہ حضرت عثمان سے سوال ہوا کہ: اِنَّ رَجُلًا سأل عثمان بن عفان عن الاختين في ملك اليمين هَلْ يجمع بينهما ؟ فقال احلتها آية وما كنت لاصنع ذلك ۔فخرج مِن عنده فلقى رَجُلًا مِن اصحاب النبيؐ؛اراه على بن ابيطالب؛ فسأله عَن ذلك فقال لو كان اِلَيَّ مِنَ الامر شئ ثُمَّ وجدتُّ احدًا فعل ذلك لجعلتُه نكالًا ۔(تفسیر درمنثور علامہ سیوطی جلد 2 صفحہ 236)

''یقیناً ایک شخص نے عثمان بن عفان سے دو بہن کنیزوں کو بیک وقت استعمال کرنے کے لئے سوال کیا؟ تو جواب دیا کہ آیت نے دو بہنوں سے جماع کرنا جائز کیا ہے۔ مگر میں ذاتی طور پر ایسا نہیں کرتا۔ جب وہ شخص عثمان کے پاس سے باہر نکلا تو اُسے راستے میں صحابہ رسولؐ میں سے ایک شخص ملا؛ میں سمجھتا ہوں کہ وہ شخص علیؑ تھے۔ اُن سے بھی اُس نے وہی سوال کیا اور جواب بتایا اس پر علیؑ نے کہا کہ اگر میں اس حکومت میں صاحبِ اقتدار ہوتا تو ایسا کرنے والے کو ذلیل وخوار کرتا۔''

اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر کا جاری کردہ قانون اُن کی سنت کے طور پر قانون بنا رہا۔ اور اب یہ بھی کہنے کی ضرورت نہ رہی کہ ایک آیت ایسے جنسی تعلق کو حرام کرتی ہے۔ یعنی کھُلی چھٹی دے دی گئی۔ اور یہ جو فرمایا کہ میں (یا عمر) ایسا نہیں کرتے۔ یہ بات اس لئے اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی کہ سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جو کئی کئی گاڑیاں چلانے کی طاقت رکھتے تھے اور جواب دینے والے مقدس اور بوڑھے ضعیف ونا توان حضرات تھے۔ جنہیں عبادت کی وجہ سے ایک گاڑی چلانا بھی دوبھر تھی۔ چنانچہ آیئے اور دیکھئے کہ ایک جوان امیر المومنین نے کیا فرمایا؟

(iii) امیر المومنین معاویہ ماں بیٹی اور دو بہنوں کا استعمال جائز کرتے ہیں: اُسی تفسیر دُرِ منثور میں بتایا گیا ہے کہ حضرت معاویہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی کے پاس دو بہن کنیزیں ہیں۔ کیا وہ اُن دونوں کو استعمال کرسکتا ہے؟ فرمایا۔ اُن سے جماع کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (قَالَ لَيْسَ بِذٰلِكَ بَاسٌ) (ایضاً صفحہ 237)

(iv) ایک اور لطیفہ: حضرت عمر اور عثمان کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ آیت میں ''ماملکت ایمانھم'' عام ہے۔ اور عام میں ماں بیٹی اور حقیقی بہنیں وغیرہ سب داخل ہیں۔ لہٰذا ماں بیٹی اور دو بہنیں بیک وقت جنسی تعلق کے لئے جائز ہیں۔ ہم نے تو اس خودساختہ دلیل پر یہ کہا تھا کہ ماملکت ایمان میں عام ہونے کی وجہ سے قرآن کی آیات سے بھی مرد داخل ہیں۔ لہٰذا لطیفہ

یہ تھا کہ پھر مردوں اور دو حقیقی بھائیوں کو بھی اٹنشن کر لینا جائز ہوا۔ مگر جناب عبداللہ ابن مسعود سے کئی قدم اور کئی صدی آگے ہیں۔ عن ابن مسعود اِنّہ سئل عن الرجل یجمع بین الاُختین الامتین فکرھہ فقیل یقول اللّٰہ اِلّا ما ملکت ایمانکم ۔فقال و بعیرك ایضًا مماملکت یمینكَ۔ (ایضاً) جب اُنہوں نے دو بہنوں سے معاملہ ناگواری کا اظہار کیا تو سائل نے اونٹ سے ماملکت ایمان کو پیش کر دیا۔ جناب ابن مسعود نے کہا کہ بھائی اونٹ بھی تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت ہے نا'' آگے کیا ہوا نہ کہیں پینکھڑے اور نینے کا ذکر ہے نہ کسی سیڑھی کا تذکرہ ہوا ہے۔

بہرحال امام احمد بن حنبل تک اس قانون کے چلے آنے کا ریکارڈ ملتا ہے۔ (فتح الباری جلد 5 صفحہ 55)

مسئلہ نمبر 13۔ کوئی عربی شخص کنیز سے نکاح نہ کرے گا

قرآن کریم کی واضح آیات، سُنتِ رسولؐ اللہ اور تمام صحابہ کے عمل درآمد کے خلاف حضرت عمر نے شریعت کو منسوخ کر کے تمام عربوں کو بذریعہ فرمان متنبہ کیا کہ آئندہ کوئی عربی نسل کا شخص غیر عرب یا عربی کنیز سے نکاح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شاہ صاحب بھی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر نے منع کیا اس سے کہ کوئی عرب باشندہ باندی سے نکاح کرے۔ عمر نے کہا کہ جس غلام نے آزاد عورت سے نکاح کر لیا تو وہ غلام آدھا آزاد ہو گیا۔ اور جس آزاد نے باندی سے نکاح کیا وہ آدھا غلام ہو گیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 409)

ہر شخص حضرت عمر کے اس حکم کو خلاف قرآن وسنت سمجھنے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے کنیزوں سے نکاح کیا اور اولاد ہوئی۔ تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا سوائے اُن حضرات کے جو ایام جاہلیت کو پیارا سمجھتے تھے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام میں دو اماموں کے علاوہ تمام آئمہ علیہم السلام کی مائیں کنیزیں بلکہ غیر ملکی کنیزیں تھیں۔

بہرحال ہمیں یہاں دو باتیں بتانا ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت عمر نے صاحب اولاد کنیزوں کے شوہروں کو منع کر دیا تھا کہ وہ اُنہیں فروخت کریں۔ فروخت بند ہو جانے سے اُن کنیزوں کو ہمیشہ ساتھ رکھنا لازم تھا۔ ساتھ رکھنے سے اُن کنیزوں کے تصورات اور اُنکے اپنے قومی عقائد کا بچوں میں پھیلنا اور آزادی کی ہوا کا چلنا بھی لازم تھا۔ اسلئے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ حضرت عمر نے یہ خدشہ جڑ سے ختم کر دیا۔ دوسری بات یہ بتانا ہے کہ عربی دستور یہ تھا کہ جس عورت کو خرید لیا جائے اُس سے نکاح کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُدھر بردہ فروش کو رقم ادا کی اور اِدھر معاملہ شروع۔ نہ عدت نہ مہر نہ وراثت۔ جب دل بھر گیا فروخت کر دیا۔ اس سے اولاد ہو گئی تو بچوں کو بھی الگ سے یا ساتھ ہی بردہ فروشوں کو بیچ دیا۔ حالانکہ قرآن کریم سے حکم عام سورہ نور (24/32) سے ذرا دیر پہلے دکھایا گیا تھا۔ اگر مسلمانوں نے اللہ کے اُس حکم پر عمل کرنا لازم سمجھ لیا ہوتا تو کوئی عورت کنیز کی

صورت و حالت میں نہ رہتی ۔ یہ حکم کہ اپنے کنواروں اور کنیزوں اور غلاموں کا نکاح کر دو عام تھا۔تمام مسلمانوں کو حکم تھا۔مگر ......مگر دورانِ نزولِ قرآن مجتہد موجود تھے۔اور ہر حکم کی صورتیں واقسام بنا بنا کر احکام کو نافذ نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ بحث ہو چکی ہے۔ یہ تھا منشا نکاح سے منع کرنے کا کہ لطف اندوزی تو جاری رہے۔ جیب بھی گرم رہے بغل بھی گرم مگر نکاح کی ذمہ داریوں سے محفوظ رہیں۔ جب چاہا ٹکے سیدھے کئے اور نکال باہر کیا ۔ رِند کے رِند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ کا مقرر کردہ حقِ رسولؐ یعنی خمس ضبط کر لیا گیا

اللہ نے قرآن میں فرمایا تھا کہ:

> ''اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے۔اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور اُن کے قریبی عزیزوں و یتیموں اور مسکینوں و ابن سبیل کے لئے مخصوص ہے۔''
>
> (سورہ انفال 8/41)

تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ پانچواں حصہ رسولؐ اللہ کی صواب دید اور حکم خدا کے مطابق خانوادۂ رسولؐ پر صرف ہوتا تھا۔مگر قومی حکومت قائم ہوتے ہی حضرت عمر نے جہاں حضرت فاطمہؑ کو علاقہ فدک کی آمدنی سے محروم کیا وہیں یہ اللہ ورسوؐل کا پانچواں حصہ بھی ضبط کر لیا تھا۔اور پھر اُن کے جانشینوں نے جس طرح اُن کے ہر خود ساختہ قوانین کی تائید میں روایت سازی اور فتویٰ بازی کر کر کے عمریں گزاریں وہیں خمس کی ضبطی کو جائز قرار دینے کے لئے دین کے مسائل میں کافی تحریف وتبدیل کو جاری کیا۔مگر حق کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس مسئلہ پر بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہوتی رہی ہیں۔مگر ہمیں اُن بحثوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہمیں وہ مقام دکھایا جائے جہاں اللہ نے کسی مسلمان کو یہ حق دیا ہو کہ وہ اپنی ذاتی یا جماعتی یا ملکی و قومی ضرورت و مصلحت سے خانوادۂ نبوتؐ پر خمس بند کر دے؟ جو قرآن سے ایسا حکم نہیں دکھا سکتا وہ لاکھ روایات وخود ساختہ مصالح بیان کرے،ہمیں اسلئے قبول نہیں کہ کوئی روایت قرآن کے واضح احکام کو منسوخ کر دینے کی طاقت نہیں رکھتی۔ بہرحال ہم ولی اللہ صاحب کی کتاب (ازالۃ الخفاء جلد سوم) سے خمس کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں۔ پڑھتے اور فیصلہ کرتے جائیں۔

(i) <u>خمس کی تقسیم حاکمانہ ترمیم کے ساتھ</u> : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خمس کے پانچ سہام (حصے) کئے جاتے تھے۔اللہ ورسوؐل کا ایک حصہ اور ذوی القربیٰ کا ایک حصہ اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے تین حصے۔'' (صفحہ 469)

یہ <u>برابر</u> کے پانچ حصے قومی مصلحت کے ماتحت گھڑے گئے ہیں۔ اگر ہمیشہ ایسا کیا جاتا تو خانوادہ رسولؐ میں کبھی فاقہ کی نوبت نہ آتی۔ بہرحال مان لیں۔مگر اختیار بہرحال رسولؐ اللہ کے لئے ماننا ہوگا۔خواہ وہ دس حصے کریں یا ایک حصہ۔

(ii) حکومت پر قبضہ کے بعد رسولؐ اور اہلبیتؑ کا حصہ ضبط کرلیا گیا: ''پھر خمس کو ابوبکر صدیق، عمر الفاروق اور عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم نے تین سہام (حصوں) پر تقسیم کیا۔ اور رسوؐل کا حصہ اور اقربائے رسوؐل کا حصہ ساقط کردیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 469)

بس قارئین! یہاں عنوان مکمل ہوگیا۔ اب یہ کون بتائے کہ صحابہ ثلاثہ کو اللہ و رسولؐ اور اقربائے رسوؐل کا حصہ ساقط کرنے یا بند کرنے کا اختیار کہاں سے ملا تھا؟ اور قرآن کے حکم کو کس حکم سے منسوخ کیا تھا؟ اس کے باوجود ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم خلفائے ثلاثہ کی حکومت کو اللہ و رسوؐل کی حکومت سمجھو اور حق چار یار کا نعرہ مارا کرو۔

(iii) امام شافعی میں خلفائے ثلاثہ پر تنقید کرنے کی جرأت قابل دید ہے

شاید قارئین کو یہ معلوم نہ ہو کہ جناب امام شافعی حضرت عبدالمطلب کے خاندان سے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ کبھی کبھی وہ جمہوری طرز فکر کی پیروی سے سرکشی کرتے ہوئے پائے جاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے امام شافعی کی ایک بحث کو ذرا ہاتھ کی صفائی کے ساتھ لکھا ہے۔ امام شافعی اپنے مخاطب سے کہتے ہیں کہ:

''تمہیں معلوم ہے کہ ابوبکر نے آزاد و غلام اور تمام مسلمانوں پر برابر کے حصوں میں تقسیم جاری رکھی تھی؟ اس نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ شافعی نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ عمر نے غلام کا کوئی حصہ نہ رکھا اور باقی مسلمانوں میں بعض کو بعض سے زیادہ دینا شروع کیا تھا۔ اس نے اقرار کیا۔ شافعی نے کہا کہ علیؑ نے سب کو پھر برابر بانٹنا شروع کردیا تھا۔ اُس نے مان لیا۔ پھر کہا کہ علیؑ نے دونوں کے خلاف اعمال کیئے۔ اُس نے کہا کہ ہاں کیئے۔ شافعی نے کہا کہ عمر نے ام الولد کی فروخت بند کی تھی اور علیؑ نے اس کے خلاف کیا تھا۔ اس نے یہ بھی مان لیا۔ گفتگو کرتے کرتے آخر امام شافعی نے کہا کہ تم قدیم زمانہ اور جدید زمانہ کے اہل علم کا یہ طریقہ جانتے ہو کہ جب کوئی شئے منصوص ہوتی ہے کتاب اللہ میں اور رسولؐ اللہ کی زبان یا آپ کے عمل سے واضح شدہ بھی ہو کیا وہ سوالات اور اعتراضات سے مستثنیٰ نہیں؟ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے اہل علم پر کتاب اللہ اور رسولؐ کا اتباع فرض کیا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں میں جانتا ہوں۔ شافعی نے کہا کہ تم کتاب اللہ کی دو آیتوں میں پاتے ہو کہ ذوی القربیٰ کے حصے فرض کیئے گئے ہیں؟ اور خوب واضح شدہ ہیں (انفال 8/41، حشر 59/7)۔ رسولؐ اللہ کی زبان اور آپ کے فعل سے۔ اور تمہیں زُھری اور ابن المسیب اور جبیر بن مطعم خبر دیتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے رسولؐ اللہ اور ذوی القربیٰ کا حق وحصہ ساقط کردیا اور غیروں کو دینا شروع کردیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 475-472)

قارئین بآواز بلند اعلان کریں کہ:۔

اللہ، رسوؐل اور قرآن کے مقابلہ میں حضرت عمر زیادہ بزرگ تھے؟؟

مسئلہ نمبر 15۔ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا دیوار سے رگڑنا

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ اگر ہم حضرت عمر کے جاری کردہ قوانین اور شریعت اسلامی میں ترمیم و تنسیخ کو مندرجہ بالا طریقہ سے جاری رکھیں تو کم از کم سو صفحات مزید درکار ہوں گے۔ التماس ہے کہ اس کو کسی دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھا جائے اور اب چند وہ تبدیلیاں سامنے لائیں جو نماز و روزہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے طہارت کے سلسلے میں بات کریں گے۔ چونکہ حضرت عمر بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر بیٹھ کر پیشاب نہ کرتے تھے۔ اس لئے حاشیہ نشینانِ دربارِ خلافت پر لازم ہوگیا کہ وہ ایسی روایات اُمت میں پھیلائیں جن سے حضرت عمر کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا رسولؐ کی سُنت بن جائے۔ اس کا توڑ کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:

قَالَتْ مَنْ حد ثکم اِنَّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کَانَ یَبُوْلُ قَآئِمًا فَلا تَصَدَّ قُوْہ مَاکان یبول الا قَاعِدًا۔

''اگر تم سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے کہ رسولؐ اللہ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرنا یعنی اُسے کاذب سمجھنا اس لئے کہ رسولؐ اللہ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم مع شرح نووی جلد اوّل صفحہ 133 نور محمد)

(i) حضرت عمر کا حال: مندرجہ بالا بیان کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:

(1) اِنَّہُ بَالَ قَائِمًا لکونھا حالۃ یومن فیھا خروج حدث۔ (2) لِذٰ لك قال عمرؓ البول قائِمًا احصن لِلدُّ بر۔

1 ''یقیناً اُنہوں نے کھڑے کھڑے پیشاب کیا اس وجہ سے کہ اِس حالت میں پاد نکلنے سے حفاظت رہتی ہے۔

2 : وہی وجہ مدنظر تھی جو حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا چوتڑوں کی بندش ٹھیک رکھتا ہے۔''

(ii) حضرت عمر اور ساتھی: ابن المنذر نے بیان کیا ہے کہ: فَثَبَّتَ عَنْ عمر رضی اللّٰہ عنہ وزید بن ثابت وابن عمر وسھل بن سعد انھم بَالُوا قَآئِمًا۔ ''یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت عمر اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر اور سہل بن سعد وغیرھم کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 133)

اور یہ بھی اسی جگہ ہے کہ ابراہیم بن سعد کھڑے کھڑے پیشاب کرنے والوں کی شہادت قبول نہ کرتے تھے۔ اور یہیں پر بقول حضرت عائشہ بہت سی جھوٹی باتیں لکھی ہیں کہ کسی طرح اس فعل کی شرمناکی کم ہوجائے۔ یہ بھی مان لیا ہے کہ اُس زمانہ میں سارا عرب اسی پر عمل کرتا تھا۔

(iii) شاہ ولی اللہ کا ارشاد سنئے: ''بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے حضرت عمر سے اور یہ مشہور حدیثوں میں سے ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں کھڑا ہوکر پیشاب کر رہا ہوں تو فرمایا کہ اے عمرؓ کھڑا ہوکر پیشاب نہ کر۔'' (ازالۃ الخفا جلد 3 صفحہ 316 مترجم نور محمد)۔ اس ممانعت کی حیثیت چونکہ اُن مصلحتوں کے خلاف تھی جو اوپر لکھی گئیں اور یہ رسولؐ

اللہ کی ذاتی بصیرت کی ممانعت تھی لہٰذا درخورِ اعتنا نہ ہوئی۔

(iv) دیوار سے رگڑ کر استنجا کرنا: شاہ ولی اللہ صاحب ابوبکر یسار بن نمیر کی روایت لکھتے ہیں کہ عمرؓ جب پیشاب کرتے تو اپنے ذَکر کو دیوار یا پتھر سے صاف کرتے اس حال میں کہ اُس کو پانی نہ لگا تھا۔ شاہ جی صورتِ حال کی مرمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میں کہتا ہوں کہ اہل سنت نے ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اجماع کرلیا ہے۔ ورنہ اس کے جواز میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اور ڈھیلے، پتھر اور دیوار سے رگڑ کر استنجا کرنا صرف حضرت عمر کا اپنا ذاتی مذہب ہے۔ دیوار سے استنجا کرنا معلوم ہوا تو علما نے دیوار پر قیاس کر کے ڈھیلے سے مطابقت کرلی ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 316)

مسئلہ نمبر 16۔ پاؤں پر مسح کرلو تو وضو باطل؛ موزوں (جوتوں) پر مسح کرلو تو وضو صحیح

قرآن کریم میں مُنہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم موجود ہے۔ اور سر پر اور پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ اور پانی نہ ملنے یا بیماری وغیرہ کی حالت میں جن اعضاء کو دھونا تھا۔ ان پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ اور جن پر مسح کا حکم تھا۔ ان کو نظر انداز کر دیا گیا۔

.....فاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔.....

فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ۔ (سورہ مائدہ 5/6)

لیکن حکومت کے تنخواہ دار وظیفہ خوار علما اور گورنروں نے حضرت عمر کے عملدرآمد کو نافذ کرنے کے لئے جہاں ہزاروں روایات گھڑ کر سرکاری ریکارڈ میں رکھیں وہیں قرآن کے الفاظ و آیات کے قدیم اور معروف و مشہور معنی کو بھی بدل دیا۔ مندرجہ بالا آیت کا جب سب سے پہلے اُردو ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر نے اپنے اُردو ترجمہ میں لکھا تھا۔ تو وہاں ترجمہ میں پیروں کو دھونا نہیں بلکہ ملنا لکھا تھا۔ اور آج تک وہ ایڈیشن موجود ہے۔ مگر پاکستان بن جانے کے بعد سرکاری ذہنیت کے علما کے دباؤ سے تاج کمپنی نے پہلے بریکٹ میں دھونا لکھا۔ اور چند سال بعد تکلف برطرف کھُل کر بلا بریکٹ دھونا لکھ دیا۔ یعنی نزولِ قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک قرآن کو مار مار کے حضرت عمر کا کلمہ اور نماز پڑھانے کا سلسلہ جاری ہے۔ بتایئے قرآن میں معنوی تحریف کرنے والے گروہ کے علما پر کیسے یہ اعتبار کیا جائے کہ اپنی گھریلو کتابوں میں غلط روایات کی بھرمار نہ کریں گے۔ لیکن اس کثرت، غلبہ و اقتدار حکومت کے باوجود محافظینِ اسلام کا انتظام اتنا خاموش اور مستحکم تھا کہ باطل کی تمام قوتیں حق کو نہ مٹا سکیں۔ خود خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم کی اولاد و ازواج حق کی تائید میں کھڑے ہوگئے۔ اور رازہائے درونِ پردہ منکشف ہوگئے۔ ذرا ایک بات سنئے:

''سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر میں موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا۔ سعد نے کہا کہ میں موزوں پر مسح کرتا ہوں۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ مجھے موزوں پر مسح کرنا پسند نہیں ہے۔ پھر دونوں عمر بن الخطاب کے پاس فیصلے کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اپنا اپنا عمل پیش کیا تو عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر سے کہا

کہ تیرے چچا سعد بن وقاص تجھ سے زیادہ فہمیدہ اور سمجھدار ہیں۔'' (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 316)

قارئین غور فرمائیں کہ حضرت عمر بیٹے کو نہ کسی آیت کا حوالہ دیتے ہیں نہ حدیث رسولؐ سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ بزرگی کے ذریعہ اپیل کرتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بیٹے تم اسلام واستدلال کے چکر میں ہو۔ تمہارے چچا تم سے زیادہ اُن مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہیں جن کی وجہ سے میں نے اسلامی وقرآنی شریعت کو قومی وملکی مصالح پر ڈھالنا شروع کیا ہے۔ حضرت عمر نے اپنے حلقہ فکر میں یہ عقیدت پیدا کر دی تھی کہ لوگ اُن کے فیصلوں کے لئے یہ سوچنے لگے تھے کہ فلاں فیصلے کے لئے اگر ہمیں قرآن اور حدیث میں ثبوت نہیں ملتا تو نہ ملے۔ حضرت عمر نے ضرور کسی نہ کسی آیت یا حدیث یا عمل رسولؐ کے مطابق فیصلہ کیا ہوگا۔ چنانچہ اس عقیدت اور طرز فکر کا ثبوت اسی مسح کی بحث میں موجود ہے۔ علامہ بیہقی کو جب کسی طرح وہ دلیل معلوم نہ ہو سکی جس کے ماتحت موزوں پر مسح کی لامحدود مدت مقرر کر دی تھی تو اُنہوں نے لکھا کہ:

''میں خیال کرتا ہوں کہ عمر کے پاس جب توقیت (وقت مقرر کرنے) کے بارے میں کوئی مضبوط وجہ آ گئی تو اُنہوں نے اُس کی طرف رجوع کر لیا۔'' (ایضاً صفحہ 317) چھٹی ہوگئی۔

اب بتائیے کہ جب ایسے عقیدت مند لوگ موجود ہوں تو حق وباطل کی تمیز کا خیال کیسے، کِسے اور کیوں آئے گا؟ چنانچہ حضرت عمر کا ہر خیال اور ہر بات اسلامی شریعت کا قانون بنتا گیا۔ اور تمام لوگ صُبیغ کی طرح خاموش رہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ شرمناک؛ جہالت مآب جنسی مسئلہ

جہاں کوئی بھی اسلامی بحث ہوتی ہے، کوئی صحیح فیصلہ مطلوب ہوتا ہے تو قارئین نے بار بار دیکھا ہوگا کہ ایسے مواقع پر علما صحابہ کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔ اور عوام کے قلب وذہن پر صحابہ صحابہ کا نعرہ اس طرح مسلط کر دیا ہے کہ ہر اچھے خاصے دانش مند لوگ تحقیق وتفتیش کے تمام ہتھیار زمین پر رکھ کر سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ:

''فلاں مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا ہے۔ فلاں بات صحابہ کے مشورہ سے یوں طے پا گئی ہے۔''

تو لاعلم مسلمان چپ چاپ مانتے چلے آرہے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ ڈنڈے کے زور سے یہ فیصلہ اُمت پر ٹھونس دیا گیا ہے کہ ''صحابہ تنقید سے بالا ارفع واعلیٰ ہستیاں ہیں۔'' حالانکہ قرآن کریم موجود ہے، یہ سرکاری تاریخ موجود ہے، یہ عقل انسانی موجود ہے یہ فیصلہ بھی موجود ہے کہ صحابہ خاطی تھے معصوم نہ تھے۔ مگر لفظ صحابہ کا رعب وداب علمائے شیعہ وعلمائے اہلسنت برابر جمائے چلے آرہے ہیں۔ ہم اور تمام اہل عقل وباضمیر لوگ کسی ہستی کو تنقید وتبصرے سے بالا ارفع واعلیٰ نہیں سمجھتے۔ بہرحال شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیان دو صفحات (319-317) پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کو پڑھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ حضرت علیؑ ومعاذؓ اور حضرت عائشہ کے علاوہ مع جناب عمر تمام صحابہ وصحابیات وازواج رسولؐ یہ نہیں جانتے تھے کہ اگر کسی وجہ سے شوہر وزوجہ اپنے جنسی تعلق کے دوران بلا

فراغت الگ الگ ہو جائیں تو اب اس صورت میں اُن پر غسل جنابت واجب ہوگا یا نہیں؟ اس لاعلمی پر عہد رسولؐ گزرا۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے دو اڑھائی سال گزرے خود حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ گزر رہا ہے کہ اب آ کر یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوا کہ آیا بلاانزال غسل واجب تھا یا نہیں؟ قارئین ذرا حساب لگائیں اور ہمیں بتائیں کہ اس مدت دراز میں یہ حضرات کتنی دفعہ ایسے حالات سے دو چار ہوئے ہوں گے؟ اور اُن میں سے کتنے لوگ برابر پاک رہے ہوں گے؟ اور پھر اُن میں کتنے آدمیوں کی وضو، غسل اور نماز صحیح ہوئی ہوگی؟ یعنی ایک اندھیر نگری اور چوپٹ راجہ والی مثال بالکل صادق آ رہی ہے۔

آخر سوال اٹھا۔ حضرت علیؑ و معاذ کی بات کوئی نہیں سنتا اس لئے کہ اس بات پر اجماع ہے۔ اُن پاکیزہ خصال لوگوں کا اجماع ہے کہ غسل جنابت واجب نہیں ہے۔ مگر اللہ بھلا کرے حضرت عمر کا کہ آج انہیں یہ خیال آ گیا کہ تمام مقدس صحابہ کو جمع کریں اور تحقیق حال کریں۔ صرف دو صحابی مخالف ہیں کثرت ایک طرف ہے۔ اور سینہ ٹھونک کر کہا جا رہا ہے کہ ہم عہد رسولؐ میں بھی غسل جنابت نہ کیا کرتے تھے۔ ''اللہ کی طرف سے یعنی قرآن میں کوئی حکم نہیں آیا۔ رسولؐ اللہ نے کوئی ممانعت نہیں کی۔''

یہ سُن کر حضرت عمر نے دریافت کیا کہ:۔ کیا رسولؐ اللہ اس کو جانتے بھی تھے؟ یعنی کیا آنحضرؐت کو معلوم تھا کہ آپ حضرات غسل جنابت کے بغیر ماشاء اللہ نمازیں روزے اور حج و دیگر عبادات بجالا رہے ہو؟

قارئین شکر بجالائیں۔ اگر کہیں یہ کہہ دیا ہوتا کہ جی ہاں میں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں (لا باس بہ) تو غضب ہو جاتا۔ اور تا قیامت یہ پوری اُمت ناپاک رہتی۔ جس طرح ہزاروں اہم مسائل کا انکار، اجماعی انکار کر کے امت کو خسارہ میں رکھا ہے۔ اُسی طرح یہ ناپاک مصیبت اُس پر مستزاد ہو جاتی۔ جب حضرت علیؑ کی بات بھی نہ مانی گئی تو اُنہوں نے حضرت عمر کو (بقول ولی اللہ اینڈ کمپنی) یہ مشورہ دیا کہ آنحضرؐت کی ازواج سے دریافت کر لیا جائے۔ ذرا سوچیے کہ وہ کونسی زبان ہوگی؟ اور وہ کون سا دل ہوگا؟ جس نے حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ سے یہ شرمناک اور گھریلو مجبوری کی بات معلوم کی ہوگی؟ بہرحال اب حضرت علیؑ کی بات پر فیصلہ ہو گیا اور حکم صادر ہوا کہ:

''میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں لایا جائے گا۔ جس نے ایسا کیا ہو مگر میں اس کو سخت سزا دوں گا۔''

یہ ہے صحابہ کا وہ مقدس گروہ جس کے اجماع اور شوریٰ کی دُہائی دی جاتی ہے۔ اس کتاب سے فارغ ہو کر ہم انشاء اللہ والا امام علیہ السلام ''صحابۂ رسولؐ کا علمی مقام'' نام کی کتاب لکھ دیں گے تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں شیعہ سنی ریکارڈ سے صحیح پوزیشن سامنے آ جائے۔

مسئلہ نمبر 18۔ غسلِ جنابت کی جگہ تیمّم کرنے کی ممانعت خواہ ایک ماہ پانی نہ ملے

شاہ ولی اللہ صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ:

''جنبی (جنابت کی حالت والا شخص) تیمّم نہ کرے گا اگرچہ مہینہ بھر تک پانی نہ پائے۔'' (مسلسل لکھتے ہیں کہ) اور روایت کیا گیا ہے۔ چند وجوہ سے کہ عمارؓ نے عمر کے سامنے خاک میں لوٹنے کا قصہ ذکر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ تیرے لئے کافی تھا کہ ایسا کر لیتا تو عمار کے قول پر عمر مطمئن نہ ہوئے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 322-321)

قارئین سوچیں کہ جب حضرت عمر نے یہ اعلان کیا تھا تو عمار کے علاوہ کسی اور صحابی نے حضرت عمر کو کیوں نہ ٹوکا؟ اور اب حضرت عمر نے کیوں تمام صحابہ کو جمع کر کے اجماعی حکم نہ دیا؟ اور کیوں ازواج رسولؐ سے معلوم نہ کیا؟

<u>یہ حکم آخر ایک سو سال کے بعد رد کر دیا گیا:</u> شاہ صاحب گھبرا کر فرماتے ہیں کہ:

''میں کہتا ہوں کہ چاروں فقہا (ابوحنیفہ، مالک امام شافعی اور احمد حنبل) نے عمر کے قول کو ترک کر دیا۔ کیونکہ اُنہوں نے اُس کو اُس روایت کے خلاف پایا جو مسند عمران بن حصین وابوذر وعمرو بن العاص وغیرھم سے رسولؐ اللہ کا جنبی کو تیمّم کا حکم دینا جب کہ وہ پانی نہ پائے صحت کے ساتھ ثابت ہے۔'' (ایضاً صفحہ 322)

یہاں یہ سوچنا غلط ہے کہ نہ معلوم ایسے کتنے فاروقی احکام ہوں گے جن کے خلاف تنخواہ خور علما کو احادیث نہ ملی ہوں گی۔ یا حدیث تو ملی ہوں گی مگر راوی اُن کے اپنے مکتب فکر کا نہ ہوگا۔ یا یہ کہ پاسِ مذہب اور تعصب کی بنا پر احادیث کی تاویل کر کے منشائے رسوؐل کا رخ گھما دیا ہوگا۔ بہرحال جناب شاہ صاحب چاروں فقہا کو اور تمام اہلسنت کو غلط کار ثابت کرنے کے لئے ذرا سا عقیدت مندی اور علم غیب کا سہارا لیتے ہیں سنئے:

''عمر رضی اللہ عنہ کی شان اس سے بلند ہے کہ اُن پر یہ حدیث مخفی رہی ہو اور اللہ سے آپکا تقویٰ اس سے بلند تھا کہ آپکو یہ حدیث پہنچے اور آپ اسکے قائل نہ ہوں۔ مگر کوئی <u>ایسی معنی ہیں جن کو اُنہوں نے نبیؐ سے سمجھا تھا</u>۔'' (ایضاً صفحہ 322)

یہ ہے عقیدت وتعصبِ مذہبی کی وہ پٹی جو ہر سانس پر اپنی گرفت بڑھاتی چلی جایا کرتی ہے۔ قارئین غور کریں کہ کیا شاہ صاحب کا منشا یہی نہیں ہے؟ جو ہم چند جملوں میں پیش کرتے ہیں کہ:

<u>1</u>: حضرت عمر کو وہ حدیث معلوم تھی جس کی وجہ سے چاروں فقہاء نے فاروقی حکم کو باطل کہہ کر ترک کر دیا۔

<u>2</u>: حضرت عمر نے جو حکم دیا تھا وہ مذکورہ حدیث کی رُو سے صحیح تھا۔ حدیث کے خلاف نہ تھا۔ لہٰذا وہ چاروں فقہا اور اُن کی اتباع کرنے والے نہ صرف حضرت عمر کے مخالف قرار پاتے ہیں بلکہ وہ تو خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

اور یہ بات صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت شاہ ولی اللہ تمام فقہائے اہلسنت کے مذہب سے خارج اور

اُن کے دشمن ہیں۔اور جو باتیں بارہ سو ساٹھ سال میں کسی سرکاری یا غیر سرکاری عالم کو نہ سوجھی وہ شاہ صاحب کی کھوپڑی میں کہاں سے آگئیں؟ بہر حال ہم رُخ موڑنا نہیں چاہتے۔ چاہتے یہ تھے کہ ٹیڑھی ذہنیت ذرا کھل کر سامنے آجائے۔شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وہ حدیث ضرور حضرت عمر کو معلوم تھی۔علمی حیثیت سے ہمیں منظور نہیں۔اس لئے کہ حضرت عمر نے بقلم خود فرمایا ہے کہ:۔

''مدینہ کی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ قرآن جانتی ہیں۔''

حضرت ابوبکر نے آیت پڑھی تو تلوار گھمانا بند کردی اور رسولؐ اللہ کے انتقال کے انکار سے رجوع کرلیا اور کہا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ آیت بھی قرآن میں ہے۔'' ہم صرف صحیح بخاری سے یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ حضرت عمر کو قرآن وحدیث کے متعلق ابوھریرہ اور حذیفہ بن الیمان، عمار یاسر وغیرھم سے بہت کم معلومات تھیں۔البتہ قوانین روما اور اجتہاد یہود ونصاریٰ میں اُن کو دستگاہ کمال حاصل تھی۔اور وہ اُن ہی دونوں کے ماتحت شریعت اسلام کو تبدیل کررہے تھے۔اس لئے ہمیں یہ مانتے ہوئے مسرت ہے کہ حضرت عمر جان بوجھ کر حدیث مذکور کے خلاف احکام جاری کررہے تھے۔رہ گیا شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے کوئی خاص معنی سمجھ لئے ہوں گے۔وہم وگمان سے زیادہ کوئی علمی وعقلی حیثیت نہیں رکھتا۔یہ ایک ایسی بچگانہ بات ہے جو خود اُن کی شان کے خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ نمازِ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھنا بند کردیا

شاہ صاحب نے حضرت عمر کے مختلف فرامین (حکم ناموں) کا ذکر کیا ہے جو حضرت عمر نے مختلف گورنروں اور انچارج افسروں کے نام لکھے اور اُن میں نہایت تاکید وتعین اور وضاحت سے ہر نماز کے اوقات کو اس طرح باندھ کر رکھ دیا ہے کہ گھر بیٹھے وظیفہ اور تنخواہ اور راشن ملتے رہنے والوں کے علاوہ کوئی شخص بلا حرام کھائے اُن پر عمل ہی نہ کرسکے۔آپ دیکھتے ہیں کہ ظہر وعصر دونوں وقتوں کی نماز کے دوران محنت کش اور مزدور ملازم طبقہ دوسروں کے قابو میں ہوتا ہے۔اور اس کی ملازمت یا مزدوری کی اجرت میں یہ دونوں اوقات شامل ہوتے ہیں۔اگر وہ کام چھوڑ دے تو مالک کا نقصان ہوتا ہے۔اور ضد کرے تو اُس اجرت پر اثر پڑتا ہے۔چوری سے پڑھے تو فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔اور نزدیک ترین مسجد تک دو مرتبہ جانا آنا بھی دشوار ہوتا ہے۔حالانکہ اللہ ورسولؐ نے نماز کے جو اوقات اور طریقہ مقرر فرمایا تھا وہ نہ صرف قطعاً فطری اور سہل تھا بلکہ تمام حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا اور تمام علما کو معلوم ہے۔مگر چونکہ حضرت عمر نے قانوناً جمع بین الصلاتین کو ناجائز یعنی شرعی الفاظ میں حرام قرار دے دیا۔لہٰذا حکومت کی مشینری روایت سازی اور تاویل وتشریح میں مصروف ہوگئی۔تاکہ حضرت عمر کے حق میں رائے عامہ کو تبدیل کرے۔تنخواہ اور دیگر وسائل اور اثر ورسوخ اور ڈنڈا سب نے اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔لیکن اس تمام کوشش و جبر وتشدد و لالچ وخوف کے باوجود حق ظاہر ہوکر رہا کہ اِدھر شیعان محمدؐ وآل محمدؐ نے ہمیشہ جمع بین الصلاتین کو جاری رکھا اور عوام کو دکھایا۔اُدھر اہلسنت